شیئر بازار کے مسائل
مفتی محمد نظام الدین رضوی
ناظم مجلس شرعی، وصدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
مکتبہ برہانِ ملت
جامع مسجد، راجہ مبارک شاہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

اے ایمان والو!
آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ

شیئر بازار کے مسائل

کمپنی کی مختصر تاریخ، اس کے کاروبار کا مکمل تعارف، شرعی نقطۂ نظر سے نظام کار کی تفہیم، اور اس کے جملہ امور کے شرعی احکام، مع فیصلہ مجلس شرعی و فیصل بورڈ۔

تصنیف
محمد نظام الدین رضوی
خادم درس و افتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ناشر
مکتبۂ برہانِ ملت
جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، مبارک پور
اعظم گڑھ (یو۔پی) پن کوڈ: 276404

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : شیئر بازار کے مسائل

مصنف : مفتی محمد نظام الدین رضوی

تقدیم : شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۳۰۴

طباعت بار اوّل : ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ

طباعت بار دوم : ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ

طباعت بار سوم : ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ

ناشر : مکتبہ برہان ملت، جامع مسجد، راجہ مبارک شاہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

قیمت: :

ملنے کے پتے

مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔ موبائل: 7237876095

مجلس برکات، ۱۴۹ گراؤنڈ فلور، کٹرا گوکل شاہ بازار، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۔ ۶

موبائل نمبر 011-23268459-9911198459-9990268735

برکاتی بک سینٹر، R_64، گلی نمبر 8، سرسید روڈ، بھارت ڈیری کے سامنے،

بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر اوکھلا نئی، دہلی ۔ ۲۵ موبائل نمبر 9990261528

آئینۂ کتاب

ملنے کے پتے

(۱) حق اکیڈمی مبارکپور، اعظم گڈھ

(۲) المجمع المصباحی، مبارکپور، اعظم گڈھ

(۳) جامعہ بکڈپو، رونا ہی، فیض آباد

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ وحدہٗ ✦ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبیَّ بعدہٗ ✦ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وحزبہٖ وجندہٖ ✦ اما بعد :-

یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ حضرت شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند مدظلہٗ العالی کا ہے جس میں آپ نے مسئلہ شیر بازار کی سنگین صورت حال کا جائزہ لیا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے لئے اس مسئلے کے حل کی راہ میں کیا شرعی رکاوٹیں حائل ہیں۔

شروع شروع میں "مشترکہ سرمایہ کمپنی" کے عنوان سے اُنسٹھ ۵۹ صفحات پر مشتمل مقالہ مجلس شرعی کے پہلے فقہی سیمینار میں پیش کیا تھا جس کی بڑی پذیرائی ہوئی، شرکائے سیمینار نے جی کھول کر سراہا، ستائش فرمائی حتیٰ کہ ایک جلیل القدر عالم حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ "اس مقالہ کی ترتیب میں کمپیوٹر کا دماغ استعمال کیا گیا ہے" ان نوازشوں نے میرے لئے روح افزا کا کام کیا اور میں نے اپنے طور سے اس عنوان پر مکمل ریسرچ کا ارادہ کر لیا مگر مسئلہ اس قدر پیچیدہ تھا کہ اس میں مجھ جیسے نااہل کو قدم نہیں رکھنا چاہئے تھا۔ ایک تو معاشیات (کامرس) سے بالکل ناآشنا، دوسرے اس کے گھپ اندھیروں میں روشنی کی تلاش، ہوئے شیر

لانے کا معاملہ تھا۔

میرا حال اس مسئلے پہ مطالعہ اور غور و فکر کے درمیان کچھ اس طرح تھا جو کسی نے کہا ہے ؂

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا، جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

کئی بار ایسا ہوا کہ ایک دلیل سامنے آئی تو یہ سوچا کہ اسے حرام ہونا چاہیئے پھر دوسری دلیل اس کے برعکس مل جاتی تو جواز کا رجحان بننے لگتا۔ نہ تو یکسو ہو کر یہ فیصلہ کر پاتا تھا کہ یہ حرام ہے اور نہ پورے وثوق کے ساتھ یہ اطمینان حاصل ہو پاتا کہ حلال ہے۔ آخر بفضلہٖ تعالیٰ و توفیقہٖ ایک وقت ایسا آیا کہ دلائل کی کشمکش سے نجات کی راہ سامنے آ گئی اور چار ماہ کی جدو جہد کے نتیجے میں کتاب کی ترتیب کا کام مکمل ہو گیا، پھر بھی مجھے یہ اعتراف ہے کہ ؏

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اصلاح کے لئے میں نے یہ اہتمام کیا کہ کئی دفعہ از خود پوری کتاب مطالعہ کی اور بہت سی جگہوں پر ترمیم و اضافہ کیا، سیمینار کی تنقیدوں سے بھی کچھ استفادہ کی کوشش کی اور بطور خاص درج ذیل اساتذہ کرام کی خدمت میں بغرض اصلاح یہ کتاب پیش کی۔

(۱) حضرت شارح بخاری دام ظلہ العالی (۲) حضرت بحر العلوم دام ظلہ العالی
(۳) حضرت شیخ القرآن مولانا عبد اللہ خاں صاحب دام ظلہ العالی، جامعہ اسلامیہ رونا ہی
مؤخر الذکر دونوں بزرگوں نے پوری کتاب ایک ایک بار سن کر اپنے مفید مشوروں

سے نوازا اور حضرت شارح بخاری دامت برکاتہم العالیہ نے دوبار پوری کتاب سماعت فرمائی، آخری مرتبہ کی سماعت میں آپ نے متعدد مقامات پر اصلاح کے لئے نشاندہی کی، میں تہ دل سے ان بزرگوں کا ممنون و مشکور ہوں۔

ساتھ ہی شکر گزار ہوں فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی دام ظلہ العالی اور محقق پاکستان حضرت علامہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری صاحب دام ظلہ العالی کا کہ اول الذکر نے راقم کے موقف کی مکمل تائید فرمائی اور مؤخر الذکر نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

تیسرے فقہی سیمینار میں جو امور باتفاق رائے طے پا گئے، یا مختلف فیہ رہے انھیں اسی طور پر نوٹ کر کے یہ مسئلہ فیصل بورڈ کے حوالہ کر دیا گیا تھا ان امور کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) محدود بہ حصص کمپنی کی بنیاد تین امور پر ہے۔

(۱) ترجیحی حصص (۲) قرض تمسکات (۳) مساواتی حصص

اس پر سیمینار کا اتفاق ہے کہ ترجیحی حصص سرمایۂ قرض ہیں جن پر ملنے والا نفع سود ہے اس لئے ان حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری حرام ہے۔

یہی صورت قرض تمسکات میں بھی ہوتی ہے اس لئے ان کے ذریعہ سرمایہ کاری بھی حرام ہے۔

(۲) مفتی نظام الدین صاحب نے بتایا کہ پہلے بعض غیر ذمہ دار مضمون نگاروں کے مضمون سے یہ معلوم ہوا تھا کہ قرض تمسکات لازم شرکت ہوتے ہیں مگر ذمہ دار اور حصہ دار افراد سے یہ تحقیق ہوئی کہ قرض دینا شریک کے لئے قطعاً لازم نہیں ہوتا۔

نہ ہی کمپنی اپنے شرکا رسے ایسا کوئی مطالبہ کرتی ہے۔

(۳) یہ بھی بتایا کہ مذکورہ باخبر لوگوں سے معلوم ہوا کہ چار ہزار میں سے تقریباً تین ہزار نو سو اٹھانوے کمپنیاں ایسی ہیں جو مطلوبہ رقم یک مشت لیتی ہیں۔

ایک دو کے یہاں قسط وارادائیگی اور ضبطگی کی صورت ہوا کرتی ہے اس لئے طے یہ ہوا کہ قسط وارادائیگی والی کمپنیوں کی شرکت سے یکسر رد کا جائے جب کہ ان کے یہاں پوری قسطیں وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں سابق جمع شدہ رقم کی ضبطگی کا رواج ہو، یا جن سے ایسا خطـــرہ ہو۔

(۴) مساواتی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری شرکتِ عنان ہے اس پر اتفاق ہوگیا۔

عالمگیری جلد ۲ ص ۳۲۲ مع خانیہ اور بہار شریعت جلد ۱۰ ص ۲۹ کے ایک جزئیہ سے یہ معلوم ہوا کہ شریکِ عنان کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے اپنے جملہ اختیارات دوسرے شریک کو دیتے ہوئے شرکت کرے، اس لئے مساواتی حصص والا عملاً اپنے حصص اور ان کا نفع لینے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا تو اس سے اس کی شرکت کے شرکت عنان ہونے پر کوئی اثر نہیں آتا۔

(۵) مساواتی حصص کے ذریعہ شرکت جائز ہے یا نہیں ؟

جواز پر اشکال یہ ہے کہ مساواتی حصص والا نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے ــــ اگر کمپنی نے دس لاکھ روپے جمع کئے۔ پانچ لاکھ ترجیحی حصص اور قرض تمسکات کے ذریعہ۔ پانچ لاکھ مساواتی حصص کے ذریعہ۔ اور دو لاکھ کا نقصان ہوا تو اس نقصان میں ترجیحی حصص اور قرض تمسکات والے بالکل شریک نہ ہوں گے، بلکہ ان کو مقررہ سود ملتا رہے گا اور ان کا اصل سرمایہ بھی محفوظ رہے گا اور دو لاکھ کا سارا

نقصان مساواتی حصص والوں پر عائد ہوگا ۔ اس طرح یہ شریک سود دینے اور سودی قرض کا نقصان سہنے کا عملاً مرتکب ہوگیا اگرچہ وہ فارم پر یہ لکھ دے کہ سودی قرض لینے یا سود دینے سے مجھے کوئی سروکار نہ ہوگا ۔

یہ رائے حضرت شارح بخاری، حضرت محدث کبیر اور حضرت مصباحی صاحب دامت برکاتہم القدسیہ کی ہے اور راقم محمد نظام الدین رضوی کی رائے اس کے برخلاف یہ ہے ۔

شریعت طاہرہ کا ضابطہ ہے کہ مسلمان کا فعل امکانی حد تک حرمت و فساد سے بچایا جائے اسی لئے فقہاء کرام نے بہت سے مسائل میں امکانی گوشوں کو تلاش کر کر کے تصحیح عقد فرمائی ۔ مثلاً :

۱ بازار میں مال حرام غالب اور حلال مغلوب ہو تو بھی اشیاء کی خریداری کو جائز فرمایا ۔ (فتاوی رضویہ جلد دوم، رسالہ اَحْلیٰ مِنَ السّکر)

۲ بیع سیف محلی بحلیہ میں جز ثمن دے کر کہا "خُذ مِن ثمنِہما"، تو اسے "مِن اَحدِھما" قرار دے کر حلیہ کی بیع صرف کو جائز کہا (ہدایہ جلد ۳، باب بیع الصرف)

۳ "بیعُ دِرہم ودینارَین بدرہمین ودینار" کو مقابلۂ مطلقہ مان کر مُقابَلۃُ الجنس بخلافِہ کے احتمال کو تصحیح عقد کے لئے متعین کیا (ہدایہ جلد ۳، باب بیع الصرف)

۴ عبد مشترک کو ایک شریک نے بیچ دیا تو اسے درست قرار دیا (ہدایہ جلد ۳، صرف)

وغیر ذلک من المسائل الکثیرۃ المعتمدۃ المفتی بہا ۔

اس لئے کمپنی میں گو سرمایۂ حصص اور سرمایۂ قرض دونوں مخلوط ہیں لیکن یہاں تصحیح عقد کا امکان یہ ہے کہ سود کی ادائیگی کو سرمایۂ شرکت سے نہ مانا جائے، بلکہ یہ

مــه یہ پوری بحث تیسرے اشکال کے حل دوم میں منقول ہے ۱۲ ن

مانا جائے کہ سود صرف مال قرض کے نفع کا ہے یعنی کمپنی کے پاس جو کچھ روپیہ ہیں وہ ہو سکتا ہے کہ قرض کے بھی ہوں، حصص کے بھی ہوں لیکن فعل مسلم کو حرمت و فساد سے بچانے کے لئے یہ قرار دیا جائے گا کہ یہ سرمایہ قرض ہے ـــ اور سرمایہ حصص کچھ تو متاع کی شکل میں موجود ہے، کچھ نرخ کے گھٹنے کی وجہ سے خسارہ کی نذر ہو گیا۔

واضح ہو کہ ہدایت کار بورڈ بحیثیت وکیل جو کچھ قرض لیتا ہے شرعاً اس کی ذمہ داری اسی کے سر ہے مؤکل یعنی عام شرکا کے سر نہیں۔ چونکہ بحث اس سے آگے نہیں بڑھ رہی ہے اس لئے اسے فیصل بورڈ کے حوالہ کیا جاتا ہے "

(تین ضمنی سیمناروں میں طے شدہ امور۔ ص ۱، ۲، ۳)

جواز پر جو اشکال پیش کیا گیا تھا وہ گو فہم کے زیادہ قریب تھا تاہم ایک ریسرچ اسکالر کے لئے اتنا زیادہ تشفی بخش نہ تھا کہ بے چون و چرا فوراً تسلیم کر لیتا، کیونکہ اس کے بارے میں دل میں دو طرح سے خلجان واقع ہو رہا تھا۔

(ایک یہ کہ فعل مسلم کو صحت و سداد پر محمول کرنے کے لئے امکانی گوشہ (جس کا اجمالی خاکہ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا) طالب تحقیق تھا۔

دوسرے یہ کہ یہ بات محل نظر تھی کہ مساواتی حصص والوں کو بھی سودی قرض کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ کمپنی کے آئین میں یہ واضح صراحت موجود ہے کہ:

"ممبران کی ذمہ داری صرف ان کے حصص کی رقم تک ہی محدود ہوتی ہے، اس حد کے بعد ان پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور نہ ہی ان سے کمپنی کے واجبات کے سلسلے میں کوئی مطالبہ کیا جا سکتا ہے "

(جدید طریقہ تجارت ص ۱۷۳ ج ۱)

تعبیر کے فرق کے ساتھ اس بندۂ ناچیز نے بھی یہ اشکال اپنے مقالہ میں ذکر کر کے اس کا حل پیش کیا تھا (ملاحظہ ہو چوتھا اشکال اور اس کا حل) اس لئے وہ خلجان ایک فطری امر تھا۔

مسئلہ فیصل بورڈ کے حوالہ ہو گیا پھر بھی میں اپنے طور پر مسلسل غور و فکر کرتا رہا اسی دوران عروس البلاد بمبئی کے سفر کا اتفاق ہوا وہاں جا کر میں نے کمپنی امور کے ایک واقف کار کے سامنے یہ سوالات رکھے۔

(۱) مساواتی حصص اور ترجیحی حصص کا حساب کتاب الگ الگ ہوتا ہے یا مشترکہ طور پر ایک میں ــــ؟

(۲) ترجیحی حصص پر جو منافع حاصل ہوتے ہیں ان میں سے عام مساواتی حصص والوں کو بھی کچھ دیا جاتا ہے، یا صرف ہدایت کار بورڈ کا حق مانا جاتا ہے ؟

(۳) جب کمپنی کے راس المال میں بھی خسارہ واقع ہو جائے تو اس کی تلافی صرف ہدایت کار بورڈ کے شیئر سے کی جاتی ہے، یا تمام حصص والوں کے شیئر سے۔؟

تو اس کا جواب انھوں نے یہ دیا :

(۱) سب کا حساب ایک ساتھ مشترکہ طور پر ہوتا ہے۔

(۲) وہ منافع مساواتی اور ترجیحی تمام حصص داروں پر برابر تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(۳) یہ تلافی کمپنی کے مال سے ہوتی ہے اور مال سارے شیئر داروں کا ہوتا ہے۔

اس جواب سے میرا دوسرا خلجان دور ہو گیا، اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ درج بالا آئین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرض کا بار بالکل مساواتی شیئر داروں پر نہیں ڈالا جاتا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ ضرورت کے وقت ان پر بھی بار پڑتا ہے مگر

اُسی قدر جتنا حصہ ان کا کمپنی میں جمع ہے حصے سے زیادہ ان سے قرضے کی ادائیگی کے لئے مزید کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

یہ الگ بات ہے کہ شرعاً قرض کا باران کے ذمہ نہیں آتا توان کے سرمائے سے کسی بھی وقت قرض کیوں وصول کیا جاتا ہے ؟ شریعت کا قانون یہ ہے کہ شرکار میں سے کوئی شخص قرض حاصل کرے تو اس کا ذمہ دار تنہا وہی ہو گا اگر چہ اس میں دوسرے شریک کی مرضی بھی شامل ہو لیکن کمپنی کی انتظامیہ کو اس سے کیا غرض۔

اس واضح صراحت کے بعد پہلے خلجان کی بنیاد بھی متزلزل ہو چکی تھی لیکن میری طبیعت فقہی دریافت کے بارے میں کچھ غیر قناعت پسند واقع ہوئی ہے اس لئے هَل مِن مَزِيد کی جستجو میں لگی رہی ، مثل مشہور ہے " جوینده یابنده " آخر فقہی شہادت مل گئی ، شبہات کے بادل چھٹ گئے اور اطمینان قلب حاصل ہو گیا، وہ شہادت آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنفی کی اہم ترین کتاب " بہار شریعت " میں غصب کے بیان میں جوہرہ نیرہ کے حوالے سے یہ دلچسپ مکالمہ درج ہے :

" مسئلہ : علی بن عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، میں نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ایک شخص کا ایک روپیہ دوسرے کے دو روپے میں مل گیا ، اس کے پاس سے دو روپے جاتے رہے ایک باقی ہے اور معلوم نہیں یہ کس کا روپیہ ہے اس کا کیا حکم ہے ۔؟ امام نے فرمایا وہ جو باقی ہے اس میں سے ایک تہائی ایک روپیہ والے کی ہے اور دو تہائیاں دو روپے والی کی ۔

علی بن عاصم کہتے ہیں، اس کے بعد میں ابن شبرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انھوں نے کہا تم نے اس کو کسی اور سے بھی پوچھا ہے میں نے کہا، ہاں۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا ہے، ابن شبرمہ نے کہا، انھوں نے یہ جواب دیا ہوگا۔ میں نے کہا ہاں۔ ابن شبرمہ نے کہا، انھوں نے غلط جواب دیا۔ اس لئے کہ دو روپے جو گم ہو گئے ان میں ایک تو یقیناً اس کا ہے جس کے دو روپے تھے، اور ایک میں احتمال ہے کہ اس کا ہو، یا ایک روپیہ والے کا ہو، اور جو باقی ہے اس میں بھی احتمال ہے کہ دو والے کا ہو، یا ایک والے کا۔ دونوں برابر کا احتمال رکھتے ہیں لہٰذا نصف نصف دونوں بانٹ لیں۔

کہتے ہیں: مجھے ابن شبرمہ کا جواب بہت پسند آیا، پھر میں امام اعظم سے ملا اور ان سے کہا کہ اس مسئلے میں آپ کے خلاف جواب ملا ہے۔

امام نے فرمایا، کیا تم ابن شبرمہ کے پاس گئے تھے۔؟ میں نے کہا، ہاں۔ فرمایا۔ انھوں نے تم سے یہ کہا ہے۔ وہ سب باتیں بیان کر دیں، میں نے کہا، ہاں۔

فرمایا کہ جب تینوں روپے مل گئے اور امتیاز باقی نہیں رہا تو اس صورت میں روپیہ میں دونوں شریک ہو گئے، ایک والے کی ایک تہائی، اور دو والے کی دو تہائیاں۔ پھر جب دو گم ہو گئے، تو دونوں کی شرکت کے دو روپے گم ہوئے، اور جو باقی ہے یہ بھی دونوں کی شرکت کا ہے کہ ایک تہائی ایک کی اور دو تہائیاں دوسرے کی۔ "

(بہارِ شریعت ص ۲۰۲، ۲۰۳ حصہ ۱۵ غصب کا بیان، اتلاف سے وجوب ضمان کی بحث ۔ بحوالہ الجوہرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری ص ۲۷۵ ج ۲ کتاب الغصب قُبیل کتاب الودیعۃ)

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ گفتگو شرکتِ عقد میں چل رہی ہے اور مکالمہ کا تعلق شرکتِ ملک سے ہے کیونکہ شرکتِ عقد میں بھی شرکتِ ملک اُس وقت پائی جاتی ہے جب شرکاء کا مال باہم خلط ملط ہو جاتا ہے ۔

اس جزئیہ کی دریافت کے بعد میرا موقف جزوی طور پر تبدیل ہو گیا، پہلے موقف یہ تھا ۔ :

- مساواتی حصص کے ذریعہ کمپنی کی شرکت قبول کرنا بھی جائز ہے ۔
- اور ان حصص کے سرمائے سے کمپنی کی تجارت بھی جائز ہے ۔

لیکن اب موقف یہ ہو گیا کہ شرکت قبول کرنا تو ناجائز ہے لیکن تجارت جائز ہے (وجہ فرق کی تفصیل دوسرے اشکال کے حل میں ہے)

اس کے چند ہی دنوں بعد دل میں پھر ایک خدشہ یہ رہنے لگا کہ بازار میں مال حرام غالب ہو اور مال حلال مغلوب، مثلاً کل دس لاکھ کا مال ہے جس میں تین لاکھ حلال ہے اور سات لاکھ حرام ۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کی خریداری مطلقاً جائز ہے حالانکہ تین لاکھ کا مال فروخت ہو جانے کے بعد اشکال مذکور کے پیشِ نظر خریداری حرام ہونی چاہئے تھی ۔

لیکن جلد ہی یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کیوں کہ بازار کا مال گو بیشتر حرام سہی، مگر یقین کے ساتھ یہ نہیں معلوم ہے کہ کون سا مال حرام ہے، تو متعین طور پر کسی بھی مال میں

صرف حرام ہونے کا شبہ ہے، یقین نہیں ہے اور کچھ مال اس میں یقیناً حلال ہے دوسری طرف بیع و شرا، کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی اصل کے لحاظ سے جائز و حلال ہیں ارشاد باری ہے وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ۔ اِلَّاۤ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ۔ تو فعل مسلم کو حرمت و فساد سے بچانے کے لئے مانا یہ جائے گا کہ اس نے جو مال خریدا ہے حلال ہے گو اس میں حرام کا بھی شبہہ ہے اشباہ میں ہے:

"لکن مع ھٰذا الواشتراہ یطیب لہٗ" عن البزازیۃ۔

اس کے تحت حاشیہ حموی میں ہے:

وجھہٗ ان یکون الغالب فی السوق الحرام لا یستلزم کون المشتری حرامًا لجواز کونہٖ من الحلالِ المغلوب، والأصل الحِلُّ اھ

(غمز العیون والبصائر مع الاشباہ والنظائر ص ۱۳۶، قاعدہ ۲)

اس کے برخلاف کمپنی کے مسئلے میں یہ متعین ہے کہ تمام مساواتی حصہ داروں کے سرمائے سے تمام قرضخواہوں کو اتنا مال سود کی ادائیگی کے سلسلے میں دیا گیا، یہاں نام بنام حصہ دار معلوم، ہر قرضخواہ بشمول تمسک دار معلوم، ہر ایک کا حصہ اور مقدارِ سود معلوم تو یہاں ارتکاب حرام سے بچانے کی کوئی امکانی راہ نہیں رہ جاتی۔

آپ شاید اسے میری پریشان نظری کہیں، یا سیماب طبعی کہ فکر خام نے یہاں ایک کروٹ پھر بدلی اور دماغ کی صلاح پر یہ بے مایہ یہ سوچنے لگا کہ دوسرے کے قرض کی ادائیگی میں ہاتھ بٹانا کوئی معیوب کام نہیں معیوب تو سود کی ادائیگی میں ہاتھ بٹانا ہے اور کمپنی جب خسارے کی وجہ سے ختم کی جاتی ہے تو قرض خواہوں اور ترجیحی تمسک داروں کو سود نہیں دیا جاتا،

بلکہ کسی طرح سے اصل رقم انھیں ادا کر دی جاتی ہے حتیٰ کہ بسا اوقات اس میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے ۔

اور اگر خسارے کی کوئی صورت ایسی ہو جس میں سود بھی دیا جاتا ہو تو اس سے بچنے کی راہ یہ ہے کہ مسلم شیر دار معاہدے کے آغاز میں ہی یہ صراحت کر دے یا فارم پر لکھ دے کہ "کمپنی کے خسارے سے دوچار ہونے کے وقت میرا سرمایہ صرف قرض کی ادائیگی میں صرف ہو سکتا ہے، سود سے مجھے کوئی سروکار نہ ہوگا، میں اس سے بیزار ہوں ۔"

ان امور کی قدرے تفصیل اشکال ۱۲ کے حل میں ہے ۔

لیکن کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ ــــ جو لوگ اب تک کمپنی کے حصص لیتے رہے ہیں وہ تو قرض مع سود پر راضی رہے کیونکہ انھیں اس کی خبر ہی نہیں کہ سود میں تعاون کی نحوست سے کیسے بچا جا سکتا ہے ۔

اور آئندہ جو لوگ حصہ لیں گے وہ بچنے کی راہ سے واقف ہو کر بھی شاید و باید اس پر چل سکیں، سب کو تو نہیں کہا جا سکتا مگر عوام کی اکثریت ایسی ہی ہوگی، تجربہ یہی ہے کہ ایک بات کی اجازت شرائط کے ساتھ دی جاتی ہے مگر لوگ "شرطوں کو "گول" کر جاتے ہیں جیسے وہ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ شرطوں کی کیا حیثیت ہے ۔ علاوہ ازیں اب کمپنی کی دنیا میں بانیان کے ذریعہ بددیانتی اور دلالوں کے ذریعہ حصص میں سٹہ بازی، فریب دہی کمپنی پر سرمایہ دار طبقہ کی اجارہ داری عام وبا کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے، کمپنی کے اصول جو بھی ہوں لیکن عمل ان پر کم ہو پاتا ہے ۔

ایسے ماحول میں کمپنی سے مشارکت اپنے مال معصوم کو تباہی کے دہانے پرلے جانے کے مساوی یا (کم ازکم) قریب ہے، نیز فتح باب معصیت بھی ہے جو بجائے خود ناجائز ہے اس لئے سدّباب معصیت کا تقاضہ یہی ہے کہ کمپنی کے کاروبار سے کلّی طور پر دور رہنے کا حکم دیا جائے جیساکہ بہت سے مسائل میں فقہائے کرام نے سدّباب کے لئے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید کے دور خلافت میں خراسان میں "غطریف" نام کا ایک درہم رائج تھا جس میں چاندی کم اور کھوٹ زیادہ ہوتا تھا اس کی بیع اس کے ہم جنس کے عوض کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوسکتی تھی جیساکہ چوتھے اشکال کے حل میں اس کی تفصیل آرہی ہے لیکن فقہاء نے سدّباب ربا کے لئے اجازت نہیں دی۔ ہدایہ میں ہے فلو أبیح التفاضل فیہ ینفتح باب الربٰو۔ (۲/۹۳ صرف)

اس مقام پر پہونچ کر میں نے اطمینان کی سانس لی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اب منزل مقصود یہی ہے ؎

شکر کہ جنازہ بہ منزل رسید
زورق امید بہ ساحل رسید

پوری کتاب میں آپ کو جگہ جگہ اشکالات کے بادل نظر آئیں گے جن کے ازالہ کے لئے میں نے اپنے طور پر کوشش بھی کی ہے تاہم شیر بازار کا افق صاف نہ ہوسکا۔ اشکالات کی مجموعی تعداد ۲۳ سے زیادہ ہے ان میں سے صرف ایک اشکال (۲۴ واں) کے حل کی کوئی راہ نظر نہ آئی کہ اس کی اصلاح ناممکن تھی۔

پیش نظر کتاب میں مساواتی حصص کے جواز پر سولہ[۱۹] اشکالات اور ان کے حل پیش کئے گئے تھے اس منزل تک رسائی کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ آخر میں زیر بحث اشکال کا بھی اضافہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا "سترہواں اشکال" کا اضافہ کر کے اس بحث کو مکمل کیا۔

اس مسئلے میں ہمارے علمائے اہل سنت کا موقف پہلے ہی سے عدم جواز کا تھا اس لئے ان حضرات نے سیمینار میں بڑی گہرائی و گیرائی کے ساتھ اپنے موقف پر زوردار بحثیں کیں، مسئلے کے ایک ایک خدوخال کو بے نقاب کرنے کی کوششیں فرمائیں اور یہ سلسلہ تین سیمیناروں تک چلتا رہا، ابھی ہم آپ کو جس اشکال کی کہانی سنا رہے تھے اسے تیسرے سیمینار میں فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب مدظلہ (ناظم مجلس شرعی، و نائب صدر مدرس دارالعلوم اشرفیہ) نے پیش کیا تھا، پھر حضرت نائب مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ نے اس پر جم کر دیر تک بحث فرمائی جس کے نتیجے میں مجھے پہلی بار اپنے موقف پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی اور آخر کار مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے (جیسا کہ ابھی بیان ہوا) ترمیم بھی کرنی پڑی۔

میں نے تمام شرکائے سیمینار کی بحثوں سے استفادہ کی بھی کوشش کی، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ شرکائے عنان میں سے کسی کی موت ہو گئی تو شرکت صرف اس کے حق میں باطل ہو گی، یا تمام شرکاء کے حق میں باطل ہو جائے گی؟ ایک رفیق کار نے بہار شریعت سے یہ جزئیہ تلاش کر کے پڑھا کہ دو آدمیوں نے شرکت کی، ایک مر گیا تو شرکت باطل ہو گئی۔ بحر العلوم حضرت علامہ و مولانا مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے میری طرف متوجہ ہو کر اپنی پست آواز میں فرمایا۔

جب دو ہی شریک تھے، تو ایک کی موت سے ضرور شرکت باطل ہو جائے گی۔
میں نے کھڑے ہو کر اسی مفہوم کو قدرے تشریح کے ساتھ بیان کر دیا جو بہت
مقبول ہوا، یعنی کام تھا حضرت بحر العلوم کا، نام ہوا میرا۔

پہلے سیمینار میں حضرت محدث کبیر دام ظلہ العالی نے فتاویٰ رضویہ جلد سابع ص۱۱۱
کا فتویٰ تنقیح مناط کے نقطۂ نظر سے پڑھ کر سنایا تھا جو اس قدر اہمیت کا باعث بنا
کہ فیصل بورڈ کے آخری اجلاس تک مرکز استدلال بنا رہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ مسئلہ سیمینار کی بحثوں کے ماحول سے نکل کر فیصل بورڈ تک
پہونچا، اس سلسلے میں فیصل بورڈ کے دو اجلاس ہوئے، پہلا اجلاس جامعہ اشرفیہ
میں، جو چند گھنٹوں پر مشتمل تھا، دوسرا سہ روزہ اجلاس مرکزی دارالافتاء محلہ
سوداگران بریلی شریف میں حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے جانشین حضرت علامہ مولانا
اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری دام ظلہ العالی کی زیر صدارت وزیر اہتمام منعقد ہوا،
بحثوں میں وہاں کے علماء نے دلچسپی سے حصہ لیا اور ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۶
اپریل ۱۹۹۹ء بروز سہ شنبہ کو باتفاق رائے یہ فیصلہ تحریر کیا گیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

(۱) مساواتی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری عقود فاسدہ ربا کے
دخل کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(۲) اپنے روپیہ کا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں
حرام ہیں۔

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ ص ۱۰۷، ج ۸)

(دستخط ارکان فیصل بورڈ)

فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری — ضیاء المصطفیٰ قادری

تیسرے رکن حضرت فقیہ ملت دام ظلہ علالت کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے۔

(دستخط معاونین)

(۱) عبدالرحیم بستوی (۲) محمد نظام الدین الرضوی (۳) دستخط پڑھا نہ جاسکا

(۴) محمد صالح قادری بریلوی (۵) بہار المصطفیٰ قادری (۶) محمد احمد مصباحی

(۷) محمد معراج القادری (۸) صدرالوریٰ قادری (۹) قاضی شہید عالم رضوی

(۱۰) محمد مظفر حسین قادری (۱۱) محمد ناظم علی قادری بارہ بنکی۔

یہی اب ہم سب کا فتویٰ ہے مسلمان اسی پر عمل کریں اور ہرگز ہرگز کمپنی کی شرکت قبول نہ کریں۔

یہ مسئلہ ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز چہارشنبہ کو پہلے فقہی سیمینار کی پانچویں نشست میں زیر بحث آیا تھا اور زیر غور تو اور پہلے سے تھا۔ اس طرح اسلامی سال کے اعتبار سے بحث کی پہلی نشست سے آخری نشست تک ۵ سال ۷ ماہ ۱۵ دن میں یہ مسئلہ طے ہوا۔ یہ تحقیق کے میدان میں علمائے اہلسنت کی احتیاط کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اخیر میں ہم جملہ شرکائے سیمینار، وشرکائے فیصل بورڈ و رفقائے مجلس شرعی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس اعتراف کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں ؎

نہیں دعویٰ مجھے تنہا نباہی دوستی ہم نے
محبت کو سنبھالا ہے کبھی تم نے، کبھی ہم نے

محمد نظام الدین رضوی غفرلہٗ خادم دارالعلوم اشرفیہ ورکن مجلس شرعی
۲۱ر ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ - ۴ر اگست ۱۹۹۹ء بروز چہارشنبہ

تصدیقِ جمیل

فقیہ ملت، حضرت العلام، مولانا، مفتی الحاج جلال الدین صاحب دام ظلہ العالی

صدر مرکز تربیتِ افتا، دارالعلوم امجدیہ ارشد العلوم، اوجھا گنج ضلع بستی

باسمہٖ وحمدہٖ تبارک وتعالیٰ

وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رسولہٖ الاَعلٰی

عالم نبیل، فقیہ جلیل، حضرت علامہ الحاج مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی زید مجدہم نے اپنی اس گراں مایہ تصنیف میں ازالۂ شبہات کے ساتھ ساتھ واضح دلائل پر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھی ہے۔ دنیائے اسلام کی عبقری شخصیت، فقیہ بے بدل، مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے (۱) فتویٰ پر سیر حاصل بحث کرنے، اور اس کے مضمرات کی بھرپور وضاحت پر میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یقیناً عزیز موصوف اہلسنت وجماعت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں، ان کی دقیق نظر اور باریک بینی دوسروں کے لئے فکرساز اور رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں ان کی اس تحقیق سے پورے طور پر متفق ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ خدائے عزوجل ان کی عمر میں خیر وبرکت عطا فرمائے، ہمیشہ انھیں صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے، اس طرح کے مشکل مسائل حل کرنے کی انھیں مزید توفیق رفیق بخشے، اور ان کی ساری دینی خدمات کو قبول فرما کر اجر جزیل، وجزائے جلیل سے سرفراز فرمائے۔ آمین

بحرمۃ سید المرسلین، صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

جلال الدین احمد امجدی

۲۴ر شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۱۱۱ ج ۷ مشمولہ کتاب ص ۲۵۰

تأثر

فاضل محقق، حضرت العلام مولینا الحاج عبد الحکیم شرف قادری صاحب قبلہ
دام ظلہ العالی ۔ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

محترم و مکرم حضرت فقیہ جلیل، عالم نبیل مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

کثّر اللہ تعالیٰ أمثاله فی أهل السنة والجماعة

آپ کا مقالہ "مشترکہ سرمایہ کمپنی کا نظام کار اور اس میں شرکت" کئی ماہ پہلے موصول ہوا تھا، گوناگوں مصروفیات کی بنا پر اس کا صرف اجمالی مطالعہ ہی کر سکا تھا، اب آپ کے مکتوب گرامی سے معلوم ہوا کہ آپ اس کی اشاعت کرنے والے ہیں تو کسی قدر تفصیلی مطالعہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔

پاک و ہند کے مدارس اہل سنت میں جامعہ اشرفیہ، مبارکپور کی کئی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت اس جامعہ میں مجلس شرعی کا قیام ہے جس میں آپ ایسے دقیق نظر، وسیع مطالعہ اور ملت اسلامیہ کا صحیح درد رکھنے والے علماء شامل ہیں۔

مجھے اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے دلی مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ آپ نے ان مسائل کی تحقیق کا بیڑا اٹھایا ہے جو دور حاضر کی پیداوار ہیں اور علماء اسلام کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں، مذکورہ مقالہ آپ کے وسیع مطالعہ اور گہری فقیہانہ نظر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، آپ نے جدید معاشیات کے لٹریچر کا چشم بینا سے مطالعہ

؎ پہلے اسی عنوان سے وہ صفحات پر مشتمل مقالہ بھیجا تھا یہ تاثر اسی مقالہ پر ہے ۔ محمد ن

کیا اور فقیہانہ بصیرت کے ساتھ اس کا تجزیہ کیا، اس کا شرعی حکم بیان کیا اور اس سلسلے میں پیش آنے والے اشکالات کا اسلامی نقطۂ نظر کے تحت حل پیش کیا۔ ع

آفریں بر ہمت بازوئے تو

اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں اس جدوجہد کا اجر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

فقیر کی رائے ہے کہ ہمیں شرعی طور پر جائز اور ناجائز معاملات کی وسیع پیمانے پر تشہیر کرنی چاہیے، کوئی وجہ نہیں کہ دیندار طبقہ ناجائز اور حرام کاروبار سے گریز نہ کرے گا اور جائز ذرائع آمدنی اختیار نہیں کرے گا۔

والسلام

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

۲۴ر جنوری ۱۹۹۶ء

تقدیم

از

نائب مفتی اعظم ہند و شارح بخاری حضرت العلام
مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم العالیہ

سرپرست مجلس شرعی و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے اہم شعبہ مجلس شرعی کے پہلے سیمینار منعقدہ ۱/۵/۱۴۱۴ھ تا ۴/۵/۱۴۱۴ھ — ۱۸/۱۰/۱۹۹۳ء تا ۲۱/۱۰/۱۹۹۳ء) میں بحث کے لئے تین موضوعات منتخب کئے گئے تھے۔

(۱) الکحل آمیز دواؤں کا حکم۔

(۲) لائف انشورنس و جنرل انشورنس۔

(۳) شیئر بازار کا مسئلہ۔

دو پہلے والے موضوعات پر پوری بحث و تمحیص ہوئی اور آخری فیصلے کے لئے انھیں "فیصل بورڈ" کے حوالہ کیا گیا، اللہ کا شکر ہے کہ فیصل بورڈ نے ان دونوں پر اپنا اخیر فیصلہ صادر فرمادیا جس سے آپ حضرات کو بہت پہلے مطلع کیا جاچکا ہے۔ "شیئر بازار کا مسئلہ" طویل بھی ہے اور بہت پُرپیچ بھی۔ مجلس شرعی کے

پہلے سیمینار کی آخری نشست میں اس پر تھوڑی سی بحث ہوئی مگر وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کو دوسرے سیمینار کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

مجلس شرعی کا دوسرا سیمینار ۱۸ر تا ۲۱ ر رجب ۱۴۱۵ھ۔ ۲۳ر تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۹۴ء کو ہوا جس میں مسئلہ "شیئر بازار" پر کافی بحث ہوئی لیکن ان سب کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا اور بالآخر تیسرے سیمینار کے لئے پھر اس کو ملتوی کر دیا گیا۔

قصہ اصل یہ ہے کہ دنیا میں سرمایہ داروں نے غریبوں کا خون چوسنے کے لئے جو بہت سے طریقے ایجاد کئے ہیں ان میں سب سے خطرناک طریقہ "سود" ہے اسی وجہ سے اسلام نے سود کے انسداد کی بھرپور کوشش فرمائی ہے ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَاکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے آسیب نے چھو کر مخبوط کر دیا ہو۔

اور فرمایا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو پس اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا یقین کر لو۔

ایک ایمان والے کے لئے اس سے سخت تر وعید اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی کسے ہمت ہے ؟ احادیث کریمہ اس باب میں بہت کثیر وارد ہیں اور سود خوار کے لئے جو دردناک عذاب مقرر ہے وہ سب تفصیل سے مذکور ہیں حتی کہ احادیث میں یہ بھی فرمایا گیا کہ :

"سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے کاتب اور اس کے گواہ پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی (۱)

غرضیکہ سودی کاروبار کے بالکلیہ استیصال کے لئے اسلام نے سخت سے سخت تر وعیدیں فرمائیں اور اس کے لئے کسی قسم کی گنجائش نہیں چھوڑی حتی کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع قطعی ہے کہ جو سود کو حلال جانے وہ کافر ہے مسلمان نہیں۔

لیکن عجیب بات ہے کہ اسلام نے سود کے خلاف جتنی سخت روش اختیار کی، دوسرے مذہب والے مثلاً ہندو، نصاریٰ، یہودی اس کے برخلاف سود کو رواج دینے میں نہایت کوشاں رہے اور اب یورپ نے اپنی سیاسی بازی گری اور چال بازی سے پوری دنیا پر اپنا معاشی نظام اس طرح مسلط کر رکھا ہے کہ اس کی کوئی امید نظر نہیں آتی کہ اس معاشی پھانسی کے پھندے سے دنیا کبھی نکل پائے گی، پھر اس نے قسم قسم کے نئے نئے عنوانات سے خوشنما نام دے دے کر سود اور جوئے کی ایسی ایسی قسمیں ایجاد کر دی ہیں کہ اس کی جال میں پوری دنیا گرفتار ہے۔

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۴ - رواہ مسلم۔

انھیں تباہ کن قسموں میں، شیئر بازار، بھی ہے بڑے بڑے شہروں میں اس کی وبا اتنی عام ہے کہ عوام کو اس سے بچانا مشکل ہے حد یہ ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ اس میں سودی لین دین ہے تو وہ ماننے کو تیار نہیں مگر اس گھپ اندھیرے میں کچھ اللہ والے ایسے بھی ہیں جنھیں احساس ہوا اور انھوں نے علمائے کرام کی طرف رجوع کیا جس کے نتیجے میں یہ مسئلہ مجلس شرعی کا موضوع بنا۔ بحث وتمحیص ہُلتیا تیانئی اور سوال وجواب کا سلسلہ مستقل جاری ہے یہ تو بہت آسان تھا کہ آنکھ بند کر کے اس کو حرام کر دیا جاتا لیکن اس میں دو بڑی خرابیاں ہیں۔

ایک یہ۔ ہے، کہ اگر واقع میں یہ حرام نہیں تو ایک حلال کو حرام کہنے کا وبال سر پر ہوتا۔

دوسرے یہ کہ عامۂ بلاد وامصار کے مسلمانوں کو بلاوجہ سودخوار، فاسق وفاجر کہنا لازم آتا۔

اسی طرح یہ بھی بہت آسان تھا کہ اسے مطلقاً جائز کہہ دیا جاتا جیسا بعض اونچی دکان والوں نے کیا ہے لیکن ... میں یہ سقم ہے کہ اگر واقع میں یہ حرام وسود ہے تو اسے حلال کہنا گویا سود کو حلال کہنا ہوا۔

اس لئے مجلس شرعی نے اس پر گفتگو کو جہاں تک ممکن ہوا دراز کیا اور فیصلہ کرنے میں تاخیر کی، صحیح فیصلہ دیر میں کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ جلدی فیصلہ کیا جائے اور غلطی کی جائے۔

ہمارے سامنے اشکال اصل یہ ہے کہ قرآن مجید نے سود کو حرام فرمایا مگر سود کیا ہے اس کی تفصیل ذکر نہیں فرمائی۔ احادیث میں صرف چھ چیزوں میں سود کا ذکر ہے۔

"سونا، چاندی، کھجور، جو، گیہوں، نمک"

ان چھ چیزوں کے علاوہ بقیہ چیزوں میں سود ہے یا نہیں ——— اور ہے تو اس کا معیار کیا ہے یہ منصوص نہیں اسی وجہ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں ائمہ کے درمیان سود پائے جانے اور نہ پائے جانے میں اختلاف ہو گیا جیسے ایک انڈے کے عوض دو انڈے لینا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک سود نہیں مگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سود ہے۔

پھر سود کی دو صورتیں ہیں ایک "رباالفضل" یعنی کسی جنس کے عوض اسی جنس کو کم و بیش لینا دینا، دوسرے "رباالنسئیہ" یعنی جنس کو جنس کے عوض بیچنے اور خریدنے میں اُدھار لگانا مثلاً سونے کو چاندی کے عوض بیچا یا خریدا تو اگرچہ کمی بیشی جائز ہے مثلاً ایک تولہ سونا کے عوض ایک کلو چاندی خریدیں، یا بیچیں مگر یہ جائز نہیں کہ ادھار بیچیں یا خریدیں بلکہ اسی مجلس میں مبیع و ثمن دونوں پر قبضہ ہو جانا ضروری ہے۔ ایک اشکال یہ بھی در پیش ہے کہ اب سونا چاندی کے سکوں کا رواج نہیں پوری دنیا میں نوٹوں کا چلن ہے تو نوٹ چک ہے یا سکہ (ثمن اصطلاحی) اس بارے میں بھی علماء کے مابین اختلاف رہا۔

یہ تو ہم پر اللہ عزوجل کا فضل عظیم ہوا کہ اس نے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو اس زمانے میں پیدا فرمایا جنھوں نے نوٹ کے مسئلے کو منقح فرما دیا اور اپنی معرکۃ الآراء کتاب کِفل الفقیہ الفاھم میں دلائل قاہرہ سے ثابت فرما دیا کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے، چک یا سندِ حوالہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے علمائے مکہ معظمہ کے استفتاء پر عربی زبان میں یہ رسالہ

لکھا ہے جسے پڑھنے کے بعد وہاں کے اَجلّۂ علماء کرام نے بے ساختہ یہ کہا۔

لَوْ رَاٰہُ اَبُوْحَنِیْفَۃ لَقَرَّتْ عَیْنُہٗ وَجَعَلَہٗ مِنْ اَصْحَابِہٖ۔

اگر اس رسالے کے لکھنے والے کو امام اعظم ابوحنیفہ دیکھتے تو ان کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی اور وہ انھیں اپنے اصحاب میں شامل کر لیتے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فیض سے یہ مرحلہ جو سب سے کٹھن اور سخت تھا طے ہو گیا لیکن اب بحث پھر وہیں لوٹ کر آجاتی ہے کہ شیر بازار کے کاروبار میں سود ہے یا نہیں؟

سود کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

إنَّ اٰخرمَا نزلت اٰیۃ الرّبٰوا وانَّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسّرھالنا فدعوا الرّبٰوا والرّیبۃ رواہ ابن ماجہ والدارمی۔[1]

سب سے آخری آیت (معاملات سے متعلق) آیتِ ربا نازل ہوئی اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی مفصل تفسیر نہیں بیان فرمائی اور اسی حال میں آپ دنیا سے تشریف لے گئے، لہٰذا تم لوگ سود کو بھی چھوڑ دو اور سود کا جہاں شبہ ہو اسے بھی چھوڑ دو۔ (ابن ماجہ ودارمی۔)

تو اگر شیئر بازار میں سودی لین دین تو نہ ہو لیکن سود کا کوئی احتمال و شبہ بھی ہو اگرچہ بعید۔ تو اس سے بھی بچنا لازم ہے۔

مجلس شرعی کی میز پر یہ مسئلہ مزید غور و فکر کے لئے رکھا ہوا ہے[2] مگر گزشتہ

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶۔ الفصل الثالث من باب الربٰوا۔

(۲) ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ ۶ اپریل ۱۹۹۹ء بروز منگل کو اس کا فیصلہ ہوا۔ ۱۲ ن

جناب مولٰنا مفتی محمد نظام الدین صاحب زید مجدہم نائب مفتی جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے اس مسئلے پر اپنی بساط کے موافق سیر حاصل بحث کر کے ایک حکم شرعی بیان کر دیا ہے جس کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ :

"ترجیحی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری ناجائز اور مساواتی حصص کے ذریعہ جائز"
ان کا مقالہ آپ کے ہاتھوں میں ہے پڑھیے اور غور کیجیے اگر آپ کو کہیں کوئی خلجان ہو تو اس کو دور کرنے کے لئے ہم ہر وقت تیار ہیں۔

یہ مقالہ ناظرین بلکہ متقیان کرام کی خدمت میں اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ انھیں مزید غور و فکر کا موقع ملے اور ہمیں بھی رہنمائی حاصل ہو، اگر اس کے خلاف کسی صاحب کی کوئی رائے دلائل شرعیہ کے ساتھ ہمیں ملے گی اور قابلِ قبول ہو گی تو ہمیں اسے تسلیم کرنے میں کوئی عار نہ ہو گا۔

اس سلسلے میں بعض حضرات کی یہ تنقید بھی سننے میں آئی کہ اب یہ لوگ ہر چیز کو جائز کر دیں گے" ایسے حضرات سے ہماری مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ مجلس شرعی کے مذاکرات میں تشریف لائیں اور اپنے رائے عالی سے ہمیں مستفیض فرمائیں ہم ان کے مشکور ہوں گے ان شاء اللہ شرکت کے بعد یہ شبہہ باقی نہ رہے گا۔

پھر ہم پر یہ مہربانی ہے کہ "ہم نے ہر چیز کو جائز کر دیا" بیمہ پالیسی کے سلسلے میں ہم نے زندگی کے بیمے کی اجازت دی وہ بھی مشروطاً اس کے علاوہ مکان، دکان کے بیمہ کو ہم نے ناجائز کہا ہے۔

غور کیجیے کہ اگر ہمیں یہی کرنا ہوتا تو مسئلہ شیر بازار کے سلسلے میں ہم اتنی تاخیر نہ کرتے، طویل طویل مقالے گھنٹوں پورے تیقظ و حاضر دماغی سے سننا،

ــه البتہ کمپنی کا شریک بننا ناجائز۔ ۱۲ ن

پھر قابل تنقید باتوں کو ذہن میں محفوظ رکھنا، پھر ان پر مثبت و منفی پہلو سے بحث کرنا، اس ہفت خواں میں ہمیں پھنسنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ہمارا مقصود یہی ہوتا کہ ہم ہر چیز کو جائز کر دیں۔

غور کیجیے، اس موضوع پر بحث کرنے کے لیے آٹھ گھنٹے ہم نے پہلی مجلس میں صرف کیے، پھر دوسری مجلس کے بھی آٹھ گھنٹے اس کی نذر ہوئے اور ابھی کتنے نذر ہوں گے نہیں کہا جا سکتا۔

ہم ادپر بتا آئے کہ فیصلے میں جلدی کرنے کے کیا مفاسد ہیں آخیر میں ہم ایک حدیث لکھنے کے بعد آپ سے رخصت ہو رہے ہیں۔ بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۰۹ پر یہ حدیث مذکور ہے:

"حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سواد بن غزیہ کو خیبر پر عامل بنایا تو وہ عمدہ قسم کی جنیب (کھجور) لائے، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ انھوں نے عرض کیا نہیں۔ واللہ یا رسول اللہ ہم اس کا دو صاع ایک صاع کے عوض اور اس کا دو صاع تین صاع کے عوض لیتے ہیں۔ تو فرمایا ایسا مت کر۔ سب کو درم کے عوض بیچ، پھر درم کے عوض جنیب خرید" (۱)

اب ہر شخص غور کرے دونوں کا حاصل ایک ہی ہے لیکن چونکہ کھجور کو کھجور کے

(۱) بخاری شریف۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۵۔ باب الربوٰا

* فیصلہ تک مزید ۴ دن اور صرف ہوئے یعنی ۲۹ گھنٹے۔ ۱۲ ن

عوض زیادتی کمی کے ساتھ بیچنا سود ہے اس لئے سرکار نے اس سے روک دیا، اور روپیوں کے عوض کھجور بیچنا سود نہیں اور پھر ان روپیوں سے عمدہ کھجور خریدنا بھی سود نہیں صرف عقد کی نوعیت بدل دینے سے سود سے نجات مل گئی۔

نیز حضرت بریرہ والا قصہ سب کو معلوم ہے کہ ان کے پاس صدقے کا گوشت آیا تھا جس کے بارے میں حضور نے فرمایا،

هو لها صدقة، ولنا هدية (۱) — یہ گوشت بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور اگر بریرہ یہ گوشت ہمیں دیدے تو یہ اس کی طرف سے ہماری خدمت میں ہدیہ ہوگا۔

یہاں ناظرین غور کریں گوشت وہی ہے مگر ایک معمولی سے حیلے سے اس کا حکم بدل گیا۔

ان احادیث کی روشنی میں اگر علمائے کرام بضرورت کسی سخت مرحلے میں کسی دلیل شرعی کی روشنی میں، وہ بھی ایسے مسئلے میں جس میں دیار و امصار کے مسلمان مبتلا ہیں کوئی حیلۂ شرعی یا حل نکالیں تو یہ قابل مذمت نہیں بلکہ اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ یہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے ہے تو قابل ستائش ہے۔

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ۔

---

(۱) بخاری شریف ص ۷۶۲ - ج ۲، باب فی الحرۃ تحت العبد، من کتاب النکاح و مسلم شریف ص ۴۹۴ - ج۱ - باب اَنَّ الولاء لمن اعتق - و نصب الرایہ ص ۱۴۷ - ج ۴، باب موت المکاتب و عجزہ - ھدایہ ص ۳۲۳ - ج ۲

میں دعا کرتا ہوں کہ رب متعال عزیز موصوف کو اس سعی اور عرق ریزی پر دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ اور ان کی صحت، قوت، ذکاوت، فطانت، تفقہ کو روز افزوں کرے اور ان کے فیوض و برکات سے مسلمانوں کو تا دیر مستفیض فرمائے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور
۱۱ر شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

تلخیص سوالنامہ مجلس شرعی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

کہا جاتا ہے کہ آج کا دور مشترکہ سرمایہ کمپنیوں کا دور ہے جس کی حیرت انگیز کامیابی نے معاشیات کی دنیا میں ایک عجیب انقلاب برپا کر دیا ہے اور عام تجارتوں کا بازار اس کے سامنے ماند، اور پھیکا پڑتا جا رہا ہے۔ آخر اس کی حقیقت کیا ہے ؟

مشترکہ سرمایہ کمپنی، یا شیر بازار کوئی عجوبۂ روزگار چیز نہیں ہے، بلکہ کاروبار میں "شرکت" کی ایک جدید ترقی یافتہ شکل ہے، اور اس کی کامیابی کا سارا راز ایک نئی حکمتِ عملی کے ذریعہ آسانی کے ساتھ بے پناہ سرمایہ کی فراہمی اور حسنِ نظم و نسق میں مضمر ہے، ورنہ شرکت کے ساتھ کاروبار کرنے کا طریقہ بہت پرانا ہے۔

مذہب اسلام نے بھی بڑی فراخ دلی کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، بلکہ یہ "معاشیاتِ اسلامی" کا ایک اہم اور مستقل باب ہے۔ البتہ اسلام نے جن پاکیزہ اصولوں کے ساتھ شرکت کی اجازت دی ہے وہ آج کے جدید نظامِ شرکت میں ہمیں بہت حد تک مفقود نظر آتے ہیں۔

اس کی وضاحت کے لئے ہم سب سے پہلے کمپنی کا ایک مختصر تعارف پیش کرتے ہیں، پھر قدرے تفصیل سے اس کے نظامِ کار پر روشنی ڈالیں گے۔

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی

کمپنی ایک نظر میں

(۱) کمپنی ایک کاروباری و تجارتی ادارہ ہے جو طے شدہ دستور العمل کے تحت کام کرتا ہے مگر ماہرینِ معاشیات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کمپنی ایک غیر مُبصر، و ناقابلِ مَس مصنوعی شخص ہے جس کا اپنے شرکا رسے الگ، مستقل قانونی وجود ہوتا ہے ہاں رجسٹریشن سے پہلے تک وہ محض "افراد کی ایک انجمن" ہوتی ہے۔

(۲) کمپنی کا علیحدہ وجود ہونے کی وجہ سے وہ خود اپنے نام سے معاہدے کرتی اور جائداد واثاثہ جات خریدتی ہے۔

(۳) حصہ داروں کے آنے، جانے، مرنے، پاگل ہونے، اپنا حصہ دوسرے کے نام منتقل کرانے سے کمپنی کی حیات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ بہر حال موجود و باقی رہتی ہے۔

(۴) کمپنی عقل و شعور سے محروم ہوتی ہے اس لئے اس کے تمام فرائض کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کے نائب کی حیثیت سے "ہدایت کار بورڈ" مقرر کیا جاتا ہے جو اصولِ معاشیات کے ماہر افراد پر مشتمل ہوتا ہے، بلفظ دیگر یہی بورڈ کمپنی کی آنکھ اور دست و بازو ہوتا ہے۔

(۵) کمپنی کے حِصص دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ترجیحی حصص، اور مُساوِاتی حِصص۔ بلفظ دیگر "پریفرینس شیرز اور ایکویٹی شیرز"

ترجیحی حصص والے شیئر دار صرف نفع میں شریک ہوتے ہیں، نقصان میں نہیں۔ اور ان کو ان کے جمع کئے ہوئے روپے پر ایک طے شدہ در سے بہر حال نفع دیا جاتا ہے خواہ کمپنی کو اپنی تجارت میں نفع ہو یا نقصان۔

اور مساواتی حصص کے شیئر دار اپنے حصے کے تناسب کے لحاظ سے نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتے ہیں، انھیں نفع صرف اسی صورت میں دیا جاتا ہے جب کمپنی کا کاروبار نفع میں چل رہا ہو۔

(۶) کمپنی حصص سے الگ تھلگ "عوامی قرض تمسّکات" جاری کرتی ہے جس پر وہ ایک مقررہ شرح سے اپنے قرضخواہوں کو سود دیتی ہے۔

عوامی قرض تمسکات تمام منظور شدہ سرمایہ جاری ہونے کے بعد جاری کئے جاتے ہیں۔

(۷) کمپنی عوام سے جو سرمایۂ قرض اور سرمایۂ حصص حاصل کرتی ہے وہ بیچے اور خریدے جا سکتے ہیں۔

(۸) کمپنی اپنے حصص اور قرض تمسکات بیچنے کے لئے حصص بازار کے دلّالوں کی مدد لیتی ہے، اور ان دلّالوں کو فروخت کئے ہوئے حصص پر کمیشن بھی دیتی ہے۔

(۹) کمپنی اپنے "کم از کم حصص" کی فروخت کے لئے "حصص بیچنے والے ایجنٹ" سے ایک معاہدہ کرتی ہے جس کے مطابق ایجنٹ اس بات کی گارنٹی لیتا ہے کہ وہ فروختگی سے بچے ہوئے حصص اور قرض تمسکات خریدے گا، اور خریدنے کی صورت میں اس کو بھی کمیشن دیا جاتا ہے۔ ضامن کو یہ اختیار ہے کہ

چاہے تو بچا ہوا شیئر خود خریدے اور چاہے تو کمپنی سے لے کر دوسروں کے ہاتھ فروخت کردے۔

(۱۰) کمپنی کے حصہ داروں سے کمپنی کے قرضوں کے لئے اتنے ہی روپے کسی وقت وصول کئے جا سکتے ہیں جتنے اس کے خریدے ہوئے حصوں پر ادا نہیں کئے گئے۔ اسے شیئر داروں کی محدود ذمہ داری ہے موسوم کیا جاتا ہے۔

(۱۱) زیادہ تر کمپنیاں شیئر کی پوری رقم یک مشت وصول کرتی ہیں مگر بعض کمپنیاں جن کی ساکھ مضبوط نہیں ہوتی آغاز کار میں دو تین قسطوں میں رقم وصول کرتی ہیں۔ یہ کمپنیاں وقتِ مقررہ پر قسطوں کی پوری رقم ادا نہ ہونے کی صورت میں جمع شدہ رقم ضبط کر لیتی ہیں۔
البتہ ضبط کرنے سے پہلے حصہ دار کو ادائیگی کے لئے مزید موقع دیا جاتا ہے اور جو شیئر دار ادائیگی سے عجز کی صورت میں جمع شدہ رقم سے از خود کمپنی کے حق میں دست بردار ہو جائے انھیں کمپنی کچھ معاوضہ بھی دے سکتی ہے۔

(۱۲) کمپنی کو بہت حد تک انکم ٹیکس سے چھوٹ ملتی ہے جس کا فائدہ اس کے ممبروں کو ملتا ہے۔

(۱۴) سال میں ایک دفعہ تمام شیئر دار اور کارکنوں کا ایک عام اجلاس ہوتا ہے جس میں کمپنی کے نفع، نقصان، وغیرہ کی تمام تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱۵) کمپنی میں سرمایہ کاری بہت سے فوائد کے ساتھ نقصانات سے بھی

دوچار کرتی ہے، لیکن نقصان کے خطرات کم پیش آتے ہیں، اور ایسے خطرات کسی بھی تجارت کے ساتھ پیش آسکتے ہیں۔

نَفْعُهَا اَكْبَرُ مِنْ ضَرِّهَا۔

اب کمپنی کا تفصیلی تعارف ملاحظہ کیجئے۔

کمپنی کا تفصیلی تعارف

کمپنی تنظیم کا آغاز ۱۶۰۰ء کے قریب انگلستان میں ہوا تھا، اسی سال ہندوستان میں انگلستان کی مشہور "ایسٹ انڈیا کمپنی" قائم کی گئی۔ اس سلسلے میں انگریزی کمپنیز ایکٹ کی بنیاد پر ہندوستان میں ۱۸۶۶ء میں سب سے پہلا کمپنی قانون بنایا گیا۔ اس کے بعد مختلف سالوں میں ضرورت کے لحاظ سے اس قانون میں تبدیلی کی گئی، اس وقت ہندوستان میں ۱۹۵۶ء کا ترمیم شدہ کمپنی قانون نافذ ہے۔ (۱)

کمپنی کی تعریف

کمپنی کی تعریف دو طرح سے کی گئی ہے:

(۱) مشترکہ سرمایہ کمپنی ایسے افراد کی جماعت ہے جو کسی کاروبار، یا تجارت کے لئے عام طور پر محدود ذمہ داری کے ساتھ قائم کی جاتی ہے۔

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۴۲، ۱۴۴ ــــــ جلد ا

(۲) کمپنی ایک مصنوعی شخص ہے جو نہاں اور ناقابلِ مس ہے، جس کا صرف قانون کی نگاہ میں وجود ہے۔ قانونی وجود کی وجہ سے یہ صرف وہ خصوصیات رکھتی ہے جو اس کی تشکیل کے منشور میں درج ہیں، یا ناگہانی طور پر اس کے وجود کے لئے ضروری ہیں۔ (۱)

پہلی تعریف کے لحاظ سے کمپنی "افراد کی تنظیم" کا نام ہے۔ اور دوسری تعریف کے پیش نظر یہ افراد سے بالکل جدا ایک "قانونی وجود، یا قانونی شخص" کا نام ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ کمپنی کی دونوں ہی حیثیتیں ہیں۔ قانون کے ذریعہ اس کا رجسٹریشن ہونے سے پہلے یہ "افراد کی تنظیم" ہے اور رجسٹریشن ہو جانے کے بعد یہ ایک "مستقل قانونی شخص" ہے جیسا کہ اس کی خصوصیات کے مطالعہ سے عیاں ہوگا۔

یہ نقطۂ نظر معاشیین کا ہے اور راقم الحروف کا موقف یہ ہے کہ کمپنی ایک خاص قسم کا کاروباری و تجارتی ادارہ ہے جو طے شدہ دستور العمل کے تحت کام کرتا ہے۔

اس تعریف کے لحاظ سے کمپنی کا وجود خارجی، واقعی ہے اور معاشیین کی تعریف کے مطابق اس کا وجود محض ذہنی و قانونی ہے۔

کمپنی کی خصوصیات

جدید طریقۂ تجارت میں حسب ذیل خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۴۴، ۱۴۵ جلد ا

۱۔ قانون کے ذریعہ بنایا ہوا ایک مصنوعی شخص (یا مستقل تجارتی ادارہ) مشترکہ سرمایہ کمپنی ایک نظر نہ آنے والی، غیر محسوس مصنوعی شخص مانی جاتی ہے، کیونکہ حقیقی اشخاص کی طرح یہ بھی اپنے نام سے خرید و فروخت کر سکتی ہے، اور عدالت میں مقدمات دائر کر سکتی ہے۔ اور دیگر افراد بھی کمپنی پر مقدمہ کر سکتے ہیں۔ ایک شخص کی طرح کمپنی بھی دستاویزات اور خطوط پر "مخصوص مہر" لگا کر دستخط کر سکتی ہے۔

جس طرح کمپنی کا وجود قانون کے ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح اس کا خاتمہ بھی قانون کے ذریعہ ہی عمل میں آتا ہے۔

۲۔ جداگانہ قانونی وجود قانون کے ذریعہ اس کی رجسٹری ہوتے ہی اس کا اپنے حصہ داروں سے جداگانہ قانونی وجود ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے کمپنی کا کوئی حصہ دار کمپنی سے کوئی معاہدہ کر سکتا ہے۔

جداگانہ قانونی وجود کی وجہ سے ہی اس کی زندگی مستقل ہوتی ہے۔ کسی ممبر یا حصہ دار کے آنے، جانے، مرنے، یا دیوالیہ ہونے کا کمپنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جداگانہ قانونی وجود کی وجہ سے ہی کمپنی اپنے نام سے اثاثہ جات کی خرید و فروخت کر سکتی ہے، لین دین کر سکتی ہے، بینک میں کھاتہ کھول سکتی ہے، اپنے نام سے ٹیلی فون لگا سکتی ہے، اور ہر طرح کا قانونی معاہدہ کر سکتی ہے۔

۳۔ تسلسلِ حیات اسے "متواتر وجود" بھی کہا جاتا ہے، دوسرے

الفاظ میں کمپنی کا جداگانہ قانونی وجود ہونے کی وجہ سے اس کی زندگی مستقل ہو جاتی ہے، حصہ دار چلے آئیں، یا جائیں کمپنی قائم رہے گی جب تک کہ اس کا خاتمہ نہ کیا جائے۔

۴۔ خصوصی مہر کمپنی ایک مصنوعی شخص ہے جو حقیقی اشخاص کی طرح دستخط نہیں کر سکتی اس لئے اس کا وجود اس کی "خصوصی مہر" لگا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ کمپنی بغیر اس مہر کو استعمال کئے کوئی بھی معاہدہ نہیں کر سکتی، اور نہ ہی کسی ایسے معاہدے یا سودے کے لئے کمپنی ذمہ دار ہو گی جن پر کمپنی کی خصوصی مہر نہ ہو۔

خصوصی مہر کے بغیر کمپنی کے نمائندہ کے ذریعہ دستخط شدہ معاہدہ کمپنی کا نہیں مانا جائے گا، بلکہ اس شخص کا ذاتی کام، اور اس کی ہی ذمہ داری سمجھی جائے گی۔ یہ خصوصی مہر کمپنی کے دستخط کا کام کرتی ہے۔

(کمپنی کو "مصنوعی شخص" مان کر اس کی جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ تمام خصوصیات ایک مستقل ادارے مثلاً مدارس وغیرہ کی بھی ہیں، شرعاً کوئی چیز "مصنوعی یا ذہنی شخص" نہیں مانی جاتی اس لئے یہ سرمایہ کمپنی کو "کاروباری ادارہ" مانتا ہے۔)

۵۔ محدود ذمہ داری سرمایہ کمپنی کے ممبران یا حصہ داران کی ذمہ داری صرف ان کے خریدے ہوئے سرمایہ تک ہی محدود ہوتی ہے۔ کمپنی کے قرضوں کے لئے ان سے اتنا ہی روپیہ کسی وقت وصول کیا جا سکتا ہے جتنا کہ ان کے خریدے ہوئے حصوں پر ادا نہیں کیا گیا ہے۔

اس طرح ممبران کی ذمہ داری محدود ہونے سے ان کی شخصی جائداد کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

۶۔ مشترکہ سرمایہ کمپنی کا سرمایہ اس کے قائم کرنے والے ممبران فراہم کرتے ہیں جو مختلف حصص کی صورتوں میں بٹا ہوتا ہے۔ کل سرمایہ کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں حصص (SHARES) کی شکل میں تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد اس کی خرید میں حصہ لے سکیں، ان حصص کی قیمت عام طور پر کم سے کم رکھی جاتی ہے مثلاً ۵روپے ۱۰روپے، ۱۰۰روپے۔ ایک ممبر ایک سے زائد حصص بھی خرید سکتا ہے۔

۷۔ حصص کی منتقلی کمپنی کے حصص قابلِ تبادلہ ہوتے ہیں یعنی حصہ دار اپنے ذریعہ خریدے ہوئے حصوں کو بیچنے کے لئے مکمل آزاد ہوتے ہیں۔ کمپنی کے آئین کے مطابق بغیر کسی رکاوٹ کے ان حصص کو بیچا اور خریدا جاسکتا ہے۔ جس بازار میں کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت ہوتی ہے اسے "حصص بازار" یا "اسٹاک ایکسچینج" کہتے ہیں۔

۸۔ منافع کے لئے رضاکارانہ انجمن جو افراد کمپنی کے ممبر بنتے ہیں وہ اپنی مرضی سے بنتے ہیں۔ ان پر کسی قسم کا کوئی جبر یا دباؤ نہیں ڈالا جاتا، کمپنی کا کل نفع حصہ داروں میں منافع کی شکل میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ یہ نفع یا تو فی حصہ، یا کل سرمایہ کی ایک مقررہ فیصد کی شکل میں دیا جاتا ہے۔

۹۔ جمہوری انتظام کمپنی چونکہ "مصنوعی شخص" (یا غیر عاقل ادارہ) کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے یہ خود اپنے عظیم کاروبار کا انتظام نہیں کر سکتی۔ اور اس کے حصہ دار بے شمار ہوتے ہیں جو دور دراز ممالک میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے ذریعہ بھی کاروبار چلانا نہ صرف مشکل، بلکہ ناممکن بھی ہے۔

لہذا کمپنی کا انتظام حصہ داروں کے چند نمائندے کرتے ہیں جن کو، ہدایت کار، اور ڈائرکٹرس (DIRECTORS) کہتے ہیں، ان کو کمپنی کے حصہ دار ہی چنتے ہیں۔ یہی ہدایت کار کمپنی کے روزمرہ کے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ یہ بھی اپنا ایک، "اعلیٰ انتظامیہ ہدایت کار" چن لیتے ہیں جو کمپنی کے تمام کاموں کے لئے ذمہ دار ہوتا ہے۔ (۱)

کمپنی کا قیام کمپنی کی تشکیل کے تین مدارج ہیں۔ جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) کمپنی کی ترغیب۔

(۲) کمپنی کی رجسٹری۔

(۳) کاروبار کا آغاز۔

جو افراد کمپنی قائم کرنے کا بیڑا اٹھاتے ہیں انھیں "ترغیب دہندہ" یا "بانی" کہتے ہیں۔

یہ افراد کمپنی کے قیام کے لئے تمام ضروری کارروائی انجام دیتے ہیں۔ پھر

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸۔ جلد ۱

قانونی طور پر کمپنی کی رجسٹری کے لئے ضروری کاغذات اور دستاویز رجسٹرار آف کمپنیز کے دفتر میں جمع کرتے ہیں۔ اور رجسٹراران کاغذات کی اچھی طرح جانچ کرنے کے بعد کمپنی کا رجسٹریشن کرتا ہے اور اس بات کی تحریری اجازت دیتا ہے کہ کمپنی تشکیل پا چکی، اسے "سند نامہ تشکیل" کہتے ہیں۔ اس سند کے اجرا کے ساتھ ہی کمپنی کا ایک "مصنوعی شخص" کی حیثیت سے "قانونی وجود" ہو جاتا ہے۔ "سندِ تشکیل" حاصل کرنے کے بعد کمپنی کو کاروبار شروع کرنے کے لئے کچھ اور ضروری کارروائیاں مثلاً عوام سے سرمایہ کی فراہمی، اور ان کو حصص کی نامزدگی وغیرہ کرکے رجسٹرار سے کاروبار شروع کرنے کا سرٹیفکٹ حاصل کرنا پڑتا ہے، اس سرٹیفکٹ کے ملنے کے بعد کمپنی اس بات کی مُجاز ہوتی ہے کہ وہ کاروبار شروع کردے۔ (۱)

سرمایہ کی فراہمی

عوام کو سرمایہ فروخت کرنے کے لئے کمپنی کو ایک کتابچہ شائع کرنا پڑتا ہے جس میں کمپنی کے مقاصد اور دیگر تفصیلی حالات درج ہوتے ہیں، اس کو "کیفیت نامہ" یا "پروسپیکٹس" کہتے ہیں، اس کے ذریعہ عوام کو حصص یا تمسکات خرید کر کمپنی سے اشتراک کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، پروسپیکٹس کے اخیر میں ایک عدد "درخواست کا فارم" بھی ہوتا ہے، جو افراد کمپنی کے حصص خریدنا چاہتے ہیں ان کو اس فارم پر درخواست بھیجنی پڑتی ہے اس فارم کو درخواست کی رقم کے ساتھ بینک

(۱) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹۔ جلد ۱

میں جمع کر دیا جاتا ہے۔ اور جب حصص کی خریداری کی تاریخ ختم ہو جاتی ہے تو کمپنی کے منتظمین ایک اجلاس میں تمام درخواستوں پر غور کر کے خریداروں کو "نامزدگی کا خط" ارسال کرتے ہیں۔

زیادہ تر کمپنیوں کا اصول یہ ہے کہ وہ یک مشت شیر کی پوری رقم وصول کرتی ہیں، اور کسی کو اس وقت تک "شیر ہولڈر" نامزد نہیں کرتیں جب تک کہ وہ شیر کی پوری رقم جمع نہ کر دے یعنی کمپنی کا شیر دار ہونے کے لئے پوری رقم جمع کرنا لازمی و ضروری ہے۔

اس کے برخلاف بعض کمپنیوں کا اصول یہ ہے کہ شیر کی پوری رقم ایک ساتھ نہیں منگاتیں بلکہ عوام کی سہولت کے لئے تھوڑی سی رقم درخواستوں کے ہمراہ، کچھ رقم نامزدگی (الاٹمنٹ) کے وقت، اور بقیہ رقم بعد میں کسی وقت منگاتی ہیں۔ ایسا اس لئے بھی کیا جاتا ہے کہ کمپنی قائم کرنے کے بعد فوراً ہی پوری رقم کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے کمپنی حسب ضرورت رقم منگاتی رہتی ہے۔ جو رقم کمپنی کی طلب کی ہوئی رقم سے زائد وصول ہوتی ہے وہ "پیشگی آئی ہوئی قسطیں" اور جو رقمیں وصول نہیں ہوتیں وہ "بقایا قسطیں" کہلاتی ہیں۔ ایسی کمپنیاں اب بہت کم ہیں ان کا تناسب چار ہزار میں ایک دو ہے۔

سرمایہ کے اقسام

کمپنی کے سرمایہ کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

(۱) منظور شدہ سرمایہ۔

(۲) جاری شدہ سرمایہ۔

(۳) فروخت شدہ سرمایہ۔

(۴) ادا شدہ سرمایہ۔

(۵) عملی سرمایہ۔

★ کمپنی جس قدر سرمایہ جمع کرنے کی مُجاز ہوتی ہے اسے "منظور شدہ سرمایہ" کہا جاتا ہے، اس سے زیادہ رقم کے حصے کمپنی کبھی بھی اپنی زندگی میں جاری نہیں کرسکتی۔

★ منظور شدہ سرمایہ کا وہ حصہ جسے فروخت کرنے کی غرض سے کمپنی عوام کو پیشکش کرتی ہے۔ "جاری شدہ سرمایہ" کہلاتا ہے، مثلاً کشمیر سلک کمپنی سری نگر دس روپے والے تیس ہزار حصے جاری کرنے کے لئے رجسٹرڈ ہوئی تو کمپنی کا رجسٹرڈ یعنی منظور شدہ سرمایہ تیس لاکھ روپے ہوا، اس میں سے کمپنی نے تین ہزار حصص جاری کئے تو کمپنی کا "جاری شدہ سرمایہ" تیس ہزار روپے ہوا۔

رجسٹرڈ سرمایہ کا وہ حصہ جسے کمپنی جاری نہیں کرتی۔ "غیر جاری شدہ سرمایہ" کہلاتا ہے، درج بالا مثال میں غیر جاری شدہ سرمایہ دو لاکھ ستر ہزار روپے ہے۔

★ جاری شدہ سرمایہ کا وہ حصہ جس کی خریداری کے لئے عوام درخواست دیتی ہے "فروخت شدہ سرمایہ" کہلاتا ہے۔

★ کمپنی عوام سے جو سرمایہ طلب کرتی ہے اس کا وہ حصہ جو عوام کمپنی کو حقیقت میں ادا کرتی ہے "اداشدہ سرمایہ" کہلاتا ہے۔ جو حصہ دار طلب شدہ سرمایہ سے زائد رقم بھیج دیتے ہیں وہ "پیشگی ادا کی ہوئی قسطیں" کہلاتی ہیں۔

(۵) عملی سرمایہ۔

★ کمپنی جس قدر سرمایہ جمع کرنے کی مجاز ہوتی ہے اسے "منظور شدہ سرمایہ" کہا جاتا ہے، اس سے زیادہ رقم کے حصے کمپنی کبھی بھی اپنی زندگی میں جاری نہیں کرسکتی۔

★ منظور شدہ سرمایہ کا وہ حصہ جسے فروخت کرنے کی غرض سے کمپنی عوام کو پیشکش کرتی ہے۔ "جاری شدہ سرمایہ" کہلاتا ہے، مثلاً کشمیر سلک کمپنی سری نگر دس روپے والے تیس ہزار حصے جاری کرنے کے لئے رجسٹرڈ ہوئی تو کمپنی کا رجسٹرڈ یعنی منظور شدہ سرمایہ تیس لاکھ روپے ہوا، اس میں سے کمپنی نے تین ہزار حصص جاری کئے تو کمپنی کا "جاری شدہ سرمایہ" تیس ہزار روپے ہوا۔

رجسٹرڈ سرمایہ کا وہ حصہ جسے کمپنی جاری نہیں کرتی۔ "غیر جاری شدہ سرمایہ" کہلاتا ہے، درج بالا مثال میں غیر جاری شدہ سرمایہ دو لاکھ ستر ہزار روپے ہے۔

★ جاری شدہ سرمایہ کا وہ حصہ جس کی خریداری کے لئے عوام درخواست دیتی ہے "فروخت شدہ سرمایہ" کہلاتا ہے۔

★ کمپنی عوام سے جو سرمایہ طلب کرتی ہے اس کا وہ حصہ جو عوام کمپنی کو حقیقت میں ادا کرتی ہے "ادا شدہ سرمایہ" کہلاتا ہے۔ جو حصہ دار طلب شدہ سرمایہ سے زائد رقم بھیج دیتے ہیں وہ "پیشگی ادا کی ہوئی قسطیں" کہلاتی ہیں۔

★ کمپنی کے سرمایہ کے کچھ حصہ سے، قائم اثاثہ جات خریدے جاتے ہیں، اس کے بعد جو رقم روزمرہ کے اخراجات اور کاروبار چلانے کے لئے بچتی ہے وہ "عملی سرمایہ" کہلاتی ہے

حصص کے اقسام

حصہ سے مراد کمپنی کے مشترکہ اور مجموعی سرمایہ کا ایک چھوٹے سے چھوٹا وہ جزء ہوتا ہے جس کی ایک قیمت مقرر ہوتی ہے اور جو عوام میں فروخت کے لئے پیش کیا جاتا ہے، کمپنی کا سرمایہ چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹا جاتا ہے مثلاً دس روپے، بیس روپے، وغیرہ، تاکہ امیر، غریب ہر طبقہ کے لوگ زیادہ سے زیادہ اسے خرید سکیں۔

انڈین کمپنیز ایکٹ ۱۹۵۶ء کے مطابق حسب ذیل دو طرح کے حصص جاری کئے جاتے ہیں۔

ترجیحی حصص، اور مساواتی حصص

ترجیحی حصص

ان حصص کے مالکوں کو دو طرح کے حقوق حاصل ہیں۔

(۱) ان کو نفع تقسیم کرتے وقت ترجیح دی جاتی ہے۔ مساواتی حصہ داروں کے درمیان اس وقت تک نفع تقسیم نہیں کیا جاتا جب تک کہ ترجیحی حصہ داروں کو مطمئن نہیں کر دیا جاتا۔

(۲) اس کے علاوہ ترجیحی حصہ داروں کو کمپنی کے خاتمہ کے وقت اصل رقم کی ادائیگی میں ترجیح دی جاتی ہے۔

ان حصص کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کو ایک مقررہ شرح کے اعتبار

عہ یعنی پریفرینس شیئرز

سے نفع دیا جاتا ہے۔

جدید طریقہ، تجارت میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

"قرضہ لیتے وقت کمپنی کو ہر سال سود (انٹرسٹ) ادا کرنا ہوتا ہے چاہے اس کو منافع ہوا ہو، یا نقصان۔ اسی طرح حصص کی ایک قسم پر بھی جن کو ترجیحی حصص کہتے ہیں مقررہ شرح سے حصہ داران کو منافع تقسیم کیا جاتا ہے چاہے کمپنی کو اس سال منافع ہوا ہو، یا نہیں،،

(ص ۲۶۴ جلد ا۔ عنوان سرمایہ کی ساخت)

مُساواتی حصص یہ وہ حصے ہوتے ہیں جن پر نفع برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔ مساواتی حصہ داروں کو ووٹ دینے کے تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں، اوران کے اختیارات ان کے ذریعہ خریدے ہوئے حصوں کے برابر ہوتے ہیں۔ (۱)

ان حصہ داروں کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ یہ نفع و نقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

---

(۱) جدید طریقہ تجارت ص ۱۷۸ تا ص ۱۸۸ حصہ اول۔

عے ایکویٹی شیئرز

سندِ حصہ کا نام ممبروں کے رجسٹر میں درج کر لیا جاتا ہے تو اس کو حصہ خریدنے کا ایک سرٹیفکٹ دیا جاتا ہے جس کو "حصہ کا سرٹیفکٹ" کہتے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس حصہ دار نے لکھی ہوئی تعداد میں حصے خریدے، اس میں خریدے ہوئے حصوں کے نمبر بھی درج ہوتے ہیں۔ اسے "شیئر سرٹیفکٹ" بھی کہتے ہیں۔ جب ایک حصہ دار

(جدید طریقہ تجارت ص ۸۹، حصہ اول)

حصص کا اجراء سرمایہ کمپنی کے حصص تین طرح سے جاری کئے جاتے ہیں:

(۱) عام قیمت پر۔

(۲) گراں قدر پر۔

(۳) چھوٹ پر۔

جب حصص کو ان کی اصل قیمت پر جاری کیا جاتا ہے تو یہ حصص کا "عام" یا مساوی قیمت پر اجراء" کہلاتا ہے۔ مثلاً دس روپے کا حصہ دس روپے میں، یا سو روپے کا حصہ سو روپے میں جاری کیا جائے۔

اور جب حصص کو مساوی قیمت سے زیادہ پر جاری کیا جاتا ہے تو اس کو "گراں قدر پر اجراء" کہتے ہیں۔ مثلاً سو روپے کا حصہ کمپنی ایک سو پانچ روپے میں جاری کرے۔

اور جب کمپنی کے حصص کی قدر سرمایہ بازار میں گر جاتی ہے تو زرکاروں کو ترغیب دینے کے لئے کمپنی اپنے حصص کو چھپی ہوئی قیمت سے کم میں

جاری کرتی ہے اس کو "کوٹی" یا "چھوٹ" کہتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کمپنی سو روپے کا حصہ ۹۵ روپے میں جاری کرے تو یہ "چھوٹ پر اجرا" ہوا۔ (۱)

قرض تمسکات

کمپنیاں[ؔ] اپنے کاروبار میں سرمایۂ حصص کے علاوہ سرمایۂ قرض کا بھی استعمال کرتی ہیں۔ سرمایۂ قرض بھی سرمایۂ حصص کی مانند قرض تمسکات کے اجرار سے حاصل کرتی ہیں۔ یہ قرض تمسکات بھی عام طور سے قابل تبادلہ ہوتے ہیں، اور حصص کی طرح خریدے، بیچے جا سکتے ہیں۔ سرمایۂ قرض پر کمپنی ایک طے شدہ درسے سود ادا کرتی ہے۔ یہ (تمسکات مختلف قسم کے ہوتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے)

مساواتی حصص سے منسلک قرض تمسکات کا اجرار

کمپنی اپنے حصص کا اجرار قرض تمسکات سے منسلک کرکے بھی کرتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو شخص صرف حصص میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے اسے کمپنی کے حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی لازماً بادلِ ناخواستہ لینے

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۹۴، ۱۹۵ جلد ۱ (بہ ترمیم واضافہ)

ؔ یہاں سے ایک مضمون "کمپنی میں سرمایہ کاری" کے اقتباسات ہیں ۱۲ ن

پڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں کمپنی اسنادِ حصص اور قرض تمسکات الگ الگ جاری کرتی ہے۔ جو شخص صرف سرمایہ حصص میں دلچسپی رکھتا ہو اس کے لئے اس بات کی گنجائش رہتی ہے کہ وہ اسنادِ حصص کو اپنے پاس روک کر قرض تمسکات فروخت کر دے۔

قابل تبدیل قرض تمسکات کا عوامی اجراء

کمپنی اس طرح کے بھی قرض تمسکات جاری کرتی ہے جو ایک خاص مدت تک قرض تمسکات کی شکل میں رہتے ہیں اور اس کے بعد جزوی طور پر، یا کلی طور سے اجراء کی شرائط کے مطابق حصص میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔ قرض تمسکات کا جو حصہ حصص میں تبدیل کر دیا جاتا ہے کمپنی کی طرف سے اس پر سود کا وجوب بند ہو جاتا ہے اور وہ کمپنی کے نفع و نقصان میں برابر کا شریک ہو جاتا ہے۔ باقی حصہ قرض کی صورت میں برقرار رہتا ہے اور اس پر سود ادا کرنا واجب ہوتا رہتا ہے اب جو شخص کمپنی کے صرف سرمایۂ حصص ہی میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے وہ قرض تمسکات کی حصص میں تبدیلی کے بعد حصص اپنے پاس روک سکتا ہے۔

صفر سود کی در پر قابلِ تبدیل قرض تمسکات

سرمایہ کاروں کو قرض تمسکات کے اوپر سود کی مد سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر انکم ٹیکس واجب ہوتا ہے کمپنی اپنے سرمایہ کاروں کو اس ذمہ داری سے بچنے کا موقع فراہم کرنے کی غرض سے صفر سود کی در پر قابلِ تبدیل قرض تمسکات کے اجراء کی پیش کش کرتی ہے۔ اس طرح

کے قرض تمسکات کے پیش کش کی شرائط کے مطابق نہ تو کمپنی کسی سے طے شدہ درسے قرض پر سود ادا کرنے کا وعدہ کرتی ہے، نہ فی الواقع سود ادا کرتی ہے لیکن قرض تمسک کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اپنے حصص کی جو اضافی قیمت مقرر کرتی ہے اس میں قرض تمسک پر دستور کے مطابق تعبیری سود کو منہا کر دیتی ہے۔

مثلاً ایک کمپنی جس کے دس روپے والے حصہ کی بازار میں قیمت سو روپے چل رہی ہو تو ایک سو تیس روپے والے صفر سود کی در پر کلی طور پر قابل تبدیل قرض تمسکات ان شرائط پر جاری کر سکتی ہے۔

قرض کی رقم پر کمپنی کے اوپر کوئی سود واجب نہیں ہوگا۔ قرض تمسک کے الاٹ منٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد کمپنی اپنے دس روپے والے ایک حصہ تیس روپے اضافی قیمت کے ساتھ اور دس روپے والے دو حصے فی حصہ ۲۵ روپے اضافی قیمت کے ساتھ جاری کر کے قرض تمسک واپس لے لیگی۔

(کمپنی میں سرمایہ کاری)

کمپنی کا ممبر بننے کی صورتیں

کوئی بھی شخص حسب ذیل صورتوں میں کمپنی کا ممبر بن سکتا ہے۔

(۱) کمپنی کی تشکیل سے قبل جو بانیان کمپنی کے آئین اور قواعد پر دستخط کرتے ہیں، ممبر بن جاتے ہیں۔

(۲) کمپنی کے حصص خرید کر اس کے ممبر بنتے ہیں۔

(۳) عوامی کمپنی سے کچھ حصص منتقل کروا کر ممبر بنتے ہیں۔

(۴) کمپنی کے کسی حصہ دار کی موت واقع ہونے پر اس کے ورثہ کے ذریعہ حصص اپنے نام منتقل کرا کر ممبر بنتے ہیں۔

کمپنی کی ممبری ختم ہونے کی صورتیں

(۱) اگر کوئی حصہ دار اپنے سارے حصص فروخت کر دے (۲) حصہ دار کی موت واقع ہو جائے (۳) کمپنی حصص پر پوری ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے حصص کو ضبط کر لے (۴) جب کوئی حصہ دار اپنے حصص کمپنی کے حوالہ کر دے، یا ان سے دست بردار ہو جائے۔(۱)

حصص کا انتقال

اس کا مطلب یہ ہے کہ حصص کی ملکیت قانونی نمائندوں مثلاً ورثہ، وصی، اور دیگر قانونی جانشینوں کے ہاتھوں اصل مالک کی موت واقع ہونے، پاگل ہو نے، یا دیوالیہ ہونے پر منتقل کر دی جائے۔ حصص کا انتقال بذریعہ قانون عمل میں آتا ہے اس کے عوض کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ اس کے لئے ایک درخواست مع ثبوت کے پیش کیا جانا کافی ہے۔

حصص کی ضبطگی

جو کمپنیاں دو یا اس سے زیادہ بار میں شیر کی رقم منگاتی ہیں ان کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب مقررہ وقت پر کمپنی کے حصہ دار قسطوں کی رقم ادا نہیں کرتے تو کمپنی کے

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۸۹، ۱۹۰۔ حصہ اول۔

منتظمین ان حصہ داروں کی ادا کی ہوئی رقم کو ضبط کرسکتے ہیں۔ حصص ضبط کرنے کے بعد کمپنی کی ملکیت میں آجاتے ہیں۔ عام طور پر حصص ضبط کرنے سے قبل کمپنی حصہ داروں کو ایک خط یا یادداشت کے طور پر ارسال کرتی ہے جس میں بقایا قسطوں کی رقم مع سود کے کسی اور مقررہ تاریخ تک ادا کرنے کا ایک اور موقع دیا جاتا ہے اس خط کے بعد بھی بقیہ قسط نہ ملنے پر کمپنی کو حصص ضبط کرنے کا حق ہوجاتا ہے۔ (۱)

اگر کوئی شخص شیئر کو ضبط ہونے سے بچانا چاہے تو فائنل نوٹس آنے سے پہلے اپنا شیئر دوسرے کے ہاتھ بیچ سکتا ہے۔ فائنل نوٹس آنے کے بعد بھی بیچنے کا امکان رہتا ہے شیئر بازار کے ایک کاروباری نے بتایا کہ میں نے خود اس طرح کے حصص فروخت کئے ہیں اور یہ کام شیئر مارکیٹ میں بہ آسانی ہوجاتا ہے۔

نیز جدید طریقۂ تجارت میں ہے:

اجلاس کمپنی کے حقیقی مالکان، حصہ داران ہوتے ہیں لہٰذا چند اہم مسائل پر فیصلہ کرنے کا حق حصہ داران کو ہی ہوتا ہے اس لئے حصہ داروں کے جلسے بھی بلائے جاتے ہیں۔

کمپنی کے سالانہ عام جلسے میں ڈائرکٹرس حصہ داروں کے سامنے ایک رپورٹ رکھتے ہیں جس میں کمپنی کی سابقہ سال کی کارگزاری درج کی جاتی ہے

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲۔ حصہ اول۔

اور تقسیم ہونے والے منافع کی منظوری لی جاتی ہے، حصہ داران کی منظوری کے لئے نفع و نقصان کے کھاتے اور بیلنس شیٹ بھی پیش کئے جاتے ہیں اس جلسے میں ڈائرکٹرس اور محاسبوں کا بھی انتخاب ہوتا ہے۔ (۱)

کمپنی کا خاتمہ وہ طریقہ جس سے کمپنی ختم کی جاتی ہے اور اس کے اثاثہ جات نقدی میں تبدیل کرکے اسے قرض خواہوں کو دیئے جاتے ہیں کمپنی کا خاتمہ کہلاتا ہے۔ یہ خاتمہ تین طریقوں سے ہوسکتا ہے۔ عدالتی خاتمہ۔ رضاکارانہ خاتمہ، زیر نگرانی عدالت خاتمہ۔

خاتمہ کی تینوں صورتوں میں حکومت کی طرف سے ایک "افسر تصفیہ حساب" کا تقرر اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ وہ کمپنی کے اثاثہ جات، مال اور جائداد کو فروخت کر دے، اور دام کو قرضخواہوں کے قرضے اتارنے کے لئے استعمال کرے، اگر کچھ رقم بچے تو اس کو حصہ داران میں تقسیم کردے۔ (۲)

دریافت طلب امور

اب ہمیں کمپنی کے نظام تجارت کو اسلام کے نظام تجارت کے معیار پر پرکھنا چاہیئے کہ عقود میں فساد پیدا کرنے والے عناصر اس کی رگ وپے میں سرایت کرچکے ہیں یا صرف بالا بالا ہیں اور وہ اسلام کے جادۂ اعتدال سے کس قدر منحرف ہیں اور کس قدر

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۲۱۸، ۲۱۹۔ حصہ اول

(۲) جدید طریقۂ تجارت ص ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵۔ حصہ اول

قرین وقریب ؟ درج ذیل سوالات کی روشنی میں ان شاء اللہ یہ سراغ رسانی ممکن ہوگی ۔

(۱) شریعت کی نگاہ میں کمپنی کا اپنے ارکان سے جدا مستقل وجود ہے، یا نہیں ؟

(۲) کمپنی کے ترجیحی شیرز اور مساواتی شیرز کی حقیقت شرعیہ کیا ہے ؟

(۳) کمپنی سے براہ راست ان شیرز کے حصول اور پہلے کے حصہ داروں سے ان کی خرید و فروخت کا حکم شرعی کیا ہے ؟

(۴) قرض تمسکات کا کیا حکم ہے ؟

(۵) کمپنی کے شیرز اور ڈیبنچرس کی خرید و فروخت کی ضمانت اور دلّالی کا حکم شرعی کیا ہے ؟

(۶) موجودہ سرمایہ کمپنی کے قیام کی منصوبہ سازی اور اس کی تشکیل، پھر ترویج اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہے یا نہیں ۔ ؟

(۷) نفی کی صورت میں اس کی متبادل اسلامی طرز کی کمپنی کیا ہو سکتی ہے ؟

یہ وہ سوالات ہیں جو آج پوری ملت اسلامیہ سے جواب کے طالب ہیں، ممکن ہے کہیں اس پر شرعی نقطۂ نظر سے ریسرچ ہوا ہو مگر وہ ہمارے علم میں نہیں، میں فقہ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، میری بساط ہی کیا تاہم اپنے مطالعہ، مجلس شرعی کے مذاکرات اور بزرگوں سے استفادہ کے نتیجے میں جو کچھ مہیا ہو سکا ہے اسے ارباب علم کی خدمت میں بطور نمونہ لے کر حاضر ہو گیا ہوں ۔ فان یك صوابًا فمن اللہ، والا فمنی ومن الشیطٰن، واللہ ورسولہٗ بریان، جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ۔

پوری کتاب ایک نظر میں

پیش نظر کتاب میں شرعی نقطۂ نظر سے ، کمپنی کے نظام کار ، پر جو بحث کی گئی ہے سب سے پہلے اس کا ایک " اجمالی خاکہ " ذہن نشین کیجئے۔

(۱) ایک خاص قسم کا کاروباری و تجارتی ادارہ جو طے شدہ دستور العمل کے تحت کام کرتا ہے ۔ کمپنی (COMPANY) کہلاتا ہے ۔

(۲) کمپنی میں جمع شدہ حصص (SHARES) کے اصل مالک حصہ دار (SHARE-HOLDER) ہوتے ہیں ، اور کمپنی حصہ داروں کی طرف سے ان کی وکیلِ عام ہوتی ہے ۔ یعنی خرید و فروخت قبضہ ، قانونی چارہ جوئی اور صلح وغیرہ دیگر امور کی با اختیار وکیل ہوتی ہے ۔

(۳) ۔ کمپنی ، عقل و شعور سے خالی ، ایک ایسی شئے ہے جو اپنے طور پر کوئی کاروبار کرنے کی اہل نہیں ، اس لئے اس کی طرف سے وکالت کے تمام فرائض انجام دینے کے لئے نہایت عالی دماغ اور تجربہ کار افراد پر مشتمل " ہدایت کار بورڈ " مقرر ہوتا ہے جو کمپنی

کا نائب وقائم مقام، اور حصہ داروں کا "وکیل دوم" ہوتا ہے۔

(۴) کمپنی کا "جاری شدہ حصہ" ایک فرضی سرمایہ ہوتا ہے جس کی کوئی قیمت یا مالیت نہیں ہوتی، اور شیئر داروں کے حصص، ابتداءً ثمن یعنی "نوٹ" ہوتے ہیں اور بعد میں جب ان کے عوض مالِ تجارت خرید لیا جاتا ہے تو وہی "متاع وسامان" ہو جاتے ہیں۔

(۵) حصص کی دو قسمیں ہیں۔

ترجیحی حصص (PRE FERENCE SHARES) اور

مُساواتی حصص (EQUITY SHARES)۔

ترجیحی حصص اپنی حقیقت کے لحاظ سے "سرمایۂ قرض" ہوتے ہیں اوران پر کمپنی سے ملنے والا نفع سود ہوتا ہے۔ اس لئے ترجیحی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری ناجائز وگناہ ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد سابع میں میں بھی یہی انکشاف فرمایا گیا، ٹھیک یہی حکم قرض تمسکات کا بھی ہے۔

(۶) مُساواتی حصص اپنی حقیقتِ شرعیہ کے لحاظ سے "سرمایۂ شرکت" ہیں، اوران کے ذریعہ کمپنی میں زر کاری شرکت کی ایک خاص قسم "شرکتِ عنان" ہے جو شرعاً جائز ہے اس لئے کمپنی میں یہ زر کاری بھی جائز ہونی چاہئے۔

لیکن کمپنی خسارے کی صورت میں اپنے ذمہ کا سود ادا کرنے کے لئے ہر شریک سے کچھ نہ کچھ لیتی ہے تو یہ جانتے ہوئے کمپنی میں شرکت قبول کرنا ایک ناجائز کام میں تعاون کا ذریعہ ہوا، اس لئے کمپنی کا شریک بننا ناجائز ہے۔

البتہ اس میں کاروبار کے ذریعہ جو نفع حاصل ہوا وہ حلال ہے کیونکہ تجارت میں جو مال شامل کیا گیا ہے وہ مساواتی حصص کا ہو، یا ترجیحی حصص کا، یا قرض تمسکات کا، بہرحال سب بجائے خود پاک و حلال ہے، اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"اصل روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں، یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا منفعت جائزہ غیر ربا میں جتنا اس کا حصہ ہے اس پر زکوٰۃ لازم آئے گی" (۱)

اس کی حیثیت وہی ہے جو اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کی ہے کہ خریدنا، بیچنا تو ناجائز ہے لیکن اس عمل کے ذریعہ جو مال حاصل ہوا وہ پاک و حلال ہے غرضیکہ کمپنی میں شرکت کے لئے بہرحال جو ذریعہ اختیار کیا جائے گا وہ حرام و گناہ ہے اس لئے حکم دیا جاتا ہے کہ مسلمان ہرگز ہرگز کمپنی کی شرکت نہ قبول کریں، اور جو قبول کر چکے ہیں فسخ کر دیں۔ علاوہ ازیں اب کمپنی کی دنیا میں بانیان کے ذریعہ بد دیانتی، اور حصص میں سٹہ بازی، فریب دہی، نیز سرمایہ دار طبقہ کی اجارہ داری عام وبائی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے، کمپنی کے اصول جو بھی ہوں ان پر عمل کرتا ہے تو اس میں شرکت کی اجازت فتح بابِ معصیت ہوگی جو ناجائز ہے۔ لہٰذا کمپنی سے دوری لازم ہے۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۱۱۲ ج ۲، سنی دارالاشاعت، مبارک پور

(۷) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمتِ عالیہ میں جو سوال پیش ہوا تھا اس سے یہ روشنی نہیں ملتی کہ کمپنی اپنے شیر داروں کی وکیلِ عام ہے جس کے ضمن میں "قبضہ کی وکالت" بھی پائی جاتی ہے۔

ہاں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے عہد میں چاندی کے انگریزی روپے کا رواج تھا، اور کمپنی کا حصہ بھی یہی روپیہ ہوتا تھا۔

تو کمپنی کے طریق کار کے مطابق اُس زمانے میں ان حصص کی بیع وشرا، اس لئے ناجائز قرار پائی کہ یہ بیع یا تو روپے کے بدلے میں "روپے" کی ہوگی، یا متاع کی ہوگی۔

پہلی صورت میں بیع "عقدِ صرف" ہے جس کے عوضین پر مجلس میں دونوں عاقدوں کا قبضہ ضروری ہوتا ہے، جبکہ کمپنی کے آئین کے مطابق صرف دام پر قبضہ ہوتا ہے۔

اور دوسری صورت میں بیع "عقدِ مطلق" ہوگی جس میں دام تو اُدھار رہ سکتا ہے مگر مبیع کی نقدا دائیگی ضروری ہوتی ہے۔ اور کمپنی کا طریق کار اُس دور میں اس کے بالکل برعکس تھا۔

اس لئے اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا۔ مگر آج کے دور میں حالات کی تبدیلی نے ان دونوں نقائص کو یکسر ختم کردیا، کہ اب کمپنی اپنے حصہ داروں کی وکیلِ عام ہوتی ہے جس کے باعث اسے مبیع پر قبضہ کا حق بجا طور پر مل گیا، اور

روپیوں کی جگہ اب کاغذ کے نوٹ نے لے لی جس کی بیع اپنے ہم جنس کے بدلے میں نقد و اُدھار بھی جائز ہے، اور کم و بیش بھی۔ جیسا کہ خود فتاویٰ رضویہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ تو اب ناجائز ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سود کاری پر تعاون کا ذریعہ اور فتح بابِ معصیت ہے۔

(۸) ان حصص کے حصول کے جتنے بھی ذرائع ہیں۔ مثلاً حصص کی منتقلی، حصہ داروں سے ان کے حصص کی خرید و فروخت، وغیرہ ۔۔ وہ سب اس لئے ناجائز ہیں کہ ایک ناجائز کام میں تعاون کا ذریعہ ہیں اور سودی قرض اس لئے لیناکہ اسے بعد میں حصص میں تبدیل کر لیا جائے حرام قطعی ہے۔

(۹) قرض تمسکات کمپنی کے پرانے قرض خواہوں سے حاصل کئے جائیں یا براہ راست کمپنی سے بہرحال یہ کاروبار ناجائز ہے کہ یہ تمام تر قرضے سودی ہوتے ہیں جس کے لئے اسلام میں کوئی نرم گوشہ نہیں پایا جاتا۔

(۱۰) حصص اور تمسکات کے فروخت کی ضمانت، ولالی یعنی حصص اور قرض تمسکات فروخت کرنے کی اجرت۔ یہ بھی کمپنی میں سرمایہ کاری کے ذرائع ہیں اس لئے یہ بھی نمبر ۶ و ۸ کی تفصیل کے مطابق ناجائز ہیں۔

(۱۱) مشترکہ سرمایہ کمپنی کا ایک لازمی کاروبار یہ ہے کہ وہ کچھ خاص قسم کے بینکوں سے سودی قرضے لیتی ہے یونہی عوام سے بھی ترجیحی شیئر اور قرض تمسکات کے نام سے قرض لے کر سرمایہ اندوزی کرتی ہے اور سودی قرض کا کاروبار بلاریب حرام و گناہ ہے اس لئے ایسی کمپنی کی منصوبہ سازی، اس کا قیام اور اس کے کاروبار کی ترغیب سب ناجائز و حرام و گناہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلحمدُ للّٰہ ربِّ العٰلمین ۞ وَالصّلوٰۃ وَالسّلام

علیٰ حبیبہٖ سیّد المرسلین ۞ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین

جدید نظریۂ معاشیات اور اسلام کے نظام معاشیات میں جو تباین پایا جاتا ہے وہ دونوں کو ایک دوسرے سے بالکلیہ ہم آہنگ نہیں کرسکتا۔ آج کے معاشی نظام کا مقصود محض کسبِ مال ہے اور اسلام کا مقصود اکلِ حلال، وصدقِ مقال۔

اسلام سرمایہ کاری کی اجازت دیتا ہے مگر ساتھ ہی جھوٹ، فریب دغا، خیانت، ظلم، غصب، حق تلفی وغیرہ رذائل پر سخت پابندی بھی عائد کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کا پیرو صداقت وامانت کا نمونہ ہو اگرچہ اسے تمام عمر نانِ شبینہ پر ہی اکتفا کرنا پڑے۔

مگر اس کے برخلاف آج کا معاشی نظام ہوائے نفس کا غلام نظر آتا ہے وہ زراندوزی وذخیرہ سازی کے ایسے اصول پیش کرتا ہے جن میں بنی نوع انسان کو شر وفساد، ظلم وتعدی، بددیانتی وحق تلفی کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان اصولوں کا مطمحِ نظر صرف یہ ہے کہ انسان ارب پتی بن جائے اگرچہ اس کے لئے اسے کتنے ہی کھرب گناہوں کا بوجھ اپنے سر

اٹھانا پڑے، اب وہی زمانہ آگیا ہے جس کے بارے میں حضور سیّد عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تھی :

يَاتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِى الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ اَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ (۱)	لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو یہ پرواہ نہ ہو گی کہ جو مال وہ حاصل کر رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

یعنی حلال و حرام کی پرواہ کئے بغیر وہ کسبِ مال میں مشغول رہے گا۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست ، تا بکجا

اسلامی نظام سے جدید نظریات کا یہ تصادم اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم آج کے نظامِ معاشیات کا بائیکاٹ کریں۔ لیکن ظاہر ہے کہ غلط سے غلط نظریات میں بھی ساری تفصیلات بالکلیہ قبیح نہیں ہوتیں اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی احکام کی روشنی میں موجودہ طرز زندگی اور جدید طریقہ تجارت کا تجزیہ کیا جائے۔

لہٰذا ہم کمپنی کے مفاسد کے گھٹا ٹوپ کی تہ میں اتر کر اس بات کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں کہیں سے کچھ اسلامی اصولوں سے یگانگت اور ہم آہنگی کی کرن پھوٹتی ہے، یا نہیں۔ ؟ آئندہ اوراق میں اسی کا جائزہ لیا گیا ہے جو مضامین کے تنوع کے لحاظ سے چار ابواب پر مشتمل ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، بابُ مَن لم یُبَال من حیث کسب المال ص ۲۷۶ ج ۱ کتاب البیوع ــــ ومشکوٰۃ المصابیح ، باب الکسب وطلبِ الحلال ص ۲۴۱ ۔

پہلا باب

کمپنی کی شرعی حیثیت

کمپنی کی شرعی حیثیت

کمپنی کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ ـــــــ اس سے کمپنی کے انتظام کاروں اور ماہرین معاشیات کو کوئی دلچسپی نہیں ۔ انھوں نے اپنا ادارہ چلانے اور مال وزر حاصل کرنے کے لئے ایک طریق کار متعین کر لیا ہے اور بہت سے قواعد و ضوابط بنا لئے ہیں ، ان کی روشنی میں جب ہم کمپنی کے شیئر ہولڈروں، ڈائرکٹروں اور خود کمپنی کا شرعی جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ فی الواقع کمپنی میں جمع شدہ حصص کے اصل مالک حصہ دار ہوتے ہیں ، اور کمپنی حصہ داروں کی طرف سے ان کی وکیلِ عام ہوتی ہے۔ یعنی بیع وشراء ، قبضہ ، اور ہر قسم کی قانونی چارہ جوئی اور صلح وغیرہ دیگر امور کی با اختیار وکیل ہوتی ہے ۔

ہاں ماہرین معاشیات نے کمپنی کا تعارف کراتے ہوئے کہیں کہیں یہ لکھا ہے کہ :

"کمپنی ایسے سرمایہ کی مالک ہوتی ہے جسے اس کے قائم کرنے والے ممبران خود فراہم کرتے ہیں " (۱)

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۴۵ جلد ۱

مگر یہ دراصل " مِلک " کے مفہوم سے ماہرینِ معاشیات کی ناواقفی کا نتیجہ ہے ، یا انھوں نے " مالک " کا لفظ منتظم و متصرّف کے معنی میں استعمال کیا ہے ، یا پھر مجازاً کمپنی کی طرف مِلک کی نسبت کی ہے کہ وہ حصہ داروں کی وکیلِ عام ہونے کی وجہ سے ایک مالک کی طرح :

- اپنے نام سے خرید و فروخت کرتی ہے ۔
- معاہدے کرتی ہے ۔
- عدالت میں مقدمے دائر کرتی ہے ۔
- دستاویزات اور خطوط پر مُہرِ خاص کے ذریعہ دستخط کرتی ہے ۔
- دیگر اشخاص بھی اس کے نام سے اس پر مقدمے دائر کرتے ہیں ۔
- کمپنی بینک میں اپنے نام کھاتہ کھولتی ہے ۔
- اپنے نام سے ٹیلی فون لگاتی ہے ۔
- اور ان کے علاوہ بھی بہت کچھ امور انجام دیتی ہے ۔

ورنہ کمپنی کے آئین میں خود اس امر کا واضح اشارہ ، بلکہ صراحت موجود ہے کہ حصص کے مالک صرف حصہ دار ہیں ۔ مثلاً کمپنی کا آئین جا بجا یہ نشاندہی کرتا ہے کہ :

- شرکاء (شیئر ہولڈرس — SHARE-HOLDERS) اپنے حصص دوسرے کو منتقل کر سکتے ہیں ۔
- دوسرے ان سے ان کے حصص خرید سکتے ہیں ۔
- یہ حصص کے ذریعہ حاصل ہونے والے منافع کے ایک طے شدہ درتک

حقدار بھی ہوتے ہیں۔

اگر حصہ دار اپنے لگائے ہوئے سرمائے کے مالک نہیں تو انھیں نفع کس چیز کا ملتا ہے، اور انھیں حصص کی بیع و شرار کا اختیار کہاں سے حاصل ہوتا ہے؟

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ملک کی ہی کرشمہ سازی ہے۔ اور ذیل کی عبارات تو بہت کھل کر اس حقیقت کا انکشاف کرتی ہیں۔

(ا) جدید طریقہ تجارت میں ہے:

"حصص کی ملکیت قانونی نمائندوں، مثلاً وَرَثہ، وصی، اور دیگر قانونی جانشینوں کے ہاتھوں اصل مالک کی موت واقع ہونے پر منتقل کر دی جائے" (۱)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حصص کے اصل مالک حصہ دار ہیں۔

(ب) اسی میں ہے:

"حصص ضبط کرنے کے بعد کمپنی کی ملکیت میں آجاتے ہیں" (۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حصص ضبط ہونے سے پہلے کمپنی کی ملکیت نہیں ہوتے۔

(ج) "حصہ داران کمپنی کے مالکان ہوتے اور وہ نفع نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔" (۳)

---

(۱) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۲۰۰ ج ۱۔

(۲) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۲۰۱ ج ۱۔

(۳) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۹۷ ج ۱۔

(د) "کمپنی کے حقیقی مالکان حصہ داران ہوتے ہیں۔" (۱)
ان عبارتوں میں "کمپنی کے مالکان" سے مراد کمپنی کے حصص کے مالکان ہیں۔

اب تو یہ بات بہت روشن ہو گئی کہ حصص کے حقیقی مالک صرف ان کے حصہ دار ہوتے ہیں جنھیں شیر دار اور شیر ہولڈر (SHARE-HOLDER) بھی کہا جاتا ہے اور انھیں کی اجازت اور کام کرنے کا اختیار دینے کے سبب کمپنی ان کے تمام امور اپنی سرکردگی میں انجام دیتی ہے اس لئے وہ ان کی وکیلِ عام ہوئی۔ لیکن چونکہ کمپنی ایک غیر عاقل تجارتی ادارہ ہے جس میں کوئی ارادہ و اختیار نہیں پایا جاتا، اس لئے اس کی جگہ کام کرنے کے لئے "ہدایت کاروں کی انجمن" (بورڈ آف ڈائرکٹرس) تشکیل دی جاتی ہے جو تمام امور کمپنی کی طرف سے انجام دیتی ہے۔ یہ انجمن بھی حصہ داروں کی طرف سے وکیلِ عام ہوتی ہے جسے کمپنی کے قوانین کے مطابق اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ ہاں وہ کوئی تصرف اپنے نام سے نہیں کر سکتی، بلکہ اس کا ہر کام کمپنی کی طرف منسوب کر کے ہوگا۔ تو یہ انجمن کمپنی کی قائم مقام ہوئی مگر چونکہ کمپنی کی نیابت کے لیے "انجمن" کا تقرر شیر دار کرتے ہیں، اس لئے یہ بھی اسلامی نقطۂ نظر سے شیر داروں کی ہی وکیل عام ہوئی۔ اس کی صراحت عامۂ کتب فقہ میں ہے، مثلاً فقہ حنفی کی معتمد کتاب "الدر المختار" میں ہے:

"اَلْوَکِیْلُ لَا یُوَکِّلُ اِلَّا بِاِذْنِ آمِرِہٖ، لِوُجُوْدِ الرِّضَا....
.... وَالتَّفْوِیْضُ اِلٰی رَأْیِہٖ کَـاِعْمَلْ بِرَأْیِکَ"

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۲۱۸۔ جلد ا

كَالإذنِ فِي التَّوكِيلِ .... وَإنْ وَكَّلَ بِهِمَا
أي بالأمرِ، أوِ التَّفويضِ فَهُوَ أيِ الثَّانِي وَكِيلُ الآمِرِ
فلا يَنْعَزِلُ بِعَزلِ مُوَكّلِهِ، أو مَوْتِهِمَا اھ (۱)

بہار شریعت میں اس کی ترجمانی ان الفاظ میں فرمائی گئی :

وکیل کو مؤکل نے اس کی اجازت دے دی ہے کہ وہ خود کرے، یا دوسرے سے کرا دے تو وکیل بنانا جائز ہے۔ یا اس کام کے لئے اس نے اختیار تام دے دیا ہے، مثلاً کہہ دیا ہے کہ "تم اپنی رائے سے کام کرو" اس صورت میں بھی وکیل بنانا جائز ہے۔ (درمختار)

اذن یا تفویض (کام اس کی رائے پر سپرد کرنے) کی وجہ سے وکیل نے دوسرے کو وکیل بنایا تو یہ وکیلِ ثانی "وکیل کا وکیل" نہیں ہے بلکہ مؤکل کا وکیل ہے۔ اگر وکیلِ اول اسے معزول کرنا چاہے تو معزول نہیں کر سکتا، نہ اس کے مرنے سے یہ معزول ہو سکتا ہے۔ (بحر) (۲)

فقہاء کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ کمپنی شیئر داروں کی وکیل عام ہوتی ہے اور ڈائرکٹرس انھیں کے وکیلِ ثانی کی حیثیت سے کمپنی کے امور انجام دیتے ہیں۔ لیکن بابِ وکالت کے مطالعہ سے یہاں کئی ایک قوی اشکال وارد ہوتے ہیں جنھیں حل کئے بغیر کمپنی کو وکیل نہیں

---

(۱) الدر المختار، علیٰ ہامش رد المحتار ۴۵۶، ۴۵۷ / ۴ ۔ باب الوکالۃ بالبیع والشراء، مکتبہ طبع
(۲) بہار شریعت ص ۱۵۰ حصہ ۱۲ ۔ نیز ہدایہ ص ۱۷۹ ج ۳ ۔ فصل توکیل وکیلین۔

تسلیم کیا جا سکتا۔

پہلا اشکال، اور اس کا حل

توکیل کی صحت کے لئے وکیل کا عاقل ہونا شرط ہے، اور کمپنی یقیناً غیر عاقل ہے اس لئے اس کی توکیل کا لعدم ہونی چاہیئے۔ ہدایہ میں ہے:

وَيُشترط أن يكون الوكيلُ مِمَّن يَّعقل العقد ويقصد هٗ لِأنّهٗ يقوم مقام الموكِّل في العبارة، فيشترط أنْ يكون من أهل العبارة، حتّٰى لو كان صبيًا لا يعقل، أو مجنونًا، كان التوكيل باطلاً۔ اھ (۱)

وکالت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وکیل صاحبِ عقل ہو جو عقد کو سمجھے اور اسے اپنے قصد سے انجام دے، وجہ یہ ہے کہ وکیل تعبیر میں مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے تو مؤکل کی طرح اسے بھی تعبیر کا اہل و باشعور ہونا شرط ہوگا، لہٰذا اگر وکیل ناسمجھ بچہ ہو، یا کوئی پاگل ہو تو توکیل باطل ہوگی۔

لیکن یہاں یہ اشکال اس وقت وارد ہوتا جب صرف کمپنی کی توکیل پر اقتصار کیا جاتا، مگر یہاں تو عبارت کی ادائیگی، نیز دوسرے امورِ مفوضہ کی انجام دہی کے لئے نہایت عالی دماغ اور تجربہ کار افراد پر مشتمل "ہدایت کاروں کی انجمن" مقرر ہوتی ہے جو کمپنی کی قائم مقام ہوتی ہے تو اس کے ساتھ کمپنی کی توکیل درست ہونی چاہیئے کہ انجمن کی نیابت

---

(۱) ہدایہ ص ۱۶۳ جلد ۳۔ کتاب الوکالۃ۔ مطبع رشیدیہ

کی وجہ سے توکیل کا فائدہ کامل طور پر حاصل ہو جاتا ہے اور معاملاتِ بیع و شراء، اور دیگر معاہدات اپنے مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ جیسے مدارس و مساجد کہ یہ عبادتِ الٰہی اور تعلیم و تربیت کے غیر عاقل ادارے ہیں اور ساتھ ہی قوم کی طرف سے ان کے سرمائے کے حق میں ان کے وکیلِ عام اور مجلس انتظامیہ، یا متولیان اسی کے نائب و قائم مقام۔

اس کی تائید فتاویٰ رضویہ کے درج ذیل اقتباسات سے ہوتی ہے۔

(۱) ایک مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ ہوا، عمرو نے پانچ سو روپے کا ایک چیک کاٹ دیا کہ بینک سے روپیہ وصول کر کے اس رقم میں شامل کر لیا جائے، وہ چندہ زید کے پاس جمع ہوا۔

یہ واقعہ بیان کر کے ایک عالم دین نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سے ایک استفسار کیا، جس کے جواب میں آپ نے یہ ارقام فرمایا۔:

"ظاہر ہے کہ روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دین ہوتا ہے۔ عمر نے جو روپیہ تعمیر مسجد کو دیا، اگر مسجد موجود تھی اور اس کی تعمیر کو دیا تو یہ مسجد کے لئے ہبہ ہوا۔

عالمگیریہ میں ہے:

رجلٌ أعطیٰ درھمًا فی عمارۃ المسجد، أو نفقۃ المسجد أو مصالح المسجد صحّ لأنّہٗ إن کان لا یمکن تصحیحُہٗ

(ایک شخص نے مسجد کی تعمیر، یا اس کے اخراجات، یا اس کے مصالح کے لئے روپیہ دیا تو یہ عطیہ درست ہے۔ کیونکہ اگر چہ اسے وقف قرار دینا ممکن نہیں

وقفًا، يمكن تصحيحه تمليكًا	لیکن مسجد کے لئے ہبہ مان کر اسے تملیک
بالهبة للمسجد - وإثباتُ	قرار دینا ممکن ہے۔ اور اس طرح سے
الملك للمسجد على هٰذا الوجه	مسجد کے لئے ملک کا اثبات صحیح ہے اور ہبہ
صحيحٌ، ويتم بالقبض۔ كذا	قبضہ سے تام ہو جائے گا، ایسا ہی واقعات
في الواقعات الحسامية ۔	حسامیہ میں ہے۔)

اسی طرح خزانۃ المفتین وغیرہا میں ہے ۔ اس تقدیر پر یہ ھِبَۃُ الدَّینِ مِنْ غیرِ مَنْ عَلَیْہِ الدَّیْنِ مَعَ تسلیطہ علی القبض ہوا۔ (یعنی غیر مدیون کو دَین ہبہ کر کے اسے قبضہ کا وکیل بنا دینا، یا اختیار دے دینا)

متولیانِ مسجد، موہوب لہٗ (یعنی مسجد) کے نائب اور عمرو کی طرف سے وکیل بِقَبْضِ الدَّیْن ہوئے۔

اور اگر ہنوز مسجد موجود نہ تھی، بلکہ بنا نا چاہتے تھے، اس کے چندہ میں دیا تو ہبہ نہیں ٹھہرا سکتے کہ معدوم کے لئے ہبہ ممکن نہیں، متولی صرف وکیل بالقبض ہوئے۔

دونوں صورتوں میں جب تک قبضہ نہ ہوا روپیہ ملکِ عمرو پر تھا۔ صورتِ ثانیہ میں تو ظاہر ہے کہ سرے سے ہبہ ہی نہ ہوا تو ملکِ مالک سے خروج کیا معنی۔ اور صورتِ اُولیٰ میں اس لئے کہ ہبہ بے قبضہ تمام و مفیدِ ملکِ موہوب لہٗ نہیں ہوتا۔

اشباہ میں ہے:

لايصح تمليكه أي الدَّينِ	(جس کے ذمہ دَین ہے اس کے علاوہ

Scanned by CamScanner

مِن غیرِ مَن ھو علیہ، إلاّ إذا سَلَّطہٗ علیٰ قبضہٖ، فیکون وکیلًا، قابِضًا للموکِّل، ثُمَّ لِنفسہٖ۔

(ص ۷۴ ۔ ألقول فی الدین من الفن الثالث)

کسی اور کو دَین کا مالک بنانا صحیح نہیں مگر یہ کہ واہب اسے قبضہ کا اختیار دیدے تو موہوب لہٗ وکیل ہوجائے گا اس کا قبضہ پہلے مؤکل کے لئے، پھر اپنے لئے ہوگا۔)

جامع الفصولین میں ہے:

ھِبۃ الدَّین مِمّن لیس علیہ لم تجز إلاّ إذا سلّطہٗ علیٰ قبضہٖ فیصیر کأنّہٗ وَھبہٗ حین قبضہٗ ولا یمحّ إلّا بقبضہٖ

اھ ملخصًا۔ (۱)

(غیر مدیون کو دین کا ہبہ صحیح نہیں اور اگر ہبہ کے ساتھ قبضہ کا وکیل بھی بنادے تو صحیح ہے کیونکہ اب اس کی صورت گویا یہ ہوئی کہ اس نے موہوبہ شئی پر قبضہ کے وقت اسے ہبہ کیا۔ اور قبضہ کے بغیر ہبہ صحیح نہیں)

(۲) اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان قربانی کی کھال کے احکام بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مسجد میں دے سکتے ہیں، پھر مہتمانِ مسجد کو اختیار ہے کہ اسے بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہیں لائیں اگرچہ امام یا مؤذن، یا فراش کی تنخواہ میں۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۶، ۲۸۷ جلد ۶ ۔ معارف وقف۔ سنی دارالاشاعت۔
اس اقتباس میں عربی عبارات کا ترجمہ راقم سطور کا ہے ۱۲ ن

لِأَنَّهُ صَارَ مِلْكَ الْمَسْجِدِ كَمَسْأَلَةِ الْغَنِيِّ الْمَذْكُورِ فَانْقَطَعَ حُكْمُ الْأُضْحِيَّةِ۔

(اس لئے کہ کھال مسجد کی ملک ہوگئی ..... تو قربانی کا حکم ختم ہوگیا۔)

واقعاتِ امام حسام الدین، پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ تَمْلِيكًا بِالْهِبَةِ لِلْمَسْجِدِ، وَإِثْبَاتُ الْمِلْكِ لِلْمَسْجِدِ عَلَىٰ هٰذَا الْوَجْهِ صَحِيحٌ۔ فَيَتِمُّ بِالْقَبْضِ۔

فتاویٰ عتابیہ، پھر عالمگیریہ میں ہے:

يَصِحُّ بِطَرِيقِ التَّمْلِيكِ إِذَا سَلَّمَهُ لِلْقَيِّمِ اھ " (۱)

مسجد یقیناً عقل وشعور سے خالی ہے پھر بھی اس کو مالک بنانا درست ہے تو پھر غیر ذی عقل کمپنی کو وکیل بنانا بھی درست ہوگا کیونکہ تملیک یا ہبہ کے لئے موہوب لہ، کا قبول ضروری ہے، اگر وہ قبول نہ کرے تو اس کے حق میں ہبہ کا وجود تحقق نہ ہوگا۔ اور ہبہ تام وکامل ہونے کے لئے شئی موہوب پر قبضہ ضروری ہے حالانکہ مسجد، قبول، اور قبضہ کسی کی بھی اہل نہیں لیکن اس کے نائب۔ متولی، یا مہتم۔ کا قبول اور قبضہ مسجد کے قبول اور قبضہ کا قائم مقام ہوگیا اس لئے مسجد کو ہبہ صحیح و درست ہوا۔ اور وکالت کے لئے تو صرف ایجاب کافی ہے قبول کی کوئی حاجت نہیں، چنانچہ بہار شریعت میں ہے:

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۶م، ۲۸۷م جلد ۸۔ سنی دارالاشاعت مبارکپور۔

مــه بہار شریعت ص ۹۹، حصہ ۱۴ قادری بکڈپو بریلی

"وکیل کا قبول کرنا صحتِ وکالت کے لئے ضروری نہیں۔ یعنی اس نے وکیل بنایا، اور وکیل نے کچھ نہیں کہا، یہ بھی نہیں کہ میں نے قبول کیا۔ اور اُس کام کو کر دیا تو مؤکل پر لازم ہو گا۔" (۱)

لہٰذا ہدایت کاروں کی نیابت میں کمپنی کو وکیل بنانا صحیح و درست ہو گا۔

اس پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ مسجد کا خارج میں وجودِ حسّی، حقیقی مُتصوَّر و مُشاہَد ہے کیونکہ مسجد اس حصۂ زمین کا نام ہے جو عبادتِ الٰہی کے لئے مخصوص ہو۔ لیکن کمپنی بقول معاشیین ایک مصنوعی شخص ہے جس کا خارج میں کوئی وجودِ حسّی نہیں پایا جاتا۔

اس سلسلے میں باادب عرض ہے کہ معاشیین کے بطور مسجد بھی ایک مصنوعی شخص ہے اور کمپنی بھی۔ اور ہمارے بطور یہ بھی مسجد کی طرح ایک غیر عاقل ادارہ ہے جس کے لئے کوئی زمین مخصوص ہوتی ہے، جہاں تجارت اور صنعت و حرفت کے متعلقہ امور انجام دیئے جاتے ہیں۔ ہاں ایک مستقل مصنوعی شخص ہونے کی حیثیت سے اس کا وجود محض قانونی ہے تو اس حیثیت سے مسجد و مدرسہ کا وجود بھی محض قانونی ہے۔ کیونکہ کمپنی ہو، یا مسجد، یا مدرسہ۔ یہ واقع میں کوئی فرد یا شخص نہیں۔ تو اگر ان کو آج کے روشن خیالوں کے مطابق "شخص" مانا جائے تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اس "شخص" کا وجود محض قانونی ہو گا، خارجی، حسّی، حقیقی نہ ہو گا۔ لیکن اگر اس بے مایہ،

---

(۱) بہارِ شریعت ص ۱۲۸ حصہ ۱۲ قادری بکڈپو، بریلی۔

خادمِ فقہ کے نظریہ سے دیکھا جائے تو یہ سب خاص قسم کے غیر عاقل ادارے ہیں، اور سب کے لئے زمین کا ایک حصہ مخصوص ہے تو اس حیثیت سے سب کے سب خارج میں موجود، محسوس، و متحقق ہیں۔

ہاں اس مقام پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ مسجد و مدرسہ کسی کے مملوک نہیں، لہٰذا ایک مستقل فرد کی حیثیت سے یہ جماعتِ مسلمین کے نائب اور ان کے اموالِ موقوفہ و موہوبہ میں تصرف کے ماذون ہو سکتے ہیں۔ لیکن کمپنی درج بالا توجیہ کے مطابق بانیان اور شیئر داروں کی مملوک ہے تو وہ مستقل فرد کی حیثیت سے نائب و ماذون نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مملوک ہونا نائب و ماذون ہونے کے منافی نہیں، جیسے غلام بلاشبہ اپنے آقا کا مملوک ہوتا ہے لیکن آقا کے اذن کے بعد وہ اس کا نائب و ماذون ہو جاتا ہے اور اس کے مال میں اپنی صوابدید کے مطابق جو بھی تصرف چاہے کر سکتا ہے۔

آج کے زمانے میں غلامی کا تصور گو ختم ہو چکا ہے لیکن "عبدِ ماذون" کے مسائل آج بھی کتب فقہ کے اوراق کی زینت بنے ہوئے ہیں جنھیں ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ بسردست فقہ اسلامی کی عظیم ترین کتاب۔ الہدایہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔:

وإذا أذن المولیٰ لعبدہ فی التجارۃ إذناً عاماً جاز تصرفہ فی سائر التجارات	آقا نے اپنے غلام کو تجارت کا اذنِ عام دے دیا تو وہ ہر قسم کی تجارت کر سکتا ہے۔

..... وَلهٗ أن یوکّل بالبیع والشراء ...... ویملك أن یستاجر الأجراء .... وَلهٗ أن یشارك شرکةَ عِنان ویدفع المال مضاربةً ویأخذها (۱) ام ملخصًا

اور اسے یہ اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ دوسرے کو خرید و فروخت کا وکیل بنادے، مزدور رکھ کر ان سے کام کرائے، دوسرے کے ساتھ شرکتِ عنان میں کام کرے، آقا کا مال کسی کو مضاربت کے طور پر دے، یا دوسرے کا مال مضاربت کے طور پر لے۔

دوسرا اشکال، اور اس کا حل

مؤکل کی موت اور جنون مطبق کی وجہ سے وکالت ختم ہوجاتی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

ویبطل الوکالۃ بموت المؤکل وجنونہ جنونا مطبقا لأن التوکیل تصرفٌ غیر لازم فیکون لِلدّوامِہ حکم ابتدائہ فلابد من قیام الأمر، وقد بطل بہذہ العوارض، وشرط أن یکون الجنونُ مطبقًا، لأنّ قلیلہٗ

مؤکل کی موت اور جنون مطبق کی وجہ سے وکالت باطل ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ توکیل ایک ایسا تصرف (کام) ہے جو لازم نہیں ہوتا۔ تو ہر لحظہ اس کی بقاء وکالتِ جدیدہ کے آغاز کے حکم میں ہے لہذا اس کے لئے مسلسل مؤکل کا بقائے امر ضروری ہے اور وہ امر ان عوارض کی وجہ سے ختم ہوگیا۔ مصنف نے جنون کے

(۱) الہدایۃ، کتاب الماذون، ص ۲۷۶، ۲۷۷ ج ۳

بمنزلة الإغماء۔ — مطبق ہونے کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ مختصر وقفہ کا جنون بے ہوشی کے درجہ میں ہے۔

وَحَدُّ المطبق شهرٌ عند أبي يوسف إعتبارًا بما يسقط به الصوم اھ ملخصًا (۱) — اور مطبق کی حد امام ابو یوسف کے نزدیک ایک ماہ ہے وہ وکالت کو روزے پر قیاس کرتے ہیں کہ روزہ کا وجوب ایک ماہ کے جنون کے باعث ساقط ہو جاتا ہے۔

لیکن کمپنی کی وکالت مؤکل کی موت اور جنون مطبق سے ختم نہیں ہوتی کہ کمپنی کی خصوصیات سے ایک یہ ہے کہ:

"اس کے ممبر، یا حصہ دار کے مرجانے، یا پاگل ہو جانے کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا" (۲)

اس سلسلے میں عرض ہے کہ کمپنی کی وکالت کا ختم ہونا اور چیز ہے، اور اس کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑنا اور چیز۔ دونوں میں فرق ہے۔ جہاں تک وکالت کے ختم ہونے کا سوال ہے تو اس کے بارے میں خود کمپنی کے آئین میں یہ صراحت یا واضح اشارہ موجود ہے کہ حصہ دار کی موت اور جنون سے اس کی ممبری ختم ہو جاتی ہے۔ جدید طریقۂ تجارت میں جیسا کہ گزرا ——— موت اور جنون کو بھی ممبری ختم ہونے کی صورتوں میں شمار کیا ہے اور ہم آگے چل کر اس پر

---

(۱) ہدایہ ص ۱۸۲ جلد ۳ ۔ باب عزل الوکیل ۔ رشیدیہ

(۲) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۴۶ حصہ اول ۔

مزید روشنی ڈالیں گے ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

ظاہر ہے کہ جب حصہ دار کمپنی کا ممبر ہی نہ رہے گا تو خاص اس کے حق میں کمپنی کی توکیل یقیناً ختم ہو جائے گی کہ اس کی موت یا جنون کے بعد کمپنی اس کی وکیل نہ رہے گی، لیکن دوسرے مؤکلین یعنی حصہ داروں کے حق میں اس کی وکالت باقی رہتی ہے اس لئے بعض حصہ داروں کی موت، یا جنون سے کمپنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

علاوہ ازیں مؤکل کی وفات کی صورت میں اس کے ورثہ، یا اس کے یتیموں کے اولیاء اگر کمپنی کی تجارت پر راضی ہوں اور اس کے حصص اپنے نام منتقل کرالیں تو یہ ان کی طرف سے جدید توکیل ہوگی، اس لئے بھی کمپنی کی حیات پر کوئی اثر نہ پڑا ۔

اور اگر یہ لوگ کمپنی میں سرمایہ کاری پر راضی نہ ہوں تو اپنے حصص دوسروں سے معاوضہ لے کر ان کو منتقل کر سکتے ہیں اب جو شخص یہ حصص حاصل کرے گا اس کی طرف سے توکیل ہوگی۔ اس لئے بہر حال مؤکل کی وفات، یا جنون کا کمپنی کی صحت اور زندگی پر کوئی اثر نہ پڑا ۔

تیسرا اشکال اور اس کا حل

مؤکل کی وفات کے بعد کمپنی کی وکالت ختم ہو گئی، تو مؤکل کے ترکے میں اس کو تصرف کا حق نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ وہ تو ورثہ کا مال ہے اور کمپنی ان کی نہ وکیل ہے، نہ ماذون ۔ حالانکہ وہ بدستور تصرف کرتی رہتی ہے ۔

اس کا حل یہ ہے کہ ورثہ کا جو مال کمپنی کے قبضہ میں ہے اس میں کمپنی کا تصرف، تصرفِ فضولی، ہے۔ جو ورثہ کے حق میں نافع و مفید ہے اس لئے یہ تصرف صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ کی اس عبارت سے واضح ہے۔

کیف ؟ و أنّ الإذن ثابتٌ دلالةً، لأنّ العاقل یأذن فی التصرّف النافع. اھ (۱)

فضولی کو مالِ غیر میں ولایتِ تصرف کیوں نہیں حاصل ہے؟ جبکہ دلالۃً اس کی طرف سے اجازت ثابت ہے، کیونکہ ہر عقل والا انسان نفع بخش تصرف کی اجازت دیتا ہے۔

بلکہ خود احادیث نبویہ سے بھی یہ اجازت ثابت ہے۔

عن عُروۃ بن أبی الجعد البارقی أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم أعطاہ دینارًا، لیشتری لہ شاۃً۔ فاشتری لہ شاتین، فباع إحداھما بدینار و أتاہ بشاۃ و دینار۔ فدعا لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیعہ بالبرکۃ فکان لو اشتری ترابًا، لربح فیہ۔ (۲)

حضرت عُروہ بن ابوالجعد بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا، تو انھوں نے سرکار کے لئے دو بکریاں خریدیں، پھر ایک بکری کو ایک دینار کے بدلے میں بیچ دیا اور سرکار کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی بیع میں برکت کی دعا فرمائی، جس کا اثر یہ ہوا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو انھیں نفع ملتا۔

---

(۱) ھدایہ ص ۷۳ ج ۳، باب الاستحقاق، فصلٌ فی بیع الفضولی۔
(۲) بخاری شریف ص ـــــ و مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۴، باب الشرکۃ والوکالۃ۔

اسی نوع کا ایک واقعہ اس طرح منقول ہے:

وروی أنہ صلے اللہ علیہ وسلم دفع دینارا إلی حکیم بن حزام لیشتری بہ أضحیۃ، فاشتری شاۃ ثم باعھا بدینارین ثم اشتری شاۃ بدینار وجاء بالشاۃ والدینار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ بذلک۔ فقال صلی اللہ علیہ وسلم بارک اللہ لک فی صفقتک، فأما الشاۃ فضح بھا، وأما الدینار فتصدق بہ۔ (۱)	مروی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام کو قربانی کا جانور خریدنے کے لئے ایک دینار دیا۔ تو انھوں نے ایک بکری خریدی اور اسے دو دینار میں بیچ دیا۔ پھر ایک دینار میں ایک بکری خریدی اور ایک بکری اور ایک دینار لے کر نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور سارا قصہ سنایا ۔۔ تو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری بیع میں برکت دے۔ بکری کی قربانی کرو، اور دینار کو صدقہ۔

سرکار علیہ الصلاۃ والسّلام نے ایک دینار کو صدقہ کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ پہلے جو بکری خریدی گئی تھی وہ قربانی کے لئے تھی تو اس بکری سے جو نفع ہوا وہ راہِ خدا میں ہی خرچ ہونا چاہئے۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ دوسرے کا مال

---

(۱) فتح القدیر ص ۱۸۹ ج ۶، فصل فی بیع الفضولی۔ و مشکوٰۃ المصابیح، باب الشرکۃ والوکالۃ ص ۲۵۴ - و ابوداؤد، و الترمذی۔

بلا اجازت بیچ دیا جائے تو وہ بیع صحیح ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہ فرمایا، بلکہ اسے نافذ فرما دیا۔ اور کمپنی کا مال تو بکنے کے لئے ہی ہوتا ہے اور عملدر آمد اس پر ہے کہ ورثہ بیع کو نافذ کر دیتے ہیں، انکار نہیں کرتے۔ اس لئے یہ بیع صحیح بھی ہوئی اور نافذ بھی ——— علاوہ ازیں[عہ] یہاں متعین طور پر ورثہ کے مال میں تصرف متحقق نہیں کیونکہ کمپنی بیک وقت تمام اموال و اسباب فروخت نہیں کر دیتی، بلکہ فروختگی کا سلسلہ آہستہ آہستہ، تھوڑا تھوڑا کر کے جاری رہتا ہے تو تجارت کو صحیح ٹھہرانے کے لئے فروخت ہونے والا مال زندہ مؤکلوں و شیرداروں کا قرار پائے گا اور جو مال بچا رہتا ہے اس میں سے ایک غیر معین حصہ فوت شدہ شیرداروں و مؤکلوں کا مانا جائے گا۔ کتب فقہ میں اس طرح کی تصحیح کے صدہا نظائر موجود ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ مثلاً ہدایہ میں ہے:

(۱) "ایک شخص نے دو درہم، ایک دینار ——— ایک درہم دو دینار کے بدلے میں بیچا تو یہ بیع صحیح ہے۔ اور درہم و دینار میں سے ہر ایک کو اس کے غیر جنس کے مقابل کر دیا جائے گا۔ لیکن امام زُفر اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بیع ناجائز و فاسد ہے۔

(۲) یونہی اگر کسی نے مثلاً ایک ٹن جو اور ایک ٹن گیہوں ——— دو ٹن گیہوں اور دو ٹن جو کے بدلے میں بیچا تو بھی ان ائمۂ اسلام کے درمیان یہی اختلاف ہے۔ امام زُفر اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ جنس کو غیر جنس کے مقابل کرنے سے بائع کا تصرف بدل جاتا ہے کیونکہ اس نے کُل کو

عہ یہ دوسرا حل ضعیف ہے، اور پہلا حل قوی ۱۲ ن

کُل کے مقابل کیا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ مبیع کا ہر جز بطورِ شیوع ثمن کے ہر جز کے مقابل ہو، نہ کہ معین طور پر ہر فرد دوسرے فرد کے مقابل ہو اور تصرف کی تغییر جائز نہیں گوکہ اس کے باعث وہ صحیح ہو جائے۔

ائمہ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ "مطلق مقابلہ" اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ فرد، فرد کے مقابل ہو جیسا کہ جنس کے مقابل جنس ہو تو وہاں یہی "مقابلہ" ہوتا ہے۔ اور عقد کی تصحیح کے لئے یہاں یہی احتمال متعین بھی ہے۔ لہٰذا عقد کو صحیح قرار دینے کے لئے یہ مقابلہ اسی "مقابلہ فرد بالفرد" پر محمول ہوگا۔

(۳) جیسے ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، اور ایک شریک نے آدھا غلام بیچ دیا تو اس کے تصرف کو صحیح قرار دینے کے لئے یہ بیع صرف اس کے حصے کی قرار پائے گی۔" (۱)

ان تینوں مسائل میں ایک صورت فسادِ عقد کی ہے۔ اور ایک صحتِ عقد کی۔ تو کسی بھی صورت پر اسے محمول کرنا ممکن ہے لیکن تصحیحِ فعل کی ضرورت کی بنا پر تینوں مسائل میں وہ صورت مراد لی گئی ہے جس سے عقد صحیح و درست ہو سکے۔

کچھ ایسا ہی حال مسئلہ دائرہ کا بھی ہے لہٰذا تصحیحِ عقد کے لئے یہاں

---

(۱) ہدایہ، کتاب الصرف ص ۹۱ جلد ۳۔ وکذا فی البحر الرائق ص ۲۱۰ جلد ۶۔

بیع زندہ شیرداروں کے مال کی قرار پائے گی۔ پھر چند دنوں کے اندر ورثہ یا تو اپنے مورث کے حصص کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، یا ایک درخواست کے ذریعہ اُسے اپنے نام منتقل کرا کر خود ہی شریک و شیردار بن جاتے ہیں۔

تو اس "فروختگی" یا "انتقالِ حصص" کے ذریعہ جو شخص کمپنی کا نیا حصہ دار بنتا ہے وہ کمپنی کا مؤکل ہو جاتا ہے اور کمپنی اس کی وکیل۔ اس لئے اب وارث کے مال میں کمپنی کا تصرف فی الواقع فضولی کا نہیں، بلکہ وکیل کا تصرف ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ کمپنی جب تک فضولی رہتی ہے مالِ غیر میں کوئی تصرف نہیں کرتی، اور جب تصرف کی باری آتی ہے تو اس وقت تک وہ ورثہ، یا ان کے خریدار کی وکیلِ عام ہو چکی ہوتی ہے فتامل۔

چوتھا اشکال اور اس کا حل

یہاں ایک قوی اشکال یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ مؤکل کو اپنے مال میں ہمہ وقت تصرف کا کامل اختیار حاصل ہوتا ہے جبکہ مسئلہ دائرہ میں کمپنی کو وکیل بنانے کے بعد مؤکل کو اپنے مال میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں رہ جاتا، بلکہ وہ بالکل مجبور ہو جاتا ہے ـــــ لیکن کمپنی کے نظام کار کا جائزہ لینے سے یہ امر منکشف ہو جاتا ہے کہ مؤکل مجبور التصرف نہیں ہوتا، وہ آزادی کے ساتھ اپنے حصص بیچ سکتا ہے، ہبہ کر سکتا ہے، ہاں براہِ راست کمپنی سے اپنے حصص واپس نہیں لے سکتا۔ واپسی کے لئے بہر حال اسے "بیعِ حصص" کا سہارا لینا پڑے گا۔ مگر یہ بھی حجر نہیں ہے، کیونکہ حصہ دار کے حق میں یہ قانون اس کی رضا و منظوری سے نافذ ہوتا ہے جب کہ حجر میں مجبور کے اذن و رضا کا کوئی دخل

نہیں ہوتا۔ تو اس کی حیثیت یہ ہوئی کہ حصہ دار نے خود اپنی رضا سے اپنے آپ کو اس امر کا پابند کر لیا ہے کہ وہ بیعِ حصص کے ذریعہ ہی اپنے حصص واپس لے گا، براہِ راست کمپنی سے حاصل نہ کرے گا۔ اور ہر عاقل، بالغ کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ اپنے آپ کو کسی شرط کا پابند کر سکے۔ ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں اس کی مزید وضاحت کریں گے۔

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہو کر سامنے آ گیا کہ کمپنی کے سرمایہ حصص کے مالک حصہ دار اور شرکا رہوتے ہیں اور کمپنی ان کی طرف سے وکیلِ عام، اور ہدایت کاروں کی انجمن اسی کمپنی کی نائب و قائم مقام۔ فالحمد للہ الملک العلام۔

کمپنی کی شرعی حیثیت پر فقہی مسائل کی روشنی میں جو کچھ شبہات پیش کئے جا سکتے ہیں ان کا تفصیلی جواب دیا گیا، مختصر لفظوں میں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو وکیل بنانے کے لئے عاقل ہونے کی شرط لازمی ہے اور کمپنی عاقل نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے کار پرداز جو در حقیقت تمام امور کی انجام دہی کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ عقل و تجربہ میں اس مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کی کارکردگی کی صحت میں کوئی شبہہ نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ وراثت سے یہ شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ کمپنی کے حصہ دار جب فوت کر جائیں تو ان کے حصے میں کمپنی کے کارکنوں کا تصرف کیسے جائز ہو سکتا ہے جب کہ میت کے ترکے میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

اس شبہہ کا جواب نہایت واضح ہے، کیونکہ شریعت نے یہ اصل

تسلیم کرلی ہے کہ دوسرے کے مال میں تصرف اگر افادے کے لئے ہو تو وہ جائز ہے۔ ٹھیک اسی طرح سے کمپنی اگر حصہ دار کے فوت ہونے کے بعد تصرف کرتی ہے تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا۔

اس طرح کے شبہات بادی النظر میں وقیع نظر آتے ہیں، لیکن جب کمپنی کی حقیقت اور اصول وضوابط کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جاتا ہے تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ شریعت اسلامی اس قسم کے معاملات کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرتی۔

فائدہ کمپنی کی شرعی حیثیت متعین ہوجانے کے بعد یہ حقیقت بھی اچھی طرح منکشف ہوگئی کہ کمپنی کا اپنے حصہ داروں سے جدا، ایک مستقل وجود ہے جیسے وکیل کا مؤکل سے جدا مستقل وجود ہوتا ہے۔ ورنہ ایک ہی شئ کا، ایک ہی جہت سے اور ایک ہی وقت میں وکیل ہونے کے ساتھ مؤکل، یا مؤکل ہونے کے ساتھ وکیل بھی ہونا لازم آئے گا جو باطل ہے۔

کمپنی کا آئین بھی اس کے جداگانہ وجود کا قائل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے تسلسلِ حیات کا نظریہ پیش کرتا ہے جیسا کہ کمپنی کی خصوصیات کے مطالعہ سے یہ امر درخشاں ہے۔

لیکن اس کے برخلاف ہمارے بعض اَجلہ اساتذہ کمپنی کا جداگانہ وجود نہیں مانتے، وہ فرماتے ہیں کہ کمپنی افراد کی تنظیم کو کہتے ہیں جیسا کہ اس کے معنیٔ لغوی سے عیاں ہے اور لارڈ جسٹس لنڈلے

(LORD JUSTICE LINDLEV) نے بھی کمپنی کی یہی تعریف کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"کمپنی سے مراد بہت سے افراد کی ایک انجمن ہے جو ایک ملے جلے سرمایہ میں عام مقصد کی غرض سے روپیہ لگاتے ہیں۔" (۱)

یہی خیال پروفیسر ہیلیس (PROE, HEELIS) کا بھی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"مشترکہ سرمایہ کمپنی ایسے افراد کی جماعت ہے جو کسی کاروبار، یا تجارت، یا مہم کے لئے قائم کی جاتی ہے۔" (۲)

کمپنی کی اس تشریح کے مطابق شیر داروں کا وکیل کوئی کاروباری ادارہ نہیں، بلکہ صرف "ہدایت کار بورڈ" ان کا وکیل ہے۔

ہم نے اپنی آئندہ ابحاث میں اس نقطۂ نظر کو بھی سامنے رکھا ہے اور کوشش یہ کی ہے کہ کمپنی کو کاروباری ادارہ مانا جائے، یا افراد کی تنظیم بہرحال حکم شرعی ایک رہے، اور نقطۂ نظر کے بدلنے سے کوئی تفاوت نہ ہونے پائے۔

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۴۵ - جلد ۱

(۲) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۴۴، جلد ۱

دوسرا باب

حیض کے اقسام و احکام

حصص کی حقیقت

کمپنی کے حصص ثمن ہیں، یا سامان، یا کچھ اور؟ یہ مختلف حقائق ہیں جن کے احکام جداگانہ ہیں۔ اور ان پر مرتب ہونے والے اثرات بھی مختلف ہیں لہذا حصص کی حقیقت کا تعین اشد ضروری ہے۔

کمپنی کے نظام کار کے مطالعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے حصص تین طرح کے ہیں۔

(۱) ثمن (۲) متاع (۳) نہ ثمن، نہ متاع۔

جو چیز نہ ثمن ہے، نہ متاع، وہ حقیقۃً کوئی مال نہیں، بلکہ محض ایک فرضی سرمایہ ہے۔ کمپنی کے منظور شدہ اور جاری شدہ حصص اسی نوع سے ہیں ـــــــ متاع سے مراد سامان ہے، جس کی عام طور سے خرید فروخت ہوتی ہے جیسے کتاب، قلم، کپڑا، غلہ، مشین، جانور وغیرہ۔ اور ثمن سے مراد روپے، پیسے، نوٹ ہیں۔ چاندی، سونا اور ان کے سکّے "ثمن خلقی" ہیں اور ان کے علاوہ دوسری دھاتوں کے سکّے اور کاغذ کے نوٹ ثمن اصطلاحی ہیں۔

کمپنی کے حصہ داروں کے حصص ثمن اور سامان دونوں ہوتے ہیں، کبھی ثمن کو سامان میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، پھر کبھی اسی سامان کو ثمن میں

تبدیل کردیا جاتا ہے اس کی قدرے تشریح یہ ہے :

حصص حاصل کرنے کے چار طریقے ہیں :

(۱) اِجرائے حصص کے وقت براہ راست کمپنی سے حصص خرید لئے جاتے ہیں۔

(۲) جن لوگوں کے لئے کمپنی سے حصص نامزد ہو چکے ہیں ان سے خریدے جاتے ہیں۔

(۳) کمپنی کے کسی حصہ دار کے مجنون ہونے، یا اس کی موت واقع ہونے پر اس کے اَولیاء، یا وَرَثہ کے نام انتقالِ حصص ہوتا ہے۔

(۴) قابلِ تبدیل قرض تمسکات کو اجراء کی شرائط کے مطابق حصص میں تبدیل کرادیا جاتا ہے۔

پہلا اور دوسرا طریقہ "حصص کی خریداری" کا ہے، تیسرا طریقہ "حصص کے انتقال" اور چوتھا طریقہ "قرض تمسکات کے حصص میں تبدیل" کا ہے۔

یہ تعبیرات علمائے معاشیات کی ہیں۔ ان میں اخیر کی تینوں تعبیرات اپنی حقیقت کے عین مطابق ہیں، لیکن پہلی تعبیر خالص مجازی ہے۔

کمپنی سے حصص کی خریداری کا مطلب

کمپنی کے جاری شدہ حصص فی الواقع کوئی مال نہیں بلکہ وہ منظور شدہ سرمایہ کے غیر منقسم، چھوٹے چھوٹے، فرضی اجزاء ہیں۔ یہی مطلب ہے اِن عبارات کا۔

● "حصہ" (SHARE) سے مراد کمپنی کے مجموعی سرمایہ کا ایک چھوٹے سے چھوٹا حصہ ہوتا ہے۔" (۱)

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۸۶ جلد ۱

● "حصہ (SHARE) کسی کمپنی کے سرمایہ کی وہ چھوٹی سی چھوٹی اکائی ہے جس کے ٹکڑے نہیں کیئے جا سکتے۔" (۱)

مزید وضاحت کے لئے میں یہاں دو عبارتیں پیش کرتا ہوں:

● "کمپنی جس قدر سرمایہ جمع کرنے کی مجاز ہوتی ہے اسے "منظور شدہ سرمایہ" کہا جاتا ہے۔ یہ کمپنی کا رجسٹرڈ سرمایہ بھی ہوتا ہے جس سے زیادہ رقم کے حصے کمپنی کبھی بھی اپنی زندگی میں جاری نہیں کر سکتی۔ کمپنیاں اس سرمایہ کو بڑے سوچ سمجھ کر مقرر کرتی ہیں کیونکہ اس میں تبدیلی بہت ہی مشکل سے ہوتی ہے۔ عام طور پر کمپنیاں شروع میں تمام سرمایہ جاری نہیں کرتیں" (۲)

اس عبارت سے بہت کھل کر یہ بات سامنے آگئی کہ "منظور شدہ سرمایہ" روپیہ، پیسہ، نوٹ یا کوئی سامان و متاع نہیں ہے جس کا خارج میں کوئی وجود ہو، یا جس کی کوئی حقیقت ہو۔ بلکہ یہ فرضی سرمایہ کی ایک خاص مقدار ہے۔ جس کے جمع کرنے کی کمپنی کو اجازت ہوتی ہے۔ اسی منظور شدہ سرمائے کو کمپنی چھوٹے چھوٹے ہزاروں حصوں میں بانٹ دیتی ہے تاکہ غریب سے غریب آدمی بھی اتنے حصے کی رقم جمع کر کے کمپنی میں شریک ہو سکے۔

پھر یہ تمام حصص کمپنی یکبارگی جاری نہیں کرتی، بلکہ اپنی ضرورت کے

---

(۱) جدید طریقہ تجارت ص ۱۹۷ جلد ۱۔

(۲) جدید طریقہ تجارت ص ۱۸۴ جلد ۱۔

مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی مدتِ حیات تک جاری کرتی رہتی ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت سے عیاں ہے۔

- " منظور شدہ، یا رجسٹرڈ سرمایہ کا وہ حصہ جسے فروخت کرنے کی غرض سے کمپنی عوام کو پیشکش کرتی ہے " جاری شدہ سرمایہ " کہلاتا ہے۔ مثلاً کشمیر سلک کمپنی سری نگر دس روپے والے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) حصے جاری کرنے کے لئے رجسٹرڈ ہوئی، تو اس کا رجسٹرڈ سرمایہ تین لاکھ روپے (۳۰۰۰۰۰) ہوا۔ اس میں سے کمپنی نے تین ہزار (۳۰۰۰) حصص جاری کئے تو کمپنی کا جاری شدہ سرمایہ تیس ہزار (۱۰×۳۰۰۰=۳۰۰۰۰) روپے ہوا۔

رجسٹرڈ سرمایہ کا وہ حصہ جسے کمپنی جاری نہیں کرتی " غیر جاری شدہ سرمایہ " کہلاتا ہے۔ درج بالا مثال میں غیر جاری شدہ سرمایہ (۲۷۰۰۰۰) دو لاکھ ستر ہزار روپے ہے " (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ " جاری شدہ سرمایہ " منظور شدہ سرمایہ کا ہی حصہ ہوتا ہے تو منظور شدہ سرمائے کی طرح سے جاری شدہ سرمایہ بھی محض ایک فرضی سرمایہ ہے نہ کہ حقیقی سرمایہ، یا مال و متاع۔

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ کمپنی اپنی مدت حیات میں جب جب سرمایۂ حصص جاری کرے گی وہ یہی غیر واقعی و فرضی سرمایہ ہوگا۔ روپیہ، یا نوٹ

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۸۴ جلد ۱۔

یا متاع نہ ہوگا۔ کیونکہ کمپنی جو بھی سرمایۂ حصص جاری کرے گی وہ اُسی منظور شدہ سرمائے کا ایک ٹکڑا ہوگا۔ ؎

جب یہ معلوم ہوگیا کہ کمپنی کا جاری شدہ سرمایۂ حصص کوئی مال نہیں، بلکہ وہ ایک فرضی اور معدوم شئی ہے تو پھر اس کی خرید و فروخت کا کیا مطلب ؟

شرعی نقطۂ نگاہ سے خرید و فروخت کے لئے ایسے مال کا وجود ضروری ہے جس کی شرعًا کچھ نہ کچھ قیمت ہو ۔ اور یہ حصہ نہ مال ہے ، نہ اس کی کچھ قیمت ، نہ موجود، بلکہ معدومِ محض ہے، اس لئے اگر علمائے معاشیات کی تعبیر کے مطابق اسے خرید و فروخت تسلیم کیا جائے تو یہ باطل محض ہوگی جو سرتاسر حرام و گناہ ہے۔

لیکن ہمیں صرف علمائے معاشیات کی تعبیر کو سامنے رکھ کر اس کی بنیاد پر کوئی شرعی فیصلہ صادر کردینا درست نہیں، کیونکہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ان کی اصطلاح ، شریعت کی اصطلاح کے مطابق ہو۔ تو ہوسکتا ہے کہ شریعت میں خرید و فروخت کا جو مفہوم متعین ہے عین وہی مفہوم ان کی اصطلاح میں متعین نہ ہو۔

علاوہ ازیں تمام اہل علم کے درمیان مجاز کا استعمال شائع ذائع

؎ یہ تعریف و توجیہ ہے کمپنی کے "جاری شدہ حصص" کی ۔ رہ گئے شرکا کے حصص تو وہ فرضی نہیں، بلکہ حقیقی سرمایہ ہیں جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آرہی ہے ۱۲ ن

ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ حصص کے حصول کو مجازاً کسی ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے خرید و فروخت کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہوں اور حقیقت ان کے نزدیک بھی اس کے برعکس ہو۔

اور جیسا کہ ہم اِن شاءاللہ العزیز "حصص کے احکام" میں بیان کریں گے کمپنی سے حصص کی خریداری "عقدِ شرکت"[۱۱۵] ہے۔ یا "عقدِ قرض"[۱۱۶] یہ چونکہ حصہ داروں کی طرف سے سرمایہ کی ادائیگی اَسنادِ حصص (شیئر سرٹیفکٹ) کے ذریعہ ہوتی ہے جو بظاہر اَسنادِ حصص سے سرمایہ کا تبادلہ معلوم ہوتا ہے اس لئے مجازاً اسے "حصص کی خریداری" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اِزالۂ شبہہ

ممکن ہے یہاں یہ شبہہ کیا جائے کہ حصہ دار اپنے سرمایہ کے ذریعہ "اَسنادِ حصص" ہی خریدتا ہے۔ یعنی اَسناد "مبیع" ہوتے ہیں۔ اور سرمایہ "ثمن" اس طرح حصص کی خریداری کا لفظ اپنی حقیقت پر محمول ہوگا۔

لیکن یہ شبہہ اس لئے ساقط الاعتبار ہے کہ اَسنادِ حصص مبیع ہوں تو حصہ دار انھیں "اَسناد" کا مالک ہوگا۔ اور سرمایہ نیز اس کے منافع کی مالک صرف کمپنی ہوگی۔ اور کمپنی کے ختم ہونے کے بعد بھی وہ کمپنی سے اپنا جمع کردہ سرمایہ واپس لینے کا حقدار نہ ہوگا کیونکہ سرمایہ ثمن ہے اور ثمن کا مالک بائع ہوتا ہے چونکہ بائع یہاں کمپنی ہے لہذا وہی اس ثمن یا سرمائے کی مالک ہوگی۔ اگر ثمن کو بھی حصہ دار کی ہی ملک قرار دیا جائے

تو بیع کے دونوں عوض مبیع و ثمن کا ملکِ واحد میں ہونا لازم آئے گا جو شرعاً باطل ہے اور اس کی شریعت میں کوئی نظیر بھی نہیں ۔

تو اسنادِ حصص کو مبیع ماننے کی صورت میں حصہ دار نہ تو اپنے جمع کردہ سرمائے کا مالک ہوگا، نہ اس کے منافع کا حقدار ۔ حالانکہ کمپنی کے آئین میں نمایاں الفاظ میں یہ صراحت ہے کہ حصہ دار اپنے ذریعہ جمع شدہ سرمائے کا مالک ہوتا ہے، اس سے کمائے ہوئے منافع کا حقدار ہوتا ہے، اور کمپنی کے خاتمہ کے وقت اسے اس کا سرمایہ بھی واپس مل جاتا ہے تو یہ معاملہ اسنادِ حصص کی خرید و فروخت کا نہ ہوا ۔

واقعہ یہ ہے کہ اسنادِ حصص شیر دار کو اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ اس کے پاس یہ ثبوت رہے کہ اس نے اسناد پر مرقوم روپے کی مقدار میں حصص حاصل کئے ہیں اور یہی لفظ "اسناد" یا "سرٹیفکٹ" کا حقیقی مفہوم بھی ہے ۔ اور یہی کمپنی کے آئین میں بھی درج ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت اس کی شاہد ہے ۔

> "جب ایک حصہ دار کا نام ممبروں کے رجسٹر میں درج کر لیا جاتا ہے تو اس کو حصہ خریدنے کا ایک سرٹیفکٹ (سند) دیا جاتا ہے، جس کو حصے کا سرٹیفکٹ (اسنادِ حصص) کہتے ہیں، یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس حصہ دار نے لکھی ہوئی تعداد میں حصے خریدے اس میں خریدے ہوئے حصوں کے نمبر بھی درج ہوتے ہیں" (۱)

---

(۱) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۸۹ جلد اسہ ہدایہ ص ۱۵ جلد ۳ بحث خیار شرط

خلاصۂ بحث یہ کہ براہ راست کمپنی سے اس کے جاری کردہ حصص کمپنی کے آغازِ کار میں حاصل کیے جائیں یا اس کے بعد اس کی مدتِ حیات میں کسی بھی وقت لیے جائیں بہر حال وہ شرعاً وقانوناً کسی بھی طرح خرید و فروخت نہیں کہ یہ حصے نہ متاع ہیں، نہ ثمن۔ بلکہ یہ تو مفروضہ سرمائے کے ناقابلِ تقسیم ٹکڑے ہیں۔ اور ایک ادنیٰ سی مناسبت کی وجہ سے اربابِ معاشیات اس پر اپنی اصطلاح میں خرید و فروخت کا اطلاق کرتے ہیں۔

شیئر داروں سے حصص کی خریداری کا مطلب شیئر داروں کے حصص سے مراد کمپنی میں جمع شدہ سرمایہ ہے جو واقعی مال و متاع ہے۔ اس لئے یہاں خریداری کا مطلب واقعی خریداری ہے۔ اس کی مزید وضاحت درج ذیل اقتباس سے ہوگی۔ جدید طریقۂ تجارت میں ہے۔

"کمپنی کے حصص بآسانی منتقل ہو سکتے ہیں، اس کے لئے حصہ دار کو "منتقلی معاہدہ" یا "حصص منتقلی فارم" بھرنا پڑتا ہے جس میں حصص کی تفصیل، تعداد، رقم، حصہ منتقل کرنے والے، اور جس کے نام یہ منتقل ہوں گے ان کے نام اور پتے وغیرہ بھی بھرے جاتے ہیں، اس کے بعد کسی دلال کے ذریعہ ضروری منتقلی، اور ٹکٹ فیس کے ساتھ منتقلی معاہدہ اور حصص کے سرٹیفکٹ دونوں ہی کمپنی کے دفتر میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ کمپنی خریدار اور بیچنے والے دونوں سے ہی اس

سودے کے متعلق جانچ پڑتال کرتی ہے۔ اور اپنے آپ کو مطمئن ہونے کے لئے حسب ذیل باتوں پر غور کرتی ہے۔

(۱) منتقلی کے لئے مناسب فارم استعمال کیا گیا ہے، یا نہیں۔؟

(۲) دونوں فریقوں کے دستخط موجود ہیں، یا نہیں۔؟

(۳) منتقلی کے سلسلے میں جو رقم درج ہے وہ مناسب ہے یا نہیں۔؟

(۴) حصص منتقل کرنے والے شخص نے تمام معلومات فراہم کردی ہیں۔

(۵) حصص کی تعداد اور نمبر صحیح درج ہیں۔

ان تمام نکات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد کمپنی منتقلی کو حصص منتقلی رجسٹر، میں درج کرلیتی ہے اور نئے خریدار کا نام حصص کے سرٹیفکٹ میں درج کردیا جاتا ہے۔" (۱)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی شیئر دار کا جو سرمایہ کمپنی میں جمع ہے اسی کا معاوضہ لے کر اسے دوسرے کے نام ٹرانسفر کردینے کا نام "حصص منتقلی معاہدہ" ہے۔ لہٰذا یہاں حِصّہ سے مراد حقیقی سرمایہ ہے۔ اب یہ سرمایہ ثمن ہے یا سامان۔ اس میں تفصیل ہے۔ جو روپے کمپنی میں جمع کئے گئے ہیں اگر وہ روپے کی شکل میں موجود ہوں خواہ بعینہٖ موجود ہوں، یا ان سے خریدا ہوا مال بیچ کر نقد تیار کرلیا گیا ہو تو یہ سرمایہ ثمن ہے۔ اور اگر ان سے خریدا ہوا مالِ تجارت موجود ہو تو یہ سرمایہ متاع ہے

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۹۹، ۲۰۰ جلد ا۔

جسے سامان بھی کہا جاتا ہے۔

دوسری بات درج بالا اقتباس سے یہ معلوم ہوئی کہ حصص منتقلی کے لئے خرید وفروخت کا لفظ یہاں اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال ہوا ہے کیونکہ یہاں حصہ حقیقی مال سے عبارت ہے تو یہ مال سے مال کا تبادلہ ہوا اس لئے بیع وشرا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ یہ بیع وشرا جائز ہے یا نہیں تو جیسا کہ ہم إن شاء اللہ تعالیٰ عنقریب واضح کریں گے یہ بیع جائز و درست ہے۔

اِنتقال حصص کا مطلب

کمپنی کے حصص حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ انتقالِ حصص ہے۔ جب کوئی حصہ دار مر جائے، یا پاگل ہو جائے تو اس کے حصص اس کے وارثین یا اولیاء کے نام ضروری کارروائی کے بعد بلا معاوضہ منتقل کر دیئے جاتے ہیں اسی کا نام "اِنتقالِ حصص" ہے۔ جدید طریقۂ تجارت میں اس کا تعارف یوں ہے:

"حصص کے انتقال سے مراد حصص کی جائداد کی منتقلی بذریعہ قانون سے ہے جس میں حصص بعوض قیمت خرید دیئے جاتے ہیں، دوسرے الفاظ میں حصص کے انتقال کا مطلب یہ ہے کہ حصص کی ملکیت قانونی نمائندوں ـــــ مثلاً ورثہ، وصی (جس کے سپرد وصیت نامے کی تعمیل ہو) ـــ اور دیگر قانونی جانشینوں کے ہاتھوں اصل مالک کی موت واقع ہونے، پاگل ہونے، یا دیوالیہ ہونے پر منتقل کر دی جائے

وفات یافتہ حصہ دار کے حصص کو اپنے نام کرانے کے لئے ان قانونی نمائندوں کو کمپنی کے سکریٹری کے نام درخواست بھیجنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ اپنے حق کا ثبوت بھی بھیجنا پڑتا ہے۔ پھر ایک قرارداد کے ذریعہ حصص کا انتقال کر دیا جاتا ہے۔" (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہاں حِصّہ کا لفظ حقیقی سرمایہ وجائداد کے معنی میں ہے کہ اسی میں وراثت جاری ہوتی ہے اور وہی قابلِ انتقال ہے ——— ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ "انتقالِ حصص" کا لفظ یہاں اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے کہ واقعی یہاں ایک شخص کا حصہ دوسرے کے نام منتقل ہوتا ہے۔

حصص کے "انتقال" اور "منتقلی" میں نمایاں فرق یہ ہے کہ "منتقلی" عوض کے مقابل حصص کے تبادلے کا نام ہے جو خرید و فروخت کا ہم معنی ہے، لیکن انتقالِ حصص میں کسی عوض سے حصص کا تبادلہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ مورث یا مجنون کی جگہ بلا معاوضہ اس کے وارث یا ولیٔ مال کی نامزدگی کا نام ہے۔ مختصر یہ کہ منتقلی کا مفہوم خرید و فروخت ہے اور انتقال کا مطلب "وراثت" اور "ولایتِ مال" ہے۔

قرض تمسکات کی حصص میں تبدیلی کا مطالبہ

قرض تمسکات یہ کمپنی کو دیئے ہوئے قرضے کی تحریری رسید ہوتے ہیں یہ تمسکات سودی، غیر سودی دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۹۹، ۲۰۰ جلد ۱۔

اور انھیں حصص میں بدلنا بھی ممکن ہوتا ہے البتہ قرض کو حصص میں بدلنے کے لئے ایک خاص میعاد مقرر ہوتی ہے اس میعاد پر قرض کو اجزار کی شرائط کے مطابق تبدیل کرکے ، حصہ ، اور قرض خواہوں کو کمپنی کا ، حصہ دار ، بنا دیا جاتا ہے ۔

یہاں پر تبدیل کا لفظ بھی اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے کہ یہ واقعی ایک حقیقت کو دوسری حقیقت میں بدلنا ہے اور بہر حال اس معاہدے کا تعلق حقیقی سرمائے سے ہے خواہ وہ ثمن ہو یا متاع ۔

الحاصل کمپنی کی اصطلاح میں حصہ کا لفظ دو معنوں میں بولا جاتا ہے ۔ فرضی سرمایہ ، اور حقیقی سرمایہ ۔ جہاں کہیں حصص کا حصول کمپنی سے ہو ، بلفظ دیگر اس کے جاری کردہ حصص لئے جائیں وہاں حصہ سے مراد فرضی سرمایہ ہوتا ہے ۔

اور جہاں کہیں کمپنی کے حصہ داروں سے حصص کا حصول ہو یا انتقال یا تبدیل کے ذریعہ حصص حاصل کئے جائیں تو وہاں حصہ سے مراد حقیقی سرمایہ ہوگا ۔ اب یہ سرمایہ روپے کی شکل میں موجود ہو تو ثمن ہے اور مالِ تجارت کی شکل میں موجود ہو تو متاع ۔ اس زمانے میں روپیہ چونکہ کاغذ کا نوٹ ہوتا ہے اس لئے یہاں ثمن سے مراد ثمنِ اصطلاحی ہے ۔

کمپنی لا کی ضروری اصطلاحات اور اس کے حصص کی تشریح کے بعد اب ہم اصل مقصد پر گفتگو شروع کرتے ہیں ۔

غوثِ اعظم بمنِ بے سروساماں مددے ؛ قبلۂ دیں مددے ، کعبۂ ایماں مددے

حِصص کے اَقسام

DIFFERENT CLASSES OF SHARES

سرمایہ حصص خواہ فرضی ہوں، یا حقیقی، نفع کے تعین کے لحاظ سے دو طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱) ترجیحی حصص (PRE-FERENCE-SHARES) (۲) مساواتی حصص (EQUITY-SHARES)

ترجیحی حصص میں سرمایہ کار کے لئے اس کے جمع کردہ روپے پر فیصد کے حساب سے نفع مقرر ہوتا ہے، اسے خسارہ سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ اور مساواتی حصص میں تجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والے منافع میں ایک طے شدہ فیصد کے لحاظ سے تمام سرمایہ کاروں کی شرکت ہوتی ہے، ساتھ ہی وہ خسارہ میں بھی ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ اور بہرحال یہ دونوں ہی طرح کے حصے اُن چار طریقوں کے مطابق حاصل کئے جاتے ہیں جن کی تشریح پچھلے صفحات میں گزر چکی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

- ان حصص کی حقیقتِ شرعیہ کیا ہے؟
- اور اسلام ان کے بارے میں فیصلہ کیا صادر کرتا ہے؟

فأقول، وباللہ التوفیق:

ترجیحی حصص PRE FERENCE SHARES

ترجیحی حصص کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے اس کو جاننے کے لئے سب سے پہلے اس کی حقیقت شرعیہ کو سمجھنا ہوگا۔

حقیقتِ شرعیہ گزشتہ صفحات میں حصولِ حصص کے جو چار طریقے بتائے گئے ہیں ان کے ذریعہ ترجیحی حصص کا حصول یا تو شرکت ہے، یا مُضاربت، یا قرض۔ یہ تین احتمال ہیں۔ پہلے دونوں احتمال باطل ہیں، اور تیسرا ثابت و متحقق۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

کمپنی اپنے معاہدے کے مطابق ترجیحی حصص کے شیئر داروں کو نفع میں ترجیح دیتی ہے یعنی کمپنی کا کاروبار نفع میں ہو، یا نقصان میں انھیں بہرحال نفع ملتا رہتا ہے تو مساوا تی حصہ والوں کے بالمقابل انھیں نفع میں ترجیح دیا جاتا ہے اس لئے ان حصص کو ترجیحی حصص کہتے ہیں۔ نفع کی شرح ان حصص میں بھی فیصد کے لحاظ سے ہی مقرر کی جاتی ہے مثلاً ۵ فیصد، ۱۰ فیصد۔ مگر اس فیصد کا تعین تجارت کے نفع کو سامنے رکھ کر نہیں کیا جاتا، بلکہ حصہ داروں کے ذریعہ جمع شدہ روپیوں کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے اس لئے یہاں ۵ فیصد کا مطلب مثلاً سو روپے میں ۵ روپے ہے یعنی اگر کسی شخص نے پانچ سو روپے کے ترجیحی حصص ۵ فیصد نفع کے حساب سے لئے تو اس کا نفع آج ہی سے ۲۵ روپے معلوم و متعین ہے اب کمپنی کو اپنی تجارت میں نفع ہو یا

نقصان، اسے یہ ۲۵ روپے بطور نفع برابر ملتے رہیں گے۔ یہی مطلب ہے جدید طریقہ تجارت کی اس عبارت کا:

"حصص کی ایک قسم جن کو ترجیحی حصص کہتے ہیں ان میں مقررہ شرح سے حصہ داران کو منافع تقسیم کیا جاتا ہے، چاہے کمپنی کو اس سال نافع ہوا ہو، یا نہیں۔" (۱)

چونکہ ان حصہ داروں کو بہر حال اپنے جمع کردہ روپے پر نفع ملتا ہے اس لئے یہاں مقررہ شرح سے مراد یہ ہے کہ اتنے روپے پر اتنے روپے نفع ملیں گے۔

تو اس معاہدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ترجیحی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری عقد شرکت نہیں کیونکہ عقد شرکت کی ایک بنیادی اور لازمی شرط یہ ہے کہ شرکا، نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوں اور نقصان میں شرکت مال کے حساب سے ہو۔

اگر کوئی شخص صرف نفع میں شریک ہو، یا اس کے لئے نفع کی ایک متعین مقدار، مثلاً سو روپے ماہانہ، یا سالانہ مقرر ہو تو یہ فی الواقع شرکت نہ ہو گی اور عقدِ شرکت باطل و کالعدم ہو گا۔ کیونکہ یہ بات بڑی غیر منصفانہ ہے کہ تجارت میں نفع ہو تو ایک شخص نفع میں شریک ہو جائے لیکن خسارہ ہو تو اسے اس سے کوئی سروکار نہ رہے۔ اور اس سے بھی زیادہ غیر منصفانہ شرط یہ ہے کہ تجارت میں نفع ہو، یا نقصان، ایک شخص بہرحال نفع کی ایک معین مقدار کا حقدار بنا رہے، یعنی کچھ شرکا، اصل مال میں خسارہ برداشت کریں اور

---

(۱) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۲۶۴ جلد ۱۔

کچھ اصل مال میں بغیر کسی خسارہ کے نفع سے بھی بہرہ یاب ہوں۔ ترجیحی حصص کا حال کچھ اسی طرح کا ہے۔ کہ ے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو کہ درمیاں رہے

ذرا سوچئے کہ ان حصص پر ایک طے شدہ در مثلاً پانچ روپے فیصد سے ترجیحی حصص والے دس ہزار روپے پر پانچ سو روپے کا نفع لازم ہو گیا۔

• ہو سکتا ہے کہ پوری تجارت میں کل اتنا ہی نفع حاصل ہوا ہو تو یہ سارا نفع صرف ایک شخص کے دستِ تصرف کی نذر ہو گیا، اور دوسرے حصہ دار کلی طور پر محروم ہوں گے۔

• یا ہو سکتا ہے کہ نفع اس سے بھی کم ہو۔
• بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سرے سے کچھ نفع ہی نہ ہوا ہو۔
• یا نفع نہ ہونے کے ساتھ راس المال سے بھی کچھ چلا گیا ہو۔

ان سب صورتوں میں شرکا، کو اپنے اصل مال سے اپنے ہی شریک کا کچھ مہربانوں کے لیے طے شدہ نفع کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اس طرح ایک طرف تو صرف نفع ہی نفع ہوگا اور دوسری طرف خسارہ بالائے خسارہ۔ تو یہ شرکت کیونکر ہوگی۔ شریعتِ طاہرہ ایسے غیر منصفانہ فعل کو کبھی جائز نہیں قرار دے سکتی۔ یہ تو اس کی روح کے قطعی خلاف ہے۔ چنانچہ قانونِ اسلامی کی اہم ترین کتاب الدُّرُّ المختار میں ہے:

وشرطها أي شرط الشركة — شرکتِ عقد کی شرط یہ ہے کہ کوئی منافی شرکت

الْعَقْدِ عَدَمُ ما يَقْطَعُهَا كَشَرْطِ دَرَاهِمَ مُسَمَّاةٍ مِنَ الرِّبْحِ لِأَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ قَدْ لَا يَرْبَحُ غَيْرَ الْمُسَمّٰى، وحُكْمُهَا الشَّرِكَةُ فِي الرِّبْحِ۔ اھ

اور معاہدے میں نہ پایا جائے، جیسے کسی شریک کے لئے مقررہ دراہم کی شرط۔ یہ منافیٔ شرکت ہے کیونکہ ہو سکتا ہے مقررہ دراہم کے علاوہ کچھ اور نفع نہ حاصل ہوا ہو تو سب نفع ایک شخص لے لے گا، حالانکہ شرکت کا حکم یہ ہے کہ تمام شرکاء نفع میں شریک ہوں۔

درمختار کی شرح ردالمحتار میں ہے:

ثم يقول: فما كان من ربح فهو بينهما على قدر رؤس أموالهما، وما كان من وضيعة أو تبعة فكذلك۔

ولا خلاف أن اشتراط الوضيعة بخلاف قدر رأس المال باطل، واشتراط الربح متفاوتا عندنا صحيح اھ[1]

شریکین باہم یوں معاہدہ کریں کہ جو کچھ نفع ہوگا وہ دونوں کے درمیان ان کے مال کے حساب سے تقسیم ہوگا، اور جو کچھ نقصان یا خسارہ ہوگا وہ بھی اسی حساب سے دونوں پر عائد ہوگا۔

اور اگر نقصان میں شرکت کی شرط مال کے حساب سے نہ ہو تو یہ بالاتفاق باطل ہے۔ ہاں نفع میں اس حساب سے کم و بیش کی شرط ہمارے نزدیک صحیح ہے۔

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ ترجیحی حصص کے ذریعہ کمپنی میں سرمایہ کاری

---

(۱) الدرالمختار، ردالمحتار، ص ۳۰۴،۳۰۳ مطلب فی شرکۃ العقد، ماجدیۃ۔

۔ عقدِ شرکت ، نہیں ، یہ کچھ اور ہے ۔

ممکن ہے اس پر مُضارَبت کا شبہ کیا جائے کیونکہ مضاربت میں ایک فریق نقصان میں بالکل شریک نہیں ہوتا ، اور ایک فریق صرف مال دیتا ہے کوئی کام نہیں کرتا ۔ یہ کاروبار بھی کچھ اسی انداز کا ہے ۔

لیکن بڑی بھول ہوگی اگر اسے مضاربت قرار دیدیا جائے کیونکہ اس صورت میں کمپنی مُضاربؔ ہوگی ، اور ترجیحی حصہ دار ربُّ المال ۔ مضارب صرف نفع میں شریک ہوتا ہے اور رب المال نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے تو پھر نقصان کی ساری ذمہ داری ربُّ المال یعنی ترجیحی حصہ دار کے سر عائد ہونی چاہئے جبکہ یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کہ نقصان کی مکمل ذمہ داری کمپنی پر عائد کی جاتی ہے اور ربّ المال کو اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی ۔

پھر شرکت کی طرح مُضاربت میں بھی فریقین کے نفع کا تعین فیصد کے لحاظ سے ہوتا ہے جبکہ یہاں نفع روپیوں کی مقدار سے متعین ہوتا ہے یعنی اتنے روپے میں اتنے روپے ۔ جیسا کہ گزرا ۔

علاوہ ازیں مُضارَبت میں اگر نفع نہ حاصل ہو ، یا خسارہ ہو جائے تو کسی کو کچھ نہیں ملتا ، اور ترجیحی حصہ دار بہرحال نفع کا حقدار ہوتا ہے ! اس لئے یہ کاروبار قطعی عقد مُضارَبت بھی نہیں ——— پھر کیا ہے ؟

اب اس کی تنقیح کچھ مشکل نہ رہی ۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب ترجیحی حصہ دار بہرحال اپنے پورے راس المال کا حقدار ہوتا ہے اور تجارت میں خسارہ کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا ، نیز اس کی

؎ تاجر ۔ کاروبار کرنے والی ۔ ؎ صاحبِ مال ۔

طرف سے اس کے مال میں کمپنی کو تصرف کی اجازت ہوتی ہے تو شرعی نقطۂ نظر سے یہ معاملہ خالص "عقدِ قرض" ہے کہ یہی عقد قرض کے خصائص ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص درہم، دینار، یا روپے پیسے کسی کو اسی طور پر عاریت کہہ کر دے تو بھی وہ عقدِ قرض ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہدایہ، کتابُ العاریۃ میں ہے:

وعاریۃُ الدّراھم والدنانیر والمکیل، والموزون، والمعدُود قرضٌ، لِانَّ الإعارۃ تملیك المنافع، ولا یمکن الانتفاع بھا إلّا باستھلاك عینھا، فاقتضی تملیك العین ضرورۃ، و ذٰلك بالھبۃ أو القرض۔ و القرضُ أدناھما فیثبُتُ - اھ (۱)

روپے، اور اشرفی، یا کیلی، اور وزنی، اور عددی چیزوں کو عاریت پر دینا قرض ہے کیونکہ عاریت میں منافع کا مالک بنایا جاتا ہے، اور ان چیزوں کو خرچ کئے بغیر ان سے منافع حاصل کرنا ممکن نہیں، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ عاریت لینے والا عین مالِ قرض کا مالک ہو، نہ کہ صرف اس کے منافع کا۔ لہٰذا ضرورۃً یہاں عاریت کو تملیک قرار دیا گیا، اور تملیک کی یہاں دو ہی صورت ہے ہبہ، یا قرض۔ اور قرض ملک کی ادنیٰ صورت ہے لہٰذا قرض ہی متعین ہو گیا۔

تو ثابت ہو گیا کہ ترجیحی حصص کا یہ معاملہ نہ شرکت ہے، نہ مضاربت[عہ]، بلکہ

---

(۱) ھدایہ، کتاب العاریۃ ص ۲۶۵ ج ۳ - رشیدیہ۔

عہ یہاں یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ یہ معاملہ "مضاربت" نہیں تو "اجارہ" ہوگا۔ کہ مضاربت فاسد ہونے کی صورت میں اجارہ بن جاتی ہے۔ کیونکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہاں مضاربت کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، مضاربت کا وجود ہوا ہوتا اور وہ فاسد ہو جائے تو وہاں اجارے کی گنجائش ہوتی ہے اور یہاں تو مضاربت کا وجود در کنار، کوئی احتمال بھی نہیں کہ فریقین کے درمیان جو کچھ معاہدہ ہوا ہے وہ مضاربت کی ضد ہے اور شئی اپنی ضد کا احتمال نہیں رکھتی۔ ہدایہ اباب ما (؟) ہے۔ لانّہ ضدہ والشئ لا یحتمل ضدہ، فتعین البطلان اھ (۳/۵۲) — ۱۲ منہ

یہ واقع میں عقدِ قرض ہے جو نفع کی شرط سے مشروط ہے۔

حکمِ شرعی ترجیحی حصص کا تعلق قرض کی جس نوع سے ہے اس کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر بہت ہی واضح اور قطعی و یقینی ہے کیونکہ اسی سے ملتا جلتا قرض کا کاروبار زمانۂ جاہلیت میں بھی ہوتا تھا کہ قرض دے کر اس پر نفع وصول کرتے تھے تو قرآن پاک نے انھیں اس سے روک دیا جیسا کہ امام ابوبکر جصّاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس انکشاف سے واضح ہے:

ومعلومٌ أنّ ربا الجاهلية إنّما كان قرضاً مؤجّلاً بزيادةٍ مشروطةٍ، فكانت الزيادة بدلاً من الأجل فأبطله الله تعالى، وحرّمه وقال: "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا". حَظَرَ أن يؤخذ للأجلِ عوضٌ - اھ (۱)	یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ عہدِ جاہلیت کا سود "میعادی قرض طے شدہ اضافہ کے ساتھ" ہوا کرتا تھا اور یہ اضافہ میعاد کا بدل و معاوضہ ہوتا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے باطل وحرام فرمادیا۔ اور یہ فرمان صادر کرکے کہ "جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو" میعاد کا کوئی عوض لینے سے ممانعت فرمادی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نفع کی شرط پر قرض کا لین دین سودی کاروبار ہے کیونکہ خود یہ نفع ہی سود ہے۔

---

(۱) أحكام القرآن ص ۴۶۷ ج۱ - وص ۱۸۶ ج۲، دار إحياء التراث، بيروت

یہی امام موصوف ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

والرّبا الّذی کانت العرب	اہل عرب جس چیز کو سود سمجھتے تھے، اور جسے
تعرفہ، و تفعلہ، إنما کان	باہم برتتے تھے وہ صرف یہ تھا کہ درہم، دینار
قرض الدراھم والدنانیر	روپے، اشرفی ایک میعاد تک کے لئے قرض
إلیٰ أجلٍ بزیادة علیٰ مقدارِ	دیتے اور باہمی رضامندی سے اس
ما استقرض علیٰ ما یتراضون	پر ایک اضافہ طے کر لیتے، عربوں میں
بہ...... ھٰذا کان المتعارف	یہی قرض والا سود مشہور و متعارف تھا
المشھور بینھم، فأبطل اللہ	تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے اس
تعالیٰ الرّبا الّذی کانوا یتعاملون	سودی کاروبار کو باطل فرما دیا
بہ - (۱)	

اس عبارت سے نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے کہ قرآن مقدس نے خاص طور سے جس سود سے روکا تھا وہ یہی قرض کا سود تھا جو نفع کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔

ان عبارات میں جن آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت
لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ	کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے
الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ	ہوں گے جس کو شیطان نے لگ کر خبطی

(۱) أحکام القرآن ص ۴۶۴، ۴۶۵، ج ۱ - وص ۱۸۴ ج ۲ دار إحیاء التراث بیروت

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرۃ ۲)	بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے ہوگا کہ انھوں نے کہا، بیع تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ (تو دونوں ایک طرح کیسے ہو سکتے ہیں)
(ب) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ج ○ (البقرۃ ۲)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور (قرضداروں کے ذمہ) تمہارا جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا یقین رکھو۔ اور اگر تم نے توبہ کر لیا تو تمہارا اصل مال تمہارے لئے ہوگا۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تمہارے اوپر ظلم کیا جائے۔
(ج) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۔ (آل عمران ۳)	اے ایمان والو، تم دونا دون سود نہ کھاؤ۔
(د) وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ	اور جو کچھ سود تم اس وجہ سے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مال میں اضافہ

فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ ۔ کرے تو وہ اللہ کے یہاں نہیں
(آیۃ ۳۹ ۔ س الروم) بڑھے گا ۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگ قرض دے کر اس پر سود لیتے تھے اسی کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں ۔

اور ٹھیک یہی حال آج کے دور تمدن میں ترجیحی حصص کا بھی ہے کیونکہ یہ حصص بھی قرض ہی ہیں جن پر نفع کے نام پر سود کا لین دین ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حدیث پاک کے الفاظ بھی بہت واضح ہیں ، ارشاد رسالت ہے :

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ منفعةً فَهُوَ رِبًا ۔ (۱) قرض کی وجہ سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے ۔

لہذا ترجیحی حصص کے ذریعہ کمپنی میں سرمایہ کاری سود ہے جو قطعی حرام اور گناہ کبیرہ ہے ۔

مُسَاوَاتی حصص (EQUITY SHARES)

ان حصص کے شیر دار اپنے سرمایہ کے تناسب سے نفع میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ، یونہی نقصان میں بھی ان کی شرکت مساوی طور پر ہوتی ہے ، انھیں ووٹ دینے کا حق بھی اپنے شیر کے مساوی ہوتا ہے اس لئے ان حصص کو مساواتی حصص کہا جاتا ہے ۔

---

(۱) نصب الرایہ لأحادیث الھدایہ ص ۶۰ ج ٤ ، کتاب الحوالہ ، المجلس العلمی بحوالہ مسند الحارث بن أبی أسامۃ ، وأحکام عبد الحق و جزء أبی الجہم ۔

حقیقتِ شرعیہ ان حصص کے حصول کے لیے کمپنی لائیں جو چار طریقے مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک طریقہ شیئر داروں کے باہمی معاہدہ کے لحاظ سے " خرید و فروخت " ہے ، اور کمپنی کے ساتھ آئینی معاہدہ کے لحاظ سے " شرکت " ہے ۔ اور دو طریقے اپنے اپنے وصف کے لحاظ سے " انتقال " اور " تبدیل " ہیں مگر کمپنی کے ساتھ ان معاہدوں کی حقیقت بھی " شرکت " ہی ہے ۔

رہ گیا چوتھا طریقہ جس میں ڈائرکٹ کمپنی سے معاملہ کیا جاتا ہے تو یہ بھی اپنے ارکان و شرائط کے لحاظ سے " شرکت " ہی کے زمرے میں شامل ہے ۔ ہاں بادی النظر میں اس پر " بیع و شراء " اور " مضاربت " کا بھی شبہہ ہوتا ہے مگر یہ شبہہ بجا نہیں ، اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ :

اگر **بیع و شراء** اس کی حقیقت ہو جیسا کہ ارباب معاشیات کی تعبیر کا ظاہر یہی ہے تو ان کے طور پر حصہ مبیع اور اس کے مقابل حصہ دار کی طرف سے جمع شدہ سرمایہ اس کا دام و ثمن ہو گا ۔ چونکہ بائع کمپنی ہے اس لئے ثمن کی مالکِ خاص بھی کمپنی ہو گی تو پھر اس کا تقاضا یہ تھا کہ ثمن کے ذریعہ تجارت سے حاصل شدہ تمام منافع کی مالک بھی صرف کمپنی ہو ۔ حالانکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حصہ دار کی طرف سے جمع شدہ سرمایہ کا مالک صرف حصہ دار ہوتا ہے اور اسی لئے وہ اس سے حاصل شدہ منافع کا حسبِ معاہدہ حقدار بھی ہوتا ہے ۔ تو جدید اہلِ معاشیات اس کے لئے جو بھی اصطلاح بنائیں مگر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بیع و شراء نہیں ہو سکتا ۔ پھر صحیح یہ ہے کہ

ارباب معاشیات بھی واقعۃً اسے بیع نہیں مانتے ورنہ حصہ دار کو کبھی بھی اس کی طرف سے جمع شدہ سرمائے کا مالک نہیں گردانتے۔ لیکن جب وہ واضح الفاظ میں سرمایہ کا مالک حصہ دار کو ہی گردانتے ہیں تو اس کا کھلا مطلب یہ ہوا کہ یہ معاملہ ان کے نزدیک بھی اپنی حقیقت کے لحاظ سے بیع وشرا نہیں ہے، بلکہ کچھ اور ہے۔

اب اگر اس کی حقیقت مُضَارَبَتْ قرار دی جائے تو لازمی طور پر اس میں دو فریق ماننے پڑیں گے۔ ایک ربّ المال۔ اور دوسرا مضارب۔ کمپنی سے حصہ لینے والے تو ربّ المال ہوں گے۔ اور تجارت کرنے والے کمپنی کے ہدایت کار مُضارب۔

اور یہاں یہ تفریق ممکن نہیں کیونکہ شرعی نقطۂ نظر سے پہلا فریق صرف مال فراہم کرتا ہے، اس کے ذمہ کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور دوسرا فریق صرف کام کرتا ہے تجارت میں اس کا کوئی مال صرف نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں مُضارب صرف نفع میں ربّ المال کا شریک ہوتا ہے، نقصان میں اس کی کوئی شرکت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر تجارت میں خسارہ ہو جائے تو اس کا سارا بار ربّ المال کے سر ہوتا ہے۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے ؛

اَلْمُضَارَبَۃُ عَقْدٌ یَقَعُ عَلَی الشَّرِکَۃِ بِمَالٍ مِّنْ اَحَدِ الْجَانِبَیْنِ۔	مُضاربت ایک خاص قسم کا معاہدہ ہے جس میں فریقین میں سے ایک کی طرف سے مال، اور دوسرے کی طرف سے

ومرادہ الشرکۃ فی الربح وھو یستحق بالمال من احد الجانبین، والعمل من الجانب الآخر۔ اھ (۱)

کام (تجارت) ہوتا ہے۔ اور نفع میں مالک اور تاجر دونوں شریک ہوتے ہیں۔ ایک فریق تو اس لئے نفع کا حقدار ہوتا ہے کہ اس نے مال دیا ہے، اور دوسرا اس لئے کہ وہ تجارت کرتا ہے۔

نیز اسی میں ہے:

المدفوع إلی المضارب أمانۃ فی یدہٖ، وھو وکیل فیہ، لأنہ یتصرف فیہ بأمر مالکہٖ وإذا ربح فھو شریک فیہ لتملکہٖ جزءاً من المال بعملہٖ۔ (۲)

صاحبِ مال نے مضارب (تاجر) کو جو مال دیا ہے وہ اس کے پاس امانت ہے۔ اور خود مضارب صاحبِ مال کا وکیل ہے کیونکہ یہ مالک کی اجازت سے اس میں تجارت کرتا ہے اور جب نفع حاصل ہو تو یہ اس میں شریک ہوتا ہے کیونکہ اپنے کام کے عوض وہ نفع کے ایک جز (مقررہ فیصد) کا مالک ہوتا ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مضارب تجارت میں اپنا مال نہیں لگاتا بلکہ صرف تجارت کرتا ہے ــــ نیز وہ صرف نفع میں شریک ہوتا ہے اسے

---

(۱) ھدایہ ص ۲۴۱، ج ۳، أول کتاب المضاربۃ ۔ رشیدیہ۔

(۲) ھدایہ ۔ ص ۲۴۱، ج ۳، أول کتاب المضاربۃ ۔ رشیدیہ

نقصان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ مُضارب پر، نقصان میں شرکت کی شرط، شرط فاسد ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

وغیرُ ذٰلک من الشروطِ الفاسدۃِ لا یُفسِدُھا، ویبطل الشرطُ، کاشتراط الوضیعۃ علی المضارب[1]

مضاربت شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی، بلکہ خود شرط ہی باطل ہوجاتی ہے جیسے مُضارب (تاجر) پر نقصان میں شرکت کی شرط۔

نیز اسی میں ہے:

وشرطُ العمل علی ربِّ المال مُفسِدٌ للعقد، لأنّہٗ یمنع خلوص ید المضارب، فلا یتمکّن من التصرّف، فلا یتحقق المقصودُ۔ اھ (۲)

صاحب مال پر کام کی شرط ہو تو عقد مضاربت فاسد ہوجائے گا، کیونکہ اس شرط کے ہوتے ہوئے مال پر مضارب کا قبضہ خالص نہ ہوسکے گا، اس لئے وہ آزادی کے ساتھ نہ تجارت کر پائے گا، اور نہ ہی اس عقد کا مقصود حاصل ہوسکے گا۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ صاحب مال کام نہیں کرے گا، بلکہ اس کے ذمہ صرف مال کی فراہمی ہے۔

---

(۱) ھدایہ ص ۲۶۲ ج ۳۔ کتاب المضاربۃ۔ رشیدیہ۔

(۲) ھدایہ ص ۲۶۳ ج ۳۔ کتاب المضاربۃ۔ رشیدیہ

لیکن اس معاہدۂ مضاربت کے بالکل برخلاف کمپنی کے اس کاروبار میں دو فریق نہیں ہوتے، حصہ دار اور ہدایت کار سب کے سب اپنی وسعت کے لحاظ سے تجارت میں اپنا اپنا سرمایہ لگاتے ہیں اس لئے یہ صرف ربُّ المال ہوتے ہیں۔ نیز کمپنی کے تمام شیر دار نفع کے ساتھ ساتھ نقصان میں بھی شریک ہوتے ہیں، حالانکہ عقد مضاربت میں ایک فریق کو نقصان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

تمام شیر داروں کے نفع و نقصان دونوں میں شرکت کی صراحت تو کمپنی کے آئین میں جا بجا ہے۔ اور ہدایت کاروں کے حصہ دار ہونے کی صراحت بھی بکثرت ہے جیسا کہ جدید طریقۂ تجارت کے درج ذیل اقتباسات سے عیاں ہوگا۔

- کمپنی کی رجسٹری کے لئے جو ضروری کاغذات رجسٹرار آف کمپنیز کے دفتر میں جمع کرنے پڑتے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

"ہدایت کاران کی رضامندی: وہ منتظمین جو کمپنی کا انتظام کرنے کو تیار ہیں ان کی تحریری رضامندی کہ وہ یہ کام انجام دینے کو تیار ہیں اور اس بات کا عہد نامہ کہ انھوں نے مشروط حصص یعنی کم از کم حصص خرید لئے ہیں۔" (۱)

- کمپنی کے آئین مجلس میں چھ دفعات ہوتی ہیں ان میں سے چھٹی دفعہ میں بانیوں کی طرف سے یہ اقرار نامہ بھی درج ہوتا ہے:

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۶۸ جلد ۱۔

"ہم سب کمپنی کے سرمایہ حصص کی مقررہ تعداد جس کی وضاحت متعلقہ ناموں کے سامنے موجود ہے خریدنے پر آمادہ ہیں" (۱)

- ہدایت کاران کی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے:
"حساب کا محاسبہ (آڈٹ) کروانا، مستلمین کو کم سے کم قابلیت کے لئے حصص خریدنا" (۲)

- "قانون کے مطابق حسب ذیل اشخاص ڈائرکٹرس (ہدایت کار) نہیں ہوسکتے۔ پاگل، دیوالیہ، کم از کم قابلیت کے حصص نہ رکھنے والا شخص" (۳)

ان اقتباسات سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کمپنی کے انتظام کار، ہدایت کار، بانیان سب کے سب دیگر شیر داروں کی طرح سے سرمایہ جمع کرکے شیر دار بنتے ہیں اس لئے یہ سب کے سب ارباب اموال ہوئے نہ کہ مضارب کیونکہ مضارب مال نہیں لگاتا۔ تو مساواتی حصص کا کاروبار مضاربت بھی نہیں، بلکہ کچھ اور ہے ———— اور وہ کیا ہے؟

اب اس کا سراغ لگانا کچھ دشوار نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ سرمایہ کا مالک حصہ دار ہے اور اپنے حصے کے تناسب سے وہ نفع ونقصان میں شریک ہوتا ہے تو یہ معاملہ فی الواقع شرکت کا ہوا کہ شرکت کی حقیقت یہی ہے

(۱) جدید طریقہ تجارت وتنظیم تجارت ص ۱۷۳ جلد ۱۔

(۲،۳) جدید طریقہ تجارت وتنظیم تجارت ص ۲۰۸ جلد ۱۔

کردو، یا دو سے زیادہ آدمی اپنا اپنا سرمایہ لگا کر باہم کوئی تجارت کریں اور وہ سب کے سب نفع و نقصان میں شریک ہوں۔

تو واضح ہو گیا کہ کمپنی میں اپنا سرمایہ جمع کر کے اس کے جاری شدہ مساواتی حصص کا حصول شرعاً، عقلاً ہر طرح سے عقد شرکت ہے اور اسی لئے کمپنی کا نام "مشترکہ سرمایہ کمپنی" (JOINT STOCK COMPANIES) ہے۔

یو نہی پہلے شیئرداروں سے مساواتی حصص خرید کر، یا ان کے حصص اپنے نام منتقل کرا کے، یا قرض تمسکات کو مساواتی حصص میں تبدیل کرا کے کمپنی میں سرمایہ کاری بھی عقد شرکت ہے کیونکہ ان صورتوں میں کمپنی کے ساتھ نئے شیئردار کا معاہدہ صرف دو باتوں کا احتمال رکھتا ہے مضاربت یا شرکت۔ مضاربت تو یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کے ارکان و شرائط یہاں مفقود ہیں جیسا کہ ابھی اس کی وضاحت گزری۔ اور شرکت کے ارکان و شرائط متحقق ہیں لہٰذا یہ معاہدہ خالص عقدِ شرکت ہے۔

حاصل کلام

ان تفصیلات کا حاصل یہ ہوا کہ:

(۱) کمپنی سے براہ راست حصص کا حصول فی الواقع عقدِ شرکت ہے۔

(۲) حصہ داروں سے ان کے سرمایۂ حصص کا معاوضہ دے کر حصص کا حصول عاقدین کے لحاظ سے خرید و فروخت ہے اور کمپنی سے آئینی معاہدہ کے لحاظ سے جدید عقدِ شرکت ہے۔

(۳) اَولیاء، یا وُرثہ کے نام حصص کے انتقال، اور قرض تمسکات کی حصص میں تبدیلی کے ذریعہ جو افراد کمپنی کے حصہ دار بنتے ہیں وہ بھی کمپنی کے شریک ہیں۔

تو یہاں "انتقال" اور "تبدیلی" کے ذریعہ جو نیا عقد وجود میں آیا وہ بھی یہی عقدِ شرکت ہے۔

مختصر یہ کہ کمپنی کا حصہ دار بننے کے جو چار طریقے ہیں ان سب کی منزلِ مقصود صرف ایک ہے، اور وہ ہے "شرکت"

شرکت اور اس کے اقسام کا تعارف

اب ہم شرکت اور اس کے اقسام کا ایک مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔ تاکہ یہ پتہ لگایا جا سکے کہ کمپنی میں سرمایہ کاری کا تعلق شرکت کی کس قسم سے ہے۔ پھر اس کی روشنی میں حکم شرعی کا اِدراک سہل ہوگا۔ اِنْ شَاءَ اللهُ العزیز۔

شرکۃ: کا لغوی معنی ہے:

خلط النصیبین بحیث — دو حصوں کو ایک میں یوں ملا دینا کہ

لایتمیّز اَحَدُھُمَا اھ (۱) — ایک دوسرے سے الگ و ممتاز نہ ہو۔

شرعًا اس کی دو قسمیں ہیں، شرکتِ ملک، و شرکتِ عقد۔

شرکتِ ملک: یہ ہے کہ چند آدمی وراثت، بیع، ہبہ، وصیت،

---

(۱) فتح القدیر، اوائل کتاب الشرکت جلد ۵ ص ۳،۶۷ مکتبہ ماجدیہ

سے قرض تمسکات کو ساداتی حصص میں بدلنا ضرور شرکت ہے مگر شرکت کے لئے یہ ذریعہ اختیار کرنا ناجائز و گناہ ہے کما یاتی ان شاء اللہ تعالے۔ ۱۲ منہ

یا اور کسی سبب شرعی کے ذریعہ کسی چیز کے مالک ہوں اور ان کے درمیان باہم عقد شرکت نہ ہوا ہو۔ (۱)

شرکتِ ملک کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں شریکوں کے مال ایک دوسرے میں اس طور پر مل گئے ہوں، یا ملا دیئے گئے ہوں کہ انھیں الگ نہ کیا جا سکے، یا الگ کرنا بہت ہی دشوار ہو، جیسا کہ بہار شریعت کی درج ذیل صراحت سے عیاں ہے:

" شرکتِ ملک کی دو قسمیں ہیں۔ جبری، و اختیاری۔ جبری یہ کہ دونوں کے مال میں بلا قصد و اختیار ایسا خلط ہو جائے کہ ہر ایک کی چیز دوسرے سے متمیز نہ ہو سکے، یا ہو سکے مگر نہایت دقت و دشواری سے۔ مثلاً وراثت میں دونوں کو ترکہ ملا کہ ہر ایک کا حصہ دوسرے سے ممتاز نہیں، یا دونوں کی چیز ایک قسم کی تھی اور مل گئی کہ امتیاز نہ رہا۔ یا ایک کے گیہوں تھے، دوسرے کے جَو، اور مل گئے۔ تو اگرچہ یہاں علیٰحدگی ممکن ہے مگر دشواری ضرور ہے۔

اختیاری یہ کہ ان کے فعل و اختیار سے شرکت ہوئی ہو، مثلاً دونوں نے شرکت کے طور پر کسی چیز کو خریدا، یا ان کو ہبہ اور صدقہ میں ملی اور قبول کیا۔ یا کسی نے دونوں کو وصیت کی اور انھوں نے قبول کی۔ یا ایک نے قصداً اپنی چیز دوسرے کی چیز میں ملا دی کہ امتیاز جاتا رہا۔
(عالمگیری، در مختار، وغیرہ) (۲)

---

(۱) در مختار و رد المحتار ص ۳۳۲ جلد ۳ نعمانیہ۔ و فتاویٰ ہندیہ ص ۲۹۷ جلد ۲ مجیدیہ
(۲) بہار شریعت ص ۲۱ جلد ۱۰، بحث شرکت کے اقسام۔ قادری بکڈپو، بریلی شریف۔

احادیث صحیحہ میں شرکت اختیاری کے کئی واقعات درج ہیں جن کی تفصیل بخاری شریف اور مسلم شریف میں موجود ہے۔

شرکتِ عقد: یہ ہے کہ دو، یا دو سے زیادہ اشخاص نے باہم لفظاً، یا معنیً شرکت کا عقد کیا ہو۔

"لفظاً شرکت" کی مثال یہ ہے کہ ایک نے کہا: "میں تیرا شریک ہوں" تو دوسرے نے کہا: "مجھے منظور ہے، تسلیم ہے"

اور "معنیً شرکت" کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً کسی کو ہزار روپے دیئے اور یہ کہا کہ اتنے روپے تم بھی اس میں ملالو، اور تجارت کرو، جو کچھ نفع ہوگا وہ ہم دونوں کا ہوگا اور دوسرے نے وہ روپے لے لئے (۱)

ان دونوں شرکتوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ شرکتِ ملک میں شرکار آپس میں ایک دوسرے کے وکیل نہیں ہوتے، بلکہ اجنبی کے درجہ میں ہوتے ہیں لہذا کوئی بھی شریک دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا۔ (۲)

لیکن شرکتِ عقد میں شرکار باہم ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں لہذا ہر ایک دوسرے کے حصے میں تصرف کا مجاز ہوتا ہے اور کوئی بھی شریک مالِ شرکت سے جو کچھ خریدے گا وہ دونوں کے مابین

---

(۱) درمختار وردالمحتار ص۳۳۶ جلد۳ مکتبہ نعمانیہ۔ و بہار شریعت ص۲۲ جلد۱۰ قادری بکڈپو۔

(۲) درمختار وردالمحتار ص۳۳۲ جلد۳ نعمانیہ وفتاویٰ ہندیہ ص۲۹۷ جلد۲ مجیدیہ۔

مشترک گردانا جائے گا۔ (۱)

پھر شرکتِ عقد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ شرکتِ مُفاوَضہ، شرکتِ عنان۔

بہارِ شریعت میں مفاوَضہ کی تعریف اور اس کی خصوصیات کا تذکرہ اس طرح ہے۔:

"شرکتِ مُفاوَضہ: یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا وکیل وکفیل ہو۔ یعنی ہر ایک کا مطالبہ دوسرا وصول کر سکتا ہے، اور ہر ایک پر جو مطالبہ ہوگا دوسرا اس کی طرف سے ضامن ہے۔"

(عالمگیری، درمختار) (۲)

"شرکت مُفاوضہ میں یہ ضروری ہے کہ:

- دونوں کے مال برابر ہوں۔
- اور نفع میں دونوں برابر کے شریک ہوں۔
- اور تصرف ودِین میں بھی مُساوات ہو۔

لہذا آزاد وغلام میں، اور نابالغ وبالغ میں، اور مسلمان وکافر میں، اور عاقل ومجنون میں، اور دو نابالغوں میں، اور دو غلاموں میں شرکتِ مُفاوضہ نہیں ہو سکتی۔" (عالمگیری، درمختار) (۳)

مُفاوَضہ کا معنی ہے، ہر چیز میں مُساوات۔ لہذا اس کی خصوصیات

(۱) درمختار علی ہامش ردالمحتار ص ۳۴۳، جلد ۳۔ مکتبہ نعمانیہ
(۲) بہارِ شریعت ص ۲۲ حصہ ۱۰ قادری بکڈپو بریلی شریف۔
(۳) بہارِ شریعت ص ۲۲، ۲۳ حصہ ۱۰ قادری بکڈپو بریلی شریف۔

وشرائط میں اس کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے تعریف بھی مساوات کی ہی مظہر ہے۔

شرکتِ عنان اور اس کی خصوصیات پر بہارِ شریعت میں یوں روشنی ڈالی گئی ہے۔

"شرکتِ عنان: یہ ہے کہ دو شخص کسی خاص نوع کی تجارت، یا ہر قسم کی تجارت میں شرکت کریں، مگر ہر ایک دوسرے کا ضامن نہ ہو۔ صرف دونوں شریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل ہوں گے۔ لہذا شرکتِ عنان میں یہ شرط ہے کہ ہر ایک ایسا ہو جو دوسرے کو وکیل بنا سکے۔" (درمختار، عالمگیری) (۱)

خصوصیات و امتیازات یہ ہیں:

- "شرکتِ عنان مرد و عورت کے درمیان، مسلم و کافر کے درمیان بالغ اور نابالغ عاقل کے درمیان جب کہ نابالغ کو اس کے ولی نے اجازت دے دی ہو، اور آزاد و غلامِ ماذون کے درمیان ہو سکتی ہے۔" (خانیہ) (۲)
- "شرکتِ عنان میں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی میعاد مقرر کر دی جائے، مثلاً ایک سال کے لئے ہم دونوں شرکت کرتے ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کے مال کم و بیش ہوں، برابر نہ ہوں۔

---

(۱) بہارِ شریعت ص ۲۸ حصہ ۱۰ قادری بکڈپو بریلی

(۲) بہارِ شریعت ص ۲۸ حصہ ۱۰ قادری بکڈپو بریلی

اور نفع برابر ۔

یا مال برابر ہوں، اور نفع کم و بیش ۔

اور کل مال کے ساتھ شرکت ہوسکتی ہے، اور بعض مال کے ساتھ بھی ۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں کے مال دو قسم کے ہوں مثلاً ایک کا روپیہ (چاندی کا سکہ) ہو، دوسرے کی اشرفی (سونے کا سکہ)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صفت میں اختلاف ہو، مثلاً ایک کے کھوٹے روپے ہوں، دوسرے کے کھرے، اگرچہ دونوں کی قیمتوں میں تفاوت ہو، اور یہ بھی شرط ہے کہ دونوں کے مال ایک میں خلط کردیئے جائیں ۔ (درمختار) (۱)

● اگر دونوں نے اس طرح شرکت کی کہ مال دونوں کا ہوگا مگر کام فقط ایک ہی کرے گا اور نفع دونوں لیں گے اور نفع کی تقسیم مال کے حساب سے ہوگی، یا برابر لیں گے، یا کام کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو جائز ہے .... اور اگر یہ ٹھہرا کہ کام دونوں کریں گے مگر ایک زیادہ کام کرے گا، دوسرا کم اور جو زیادہ کام کرے گا نفع میں اس کا حصہ زیادہ قرار پایا، یا برابر قرار پایا یہ بھی جائز ہے۔ (عالمگیری، ردالمحتار) (۲)

[۱، ۲] بہارشریعت ص ۲۹، حصہ ۱۰۔ شرکتِ عنان کے مسائل ۔ قادری بکڈپو بریلی ۔

• "ٹھہرا یہ تھا کہ کام دونوں کریں گے مگر صرف ایک نے کیا، دوسرے نے بوجہ عذر، یا بلا عذر کچھ نہ کیا تو دونوں کا کرنا قرار پائے گا"

(عالمگیری)(۱)

• "ایک نے کوئی چیز خریدی تو بائع ثمن کا مطالبہ اسی سے کرسکتا ہے اس کے شریک سے نہیں کرسکتا کیونکہ شریک نہ عاقد ہے، نہ ضامن۔ پھر اگر خریدار نے مالِ شرکت سے ثمن ادا کیا جب تو خیر۔ اور اگر اپنے مال سے ثمن ادا کیا تو شریک سے بقدر اس کے حصہ کے رجوع کرسکتا ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے کہ مالِ شرکت نقد کی صورت میں موجود ہو۔"

(درمختار، ردالمحتار) (۲)

• "شرکت عنان میں بھی اگر نفع کے روپے ایک شریک نے معین کردیئے کہ مثلاً دس روپے میں نفع کے لوں گا تو شرکت فاسد ہے کہ ہوسکتا ہے کل نفع اتنا ہی ہو پھر شرکت کہاں ہوئی"

(درمختار) (۳)

• "اس میں بھی ہر شریک کو اختیار ہے کہ تجارت کے لئے، یا مال کی حفاظت کے لئے کسی کو نوکر رکھے بشرطیکہ دوسرے شریک نے منع نہ کیا ہو۔

مال کو امانت بھی رکھ سکتا ہے اور مضاربت کے طور پر بھی دے سکتا ہے،

(۱ - ۲) بہار شریعت ص ۲۹ حصہ ۱۰ شرکت عنان کے مسائل۔ قادری بکڈپو۔ بریلی۔

(۳) بہار شریعت ص ۳۰، ۳۱ حصہ ۱۰ شرکت عنان کے مسائل، قادری بکڈپو، بریلی۔

کردہ کام کرے اور نفع میں اس کو نصف، یہ تہائی وغیرہ کا شریک کیا جائے اور کچھ نفع ہوگا اس میں سے مضارب کا حصہ نکال کر، تو دونوں شریکوں میں تقسیم ہوگا " (درمختار) (۱)

• "شریک کو یہ اختیار ہے کہ نقد یا اُدھار جس طرح مناسب سمجھے خرید و فروخت کرے، مگر شرکت کا روپیہ نقد موجود نہ ہو تو اُدھار خریدنے کی اجازت نہیں۔ جو کچھ اس صورت میں خریدے گا خاص اس کا ہوگا۔ البتہ اگر شریک اس پر راضی ہے تو اس میں بھی شرکت ہوگی، اور یہ بھی اختیار ہے کہ ارزاں، یا گراں فروخت کرے "

(درمختار، ردالمحتار) (۲)

• " ان میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ کسی کو اس تجارت میں شریک کرے، ہاں اگر اس کے شریک نے اجازت دے دی ہے تو شریک کرنا جائز ہے " (درمختار، ردالمحتار) (۳)

• "شرکتِ عنان میں اگر ایک نے کوئی چیز بیع کی ہے تو اس کے ثمن کا مطالبہ اس کا شریک نہیں کرسکتا۔ یعنی مدیون اس کو دینے سے انکار کرسکتا ہے۔

یونہی شریک نہ دعویٰ کرسکتا ہے، نہ اس پر دعویٰ ہو سکتا ہے، بلکہ دین کے لئے کوئی میعاد بھی نہیں مقرر کرسکتا جب کہ عاقد

(۱، ۲) بہارِ شریعت ص ۳۱ حصہ ۱۰ شرکتِ عنان کے مسائل۔ قادری بکڈپو

(۳) بہارِ شریعت ص ۳۱، ۳۲ حصہ ۱۰ شرکتِ عنان کے مسائل۔ قادری بکڈپو

کوئی اور شخص ہے " (درمختار، ردالمحتار) (۱)

• شریک کے پاس جو کچھ مال ہے اس میں وہ امین ہے۔ لہذا اگر یہ کہتا ہے کہ تجارت میں نقصان ہوا، یا کل مال یا اتنا ضائع ہوگیا، یا اس قدر نفع ملا، یا شریک کو میں نے مال دے دیا تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے " (درمختار) (۲)

• اگر شرکار کی طرف سے یہ اجازت ہو کہ ہر شریک اپنی رائے سے کام کر سکتا ہے تو ہر شریک کو تجارت سے متعلق تمام امور کا اختیار حاصل ہوگا، لہذا وہ دوسرے کو شریک کر سکتا ہے، رہن لے سکتا ہے، اور رہن رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

و لو قال کل واحد منهما لصاحبه: "إعمل فیه برأیك" جاز لکل واحد منهما أن یعمل فیما یقع فی التجارات من الرهن والإرتهان، والدفع مضاربة، والسفر به والخلط بماله، والمشارکة مع الغیر۔(۳)	اور اگر دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی سے کہہ دیا کہ "تم اپنی رائے سے کام کرو" تو ہر ایک کو تجارت میں پیش آنے والے تمام امور کا اختیار ہے مثلاً رہن رکھنا، رہن لینا، مالِ شرکت کو بطورِ مضاربت دینا اسے سفر میں لے کر جانا، اپنے مال میں خلط کرنا، اور دوسروں کے ساتھ مشارکت۔

---

(۱) بہارِ شریعت ص ۲۲، ۲۳ حصہ ۱۰ شرکت عنان کے مسائل، قادری بکڈپو

(۲) بہارِ شریعت ص ۲۲ حصہ ۱۰ قادری بکڈپو، بریلی شریف۔

(۳) فتاویٰ قاضی خاں ص ۶۰۷ جلد ۳ مطبع نول کشور

شرکت کے مفہوم، اقسام، اور اس کی خصوصیات و شرائط کو سامنے رکھ کر جب ہم مشترکہ سرمایہ کمپنی کے نظام کار کا جائزہ لیتے ہیں تو دو باتیں بہت کھل کر سامنے آتی ہیں:

(۱) کمپنی کے مساواتی حصص کا کاروبار شرکت کی ایک خاص قسم۔ شرکتِ عقد ہے کیونکہ اگرچہ لفظاً عقد کا ایجاب و قبول نہیں ہوتا، لیکن معنیً ایجاب و قبول کا تحقق ضرور ہو جاتا ہے اور یہ بھی شرکتِ عقد کے لئے کافی ہے جیسا کہ بہار شریعت سے اس کا جزئیہ گزرا۔

اور حدیث شریف میں ہے:

إنّ عمر بصر رجلاً يُساوم سلعة، وعنده رجل يغمزه حتّى اشتراها، فرأىٰ عمرُ أنّها شركةٌ۔ رواه سعيد بن منصور (۱)	حضرت عمر نے ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ ایک سامان کا بھاؤ تاؤ کر رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص نے اشارہ کر دیا، پھر انھوں نے وہ سامان خرید لیا۔ تو حضرت عمر نے فرمایا یہ شرکت ہے۔ اس حدیث کو سعید بن منصور نے روایت کیا۔

اور بخاری شریف میں ہے:

ويُذكَرُ أنّ رَجُلاً سَاوَمَ شيئاً فَغَمَزَهُ آخرُ، فرأى عُمَرُ أنّ لَهُ شركةً۔ (۲)	منقول ہے کہ ایک آدمی کسی چیز کا دام طے کر رہا تھا، اور دوسرے شخص نے اسے اشارہ کر دیا تو حضرت عمر نے اس کے متعلق یہ حکم دیا کہ یہ شخص اس کا شریک ہو گیا۔

(۱) حاشیہ بخاری شریف جلد اول ص ۳۴۰ بحوالہ فتح الباری و عمدۃ القاری

(۲) بخاری شریف تعلیقاً ص ۳۴۰ ج ۱، باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ

اس حدیث کو نقل کرکے حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

"یعنی شرکت کے لئے اشارہ کافی ہے، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔" (۱)

اشارہ شرکت کے لئے اس وجہ سے کافی ہے کہ یہ معنًی شرکت کا ایجاب و قبول ہے۔ نیز فتح القدیر میں ہے:

ولیس اللفظ المذکور بلازم بل المعنی۔ ولهٰذا الو دفع ألفا إلى رجل وقال: أخرج مثلها، واشتر وما كان من ربح فهو بيننا وقبل الآخر، أو أخذها وفعل انعقدت الشركة۔ (۲)

ایجاب کے لئے لفظ ضروری نہیں، بلکہ صرف معنًی ایجاب ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو ایک ہزار روپے یہ کہہ کر دیئے کہ اتنے روپے تم بھی نکالو، اور سامان خرید کر تجارت کرو، جو کچھ نفع ہوگا وہ ہم دونوں کے درمیان مشترک ہوگا، دوسرے نے قبول کرلیا، یا روپے لے کر تجارت شروع کردی تو عقدِ شرکت منعقد ہوگیا۔

کچھ اسی قسم کا معاہدہ مساواتی حصص میں بھی ہوتا ہے کہ حصہ دار کمپنی کے بانیان اور انتظام کاروں کو روپے دیتا ہے اور وہ لوگ اپنے پاس سے بھی اس میں روپے ملاکر تجارت کرتے ہیں، چونکہ انتظام کاروں کے لئے بھی شیئر دار ہونا شرطاً لازمی ہے اس لئے حصہ داروں کا انھیں روپے دینا اسی شرط

---

(۱) بہارِ شریعت ص ۲۰، حصہ ۱۰، شرکت کا بیان، قادری بکڈپو بریلی

(۲) فتح القدیر ص ۲۷۸ جلد ۵ - اوائل کتاب الشرکۃ پاکستان و در مختار علی ہامش رد المحتار ص ۳۶۹ ج ۳ اوائل کتاب الشرکۃ - ماجدیہ

کے ساتھ ہوتا ہے کہ تم بھی اس میں روپے لگاؤ۔ پھر تجارت کرو، اور وہ ایسا ہی کرتے ہیں اس لئے بلاشبہ یہ شرکت، شرکتِ عقد ہے۔

بلکہ اگر اس حیثیت سے غور کیجئے کہ الفاظ کی طرح سے "تحریر" بھی مافی الضمیر کی ادائیگی کا ایک ذریعہ ہے اور اسی لئے قلم کو زبان کا درجہ دیا جاتا ہے تب تو حقیقۃً ایجاب و قبول کے ذریعہ شرکتِ عقد کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جو لوگ بھی کمپنی میں سرمایہ کاری کے خواہش مند ہوتے ہیں وہ ایک چھپے ہوئے فارم پر شرکت کی درخواست دیتے ہیں جو بلاشبہہ "تحریری ایجاب" ہے، پھر کمپنی کے انتظام کار اسے منظور کرکے درخواست دہندہ کے نام شیئر کا الاٹ منٹ کرتے ہیں اور یہی کمپنی کی طرف سے "تحریری قبول" ہے۔ گزشتہ صفحات میں اس ایجاب و قبول کا ذکر جدید طریقۂ تجارت کے حوالے مختلف مقامات پر ہے۔ مثال کے طور پر یہ مقامات ملاحظہ فرمائیں۔

- کمپنی کے تعارف کے ضمن میں "سرمایہ کی فراہمی" کی بحث، صفحہ
- باب دوم کے ضمن میں "شیئر داروں سے حصص کی خریداری کا مطلب"، صفحہ

اور تحریری ایجاب و قبول بھی شرعًا معتبر ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ "اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" سے اس کا اشارہ ملتا ہے اور حضور اکرم سیّد عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطوط کے ذریعہ دعوتِ اسلام دینا اس کا شاہد ہے، نیز ہدایہ کا یہ مسئلہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے:

وَالْکِتَابُ کَالْخِطَابِ ۔ تحریری ایجاب و قبول کا حکم وہی ہے جو آمنے

سامنے لفظی ایجاب و قبول کا ہے۔
(ھدایہ ص ۲ ج ۳، اول کتاب البیوع)

لہٰذا شرکت حصص یقیناً "شرکتِ عقد" ہے

(۲) اور جیسا کہ بیان ہوا شرکتِ عقد کی بھی دو قسمیں ہیں، مُفاوضہ اور عنان۔ تو شرکتِ حصص کا تعلق اس شرکت کی دوسری قسم شرکتِ عنان سے ہے کیونکہ شرکت حصص میں مال، نفع، تصرف، اور دین و مذہب میں مساوات کا قطعی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے جبکہ یہ امور مُفاوضہ کے اہم عناصر ہیں۔ اس لئے یہ شرکت بلاریب "مُفاوضہ" نہیں، بلکہ عنان ہے۔

لیکن اس پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں:

پہلا اشکال اور اس کا حل

شرکتِ عنان میں تمام شرکاء ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں لیکن شرکتِ حصص کے شرکاء میں ہر ایک دوسرے کا وکیل نہیں ہوتا، بلکہ صرف ہدایت کاروں کی انجمن شرکاء کی وکیل ہوتی ہے، اور دوسرے شرکاء ان ہدایت کاروں کے وکیل نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہاں یہ شرط ہوتی ہے کہ تجارت کا سارا کام صرف "ہدایت کار بورڈ" انجام دے گا، اور دوسرے حصہ داروں کے ذمہ کوئی کام نہ ہوگا۔

اس کا حل یہ ہے کہ ہر شریک کا وکیل ہونا اُس وقت ضروری ہے جبکہ تمام شرکاء تجارت میں حصہ لیں، خرید و فروخت کریں، لیکن اگر سب کے سب تجارت میں حصہ نہیں لیتے، بلکہ صرف بعض شرکاء حصہ لیتے اور خرید و فروخت کرتے ہیں تو صرف انھیں بعض کا وکیل ہونا ضروری ہے۔

اس میں رمز یہ ہے کہ کوئی بھی شخص جب کوئی سامان خرید تا ہے تو وہ خواہ کسی کے بھی مال سے خریدے مبیع کا مالک تنہا وہی ہوتا ہے فقہ کا قاعدہ ہے :

الشرٰی متی وجد نفاذاً علی المشتری، نفذ علیہ (۱)	خریداری جب نافذ ہو کر پائی جائے تو وہ مشتری پر نافذ ہوگی۔

اب اگر تجارت کرنے والے کچھ شرکاء اپنے دوسرے شرکاء کے وکیل نہ ہوں تو مالِ شرکت سے یہ جو کچھ خریدیں گے وہ تنہا ان کی ملک ہوگا اشرکاء کی ملک نہ ہوگا اور نہ ہی شرکاء اس تجارت کے منافع سے کچھ بھی پانے کے حقدار ہوں گے۔ تو یہ شرکت ہوئی، یا نجی تجارت۔ معاہدہ تو شرکت کا ہوا تھا اور معاملہ خالص شخصی و نجی ہو گیا، اور یہ یقیناً شرکت کے منافی ہے، بلفظ دیگر جو شریک تجارت کر رہا ہے اس کے لئے " عدمِ وکالت " شرکت کے بطلان کی باعث ہے حالانکہ شرکت کی خشتِ اول ہی اس بات پر رکھی گئی ہے کہ اس میں کوئی ایسا امر نہ پایا جائے جس سے شرکت باطل ہو جائے جیسا کہ درمختار کے حوالہ سے گزرا۔

وشرطھا عدم ما یقطعھا (۲)	شرکتِ عقد کی شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی بات شرکت کو ختم کرنے والی نہ پائی جائے۔

امام ابن الہمام کمال الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام کی توجیہ کرتے

(۱) ہدایہ، کتاب المضاربۃ ص ۲۴۵ جلد ۳۔ رشیدیہ

(۲) درمختار علی ہامش ردالمحتار ص ۳۶۹ جلد ۳۔ اوائل کتاب الشرکۃ۔ ماجدیہ۔

ہوئے فرماتے ہیں :

وکل صور عقود الشرکة یتضمن الوکالة ...... و إنما شرط ذلك (لیکون مایستفاد بالتصرف مشترکا بینهما فیتحقق حکمه) أی حکم عقد الشرکة (المطلوب منه) وهو الاشتراك فی الربح إذ لو لم یکن کل منهما وکیلا عن صاحبه فی النصف، وأصیلا فی النصف الآخر لایکون المستفاد مشترکا، لاختصاص المشتری بالمشتری۔ اھ (۱)

شرکتِ عقد کی تمام صورتیں وکالت کو متضمن ہیں .... وکالت کی شرط اس لئے ہے تاکہ مالِ شرکت میں تصرف سے جو فائدہ حاصل ہو وہ دونوں شریکوں کے درمیان مشترک رہے اور شرکت کا اصل مقصود یعنی نفع میں اشتراک متحقق ہو۔
کیونکہ اگر ہر شریک نصف مال میں اصیل اور بقیہ نصف میں دوسرے کا وکیل نہ ہو تو مبیع مشتری کی ملک خاص ہوگی اور نفع دونوں کے درمیان مشترک نہ ہوگا۔

خاتم الفقہاء حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مقام پر رد المحتار میں یہی توجیہ کی ہے اور امام ابن الہمام کے کلام سے استناد کیا ہے۔ (۲)

یہاں سے معلوم ہوا کہ جو شریک تجارت سے الگ تھلگ ہو اس

---

(۱) فتح القدیر ص ۱۷۶ جلد ۵ - اوائل کتاب الشرکۃ۔ پاکستان

(۲) رد المحتار ص ۳۶۹ جلد ۳ ۔ اوائل کتاب الشرکۃ۔ ماجدیہ

کے لیے وکیل ہونا ضروری نہیں کیونکہ جب اسے تجارت اور خرید و فروخت سے کوئی سروکار نہیں ہے تو اس کا کوئی بھی فعل منافی شرکت نہ ہوگا۔

یہیں سے اشکال مذکور کا حل بھی نکل آیا کہ شرکت حصص میں جو شرکا، وکیل نہیں ہوتے انھیں تجارت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا لہٰذا ان کی "عدم وکالت" شرکت پر قطعی اثر انداز نہ ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے شرکت عنان میں۔ بعض شرکا، "ترک کام" کی شرط کو جائز رکھا ہے، بلکہ دوسرے شرکا کی بہ نسبت اس کو زیادہ نفع دینا بھی درست قرار دیا ہے، جیسا کہ ذیل کے اقتباسات سے اندازہ ہوگا۔

- بہار شریعت کی یہ فقہی عبارت تو ابھی چند ورق پہلے گزری:

"اگر دونوں (شرکائے عنان) نے اس طرح شرکت کی کہ مال دونوں کا ہوگا، مگر کام فقط ایک ہی کرے گا، اور نفع دونوں لیں گے، اور نفع کی تقسیم مال کے حساب سے ہوگی..........
تو جائز ہے۔" (عالمگیری، درالمختار) (۱)

- ہدایہ میں ہے:

ویصح أن یتساویا فی المال ویتفاضلا فی الربح۔ (۲)	شرکت عنان میں یہ درست ہے کہ دونوں شریکوں کے مال برابر ہوں اور نفع کم و بیش

- امام ابن الہمام علیہ الرحمۃ والرضوان اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(۱) بہار شریعت ص ۲۹ ج ۱۰۔ شرکت عنان کے مسائل، قادری بکڈپو

(۲) ہدایہ ص ۶۲۹، ج ۲، کتاب الشرکۃ۔ اشرفی بکڈپو۔

(قولهٗ: ويتفاضلا، الخ)
ليس على إطلاقه، بل ذلك
فيما إذا شرطا العمل
عليهما .... أو
شرطاه على من شرط له
زيادة الربح ....
..... لأنّ الربح كما يستحق
بالمال، يستحق بالعمل
كما في المضاربة - وقد
يكون أحدهما أحذق
وأكثر عملاً فلا يرضى
بالمساواة فمسّت
الحاجة إلى التفاضل ورأينا
هذا العقد أي شركة العنان
يُشبهُ المضاربة من
حيث أنّهٗ يعمل في مالِ
غيره وهو الشريك ويتربح
به، ويُشبه شركة
المفاوضة إسماً وعملاً

مصنف نے جو یہ فرمایا کہ "نفع کم و بیش ہو سکتا
ہے" یہ مطلقاً، ہر حال میں نہیں ہے
بلکہ یہ اس صورت میں ہے جب کام کرنے کی
شرط دونوں شریکوں پر ہو، یا جس کو زیادہ
نفع دینا طے ہے اس پر کام کی شرط ہو ......
اسلئے کہ نفع کا استحقاق مال کے ذریعہ بھی
ہوتا ہے اور کام کے ذریعہ بھی، جیسے عقدِ مضاربت
میں۔ اور کبھی ایک شریک دوسرے سے
زیادہ ماہر، اور زیادہ کام کرنے والا ہوتا
ہے تو برابر نفع پر راضی نہ ہوگا اس لئے
ضرورت پیش آئی کہ اسے نفع زیادہ دیا
جائے ـــ نیز شرکتِ عنان کا یہ معاہدہ
دو عقدوں کے مشابہ ہے۔ اس حیثیت
سے کہ ایک شریک دوسرے شریک کے مال
میں تجارت کرتا، اور اس سے نفع حاصل
کرتا ہے، "عقدِ مضاربت" کے مشابہ
ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ دونوں شریک
تجارت میں حصہ لیتے اور کام کرتے ہیں
"عقدِ مفاوضہ" کے مشابہ ہے اور

فإنهما يعملان۔ فعملنا	یہ مشابہت نام میں بھی ہے اور کام میں بھی۔
بشبه المضاربة فی اشتراط	تو ہم نے مُضارَبت کی مشابہت پر یوں
الزيادة لأحدهما، وهو	عمل کیا کہ جس شریک پر کام (تجارت)
الذی شرط عمله منفردًا۔	کرنے کی شرط ہے اس کو زیادہ نفع دینا جائز
۔۔۔۔۔۔ وبشبه	قرار دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ اور مُفاوَضہ
المفاوضة، حتی أجزنا	کی مشابہت پر یوں عمل کیا کہ دونوں
شرط العمل عليهما ۔۔۔۔	شریکوں پر کام (تجارت) کرنے کی
۔۔۔۔۔۔۔ إلا أنه يرد	شرط کو درست گردانا ۔۔۔۔۔۔۔ ہاں
ماتقدم من أن المضاربة	اس پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ مضاربت
علی خلاف القياس، فلا يقاس	خلافِ قیاس مشروع ہے لہٰذا اس پر شرکت
عليها، فلا يعتبر شبهها إلا أن	کا قیاس بجا نہیں، یونہی اس کی مشابہت بھی
يمنع ويقال: بل الربح يستحق	معتبر نہیں ـــ مگر یہ اعتراض قابلِ تسلیم نہیں
فی الشرع تارةً بالعمل، و	کیونکہ شریعت میں نفع کا استحقاق کبھی کام
تارةً بالمال، والمشروط	سے ہوتا ہے اور کبھی مال سے۔ اور جس کو زیادہ
له الزيادة مشروطٌ عمله۔	نفع دینا طے ہے اس پر کام کی بھی تو شرط ہے
اھ ملخصا۔ (۱)	(تو کام کرنے کی وجہ سے وہ زیادہ نفع کا حقدار ہے)

- کفایہ شرح ہدایہ میں اُسی عبارت کی شرح کے ضمن میں ہے:

وذکر فی فتاویٰ قاضی خان	امام قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ

(۱) فتح القدیر ص ۲۹۷، ۲۹۸ ج ۵، کتاب الشرکۃ۔ رشیدیہ۔

رحمۃ اللہ علیہما :	میں ہے کہ :
"فإن شرطا المساواۃ فی المال ، واشترطا لأحدھما فضل ربح، إن شرطا العمل علیھما کان الربح بینھما ، علی ما شرطا عملا جمیعًا ، أو عمل أحدھما دون الآخر ۔ فإن شرطا العمل علی المشروط لہ فضل الربح جاز أیضا ، وإن شرطا العمل علی أقلھما ربحًا ، لایجوز ۔ اھ (۱)	اگر دونوں شریکوں نے یہ شرط رکھی کہ مال دونوں کا مساوی ہوگا مگر نفع ایک کو کم اور دوسرے کو زیادہ ملے گا تو اس کی تین صورتیں ہیں ۔ (۱) اگر اس کے ساتھ یہ بھی طے پایا ہو کہ کام دونوں کریں گے تب تو وہ اپنی قرارداد کے مطابق نفع کے حقدار ہوں گے، چاہے کام دونوں کریں یا ایک (۲) اور اگر یہ ٹھہرا ہو کہ جس کو نفع زیادہ ملنا طے ہے وہی کام بھی کرے گا تو بھی یہ معاہدہ درست ہے ۔ (۳) اور اگر کم نفع والے پر کام کی شرط ہو تو یہ صورت ناجائز ہے ۔

ان عبارات سے یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی کہ شرکت عنان میں بعض شرکاء پر کاروبار سنبھالنے اور تجارت کرنے کی شرط ایک جائز شرط ہے جس سے شرکتِ عنان کے تقاضے مجروح نہیں ہوتے بلکہ شرکت بدستور قائم رہتی ہے ، اور اس کی وجہ سے اس کو نفع بھی زیادہ پانے کا حق حاصل ہوتا ہے ۔

---

(۱) الکفایہ ص ۳۹۷ ج ۵، کتاب الشرکۃ ، رشیدیہ ، پاکستان ۔

ہاں اس شرط کے ساتھ اس بات کا لحاظ ضرور ہونا چاہئے کہ کام کرنے والے کا نفع "بے عمل شریک" سے کم نہ ہو، ورنہ یہ بڑی ناانصافی ہوگی کہ اس نے مال بھی تجارت میں برابر لگایا، اور کام بھی کررہا ہے پھر بھی نفع اسی کا کم ہے۔ اسی بے انصافی کی وجہ سے تیسری صورت میں یہ قرارداد ناجائز ہے۔ ورنہ تنہا کسی بھی شریک پر کام کی شرط اصالۃً جائز ہے۔

اس تشریح کی روشنی میں اب کمپنی کے شرکاء کے طریق کار کا جائزہ لیجئے، اس میں یہ تو ہوتا ہے کہ کام کی ذمہ داری ہدایت کار شرکاء کے سر ہوتی ہے مگر ان کا نفع، غیر ہدایت کار شرکاء سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ نفع تو سب کے مساوی ہوتا ہے اور کام کی وجہ سے ان کو "تنخواہ" زائد ملتی ہے۔ جو بلاشبہ انصاف کے قرین و قریب ہے لہٰذا کمپنی کا یہ طریق کار جائز ہے اور شرکتِ حصص "شرکتِ عنان" ہے۔

علاوہ ازیں یہاں عام شرکاء کی وکالت اس حیثیت سے متحقق بھی ہے کہ ان کی وکیل عام "کمپنی" کو مالِ شرکت میں تصرف کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے اور سارا مال بھی اسی کے قبضہ میں ہے، اسی لئے وہ اپنے نائبین کے ذریعہ تجارت کے سب کام کراتی ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ ملازم سے کام کرانا خود کام کرنا ہے تو اس حیثیت سے بھی عمل میں شرکت ہوگئی۔ اور ڈائرکٹرس کو جب تمام شرکاء کے مال سے تنخواہ دی جاتی ہے تو وہ سب ان کے ملازم ہوئے۔

تو عام شرکاء گو ڈائرکٹ نہیں، لیکن اِن ڈائرکٹ وہ وکیل ہوتے ہیں۔

پھر یہ سب کچھ ایک بڑی دشواری کی بناء پر ہے وہ یہ کہ کمپنی کے شیر دار ملک کے اطراف وجوانب میں دور دور تک پھیلے ہوئے رہتے ہیں بلکہ بیرون ملک بھی بہت سے ممالک میں ان کا قیام ہوتا ہے تو اگر وہ مال براہ راست سب کے قبضہ میں دیدیا جائے اور سب بلا واسطہ اس میں تصرف کریں تو سارا مال تباہ و برباد، اور نظامِ شرکت تہ و بالا ہو کر رہ جائے گا۔ جو فائدہ کے بجائے سخت حرج وضرر کا باعث ہو گا۔

پہلے کے فقہائے کرام کے زمانے میں اتنے عظیم پیمانے پر شرکت کا تصور یا کم ازکم رواج نہیں پایا جاتا تھا بس عام طور سے دو چار آدمیوں کے مابین شرکت ہوتی تھی۔ اسی کا ذکر ان کے ارشادات میں ملتا ہے اور "بران ڈائرکٹ وکالت" کے سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر نہیں ملتا، لیکن آج جب شرکت کا کاروبار بے پناہ وسیع ہو چکا ہے اور تمام شرکاء کے ہاتھ میں تجارت کی باگ ڈور دینا اس کی تباہی کو دعوت دینے کے مساوی ہے تو بعض شرکاء کو کام سونپ دینے یا ان ڈائرکٹ وکالت کا طریقہ اب ناگزیر ہے۔ جدید طریقۂ تجارت، میں ہے:

> "کمپنی کا کاروبار عام طور پر بہت بڑے پیمانے پر ہوتا ہے اور یہ خود بھی معنوی شخص کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے یہ خود اپنے کاروبار کا انتظام نہیں کرسکتی، اور کمپنی میں چونکہ بے شمار حصہ داران ہوتے ہیں جو دور دراز ممالک میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ان کے ذریعہ کاروبار چلانا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن بھی ہے، لہٰذا کمپنی کا انتظام حصہ داران

کے چند نمائندے کرتے ہیں۔" (۱۴۸ جلد ۱)

یہ نمائندے کمپنی کے نائب وقائم مقام بھی ہوتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ بعض شرکاء کو تجارت کی ذمہ داری ایک مجبوری کے تحت دی جاتی ہے۔ اور اسی وجہ سے بالواسطہ وکالت کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

دوسرا اشکال اور اس کا حل

کمپنی لا (LAW) کی رو سے مساواتی شیئر دار ایک دوسرے کے کفیل ہوتے ہیں جیسا کہ ہم عنقریب اس کی سند پیش کریں گے، اب اگر کمپنی کی شرکت کو شرکتِ عنان مانیں تو کفالت کی یہ شرط اس کے منافی ہے اور اگر اس کو شرکتِ مفاوضہ قرار دیں جس میں ہر شریک ایک دوسرے کا کفیل ہوتا ہے تو اس پر دوسری جہت سے یہ محظور لازم آئے گا کہ یہاں شرکاء کے مابین مال، نفع، تصرف اور دین و مذہب میں مساوات نہیں ہوتی، جبکہ مفاوضہ میں یہ مساوات ضروری ہے، بلفظ دیگر یہ عناصر اربعہ مفاوضہ کے جوہری ارکان ہیں۔ تو حاصل یہ نکلا کہ کمپنی میں سرمایہ کاری نہ شرکتِ مفاوضہ ہے نہ شرکتِ عنان، بلکہ اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔

لیکن دقتِ نظر سے غور کرنے پر یہ امر اچھی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ شرکتِ حصص میں کفالت کی شرط نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔

علاوہ ازیں کفالت، عنان کے منافی نہیں۔ کیونکہ منافی وہ شرط ہوتی ہے جو شرکت کو ختم کر دے اور کفالت تو شرکت کو اور زیادہ منضبوط

وستحکم بنا دیتی ہے تو یہ شرط شرکت کے موافق ہوئی، نہ کہ منافی۔
مفاوضہ اور عنان کے درمیان فقہائے کرام نے کفالت کے ذریعہ جو فرق بیان کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مفاوضہ کے لئے کفالت شرط ہے اور عنان کے لئے یہ شرط نہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عنان میں اگر کفالت پائی جائے تو شرکتِ عنان، عنان نہ رہ جائے۔ لہٰذا مفاوضہ کا تحقق بغیر کفالت کے نہیں ہوگا لیکن عنان کا تحقق کفالت کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور بغیر کفالت کے بھی۔ جیسے عباداتِ مقصودہ کے لئے نیت شرط ہے تو ان عبادات کا تحقق بغیر نیت کے نہ ہوگا لیکن ان کے علاوہ دیگر اعمال اور وسائل کے لئے نیت شرط نہیں تو ان کا تحقق نیت کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور بغیر نیت کے بھی۔
اب اس کی تائید میں کتبِ فقہ کے چند جزئیات ملاحظہ کیجئے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وَلَوْ ذَكَرَا، الكفالةَ وكانت باقي شروط المفاوضة متوفرةً، إنعقدت مُفاوضةً۔ وإن لم تكن متوفرةً ينبغي أن تنعقد عناناً۔ هكذا في فتح القدير۔ اھ (۱)	اگر دونوں شریکوں نے عقد میں کفالت کا ذکر کیا اور مفاوضہ کی باقی تمام شرطیں موجود ہیں تو یہ شرکت مفاوضہ ہوئی۔ اور باقی تمام شرطیں موجود نہ ہوں تو پھر یہ شرکت عنان ہوئی۔ ایسا ہی فتح القدیر (ص ۳۹۶ جلد ۵) میں ہے۔

(۱) الفتاوی الھندیۃ ص ۳۱۹ جلد ۲، الباب الثالث فی شرکۃ العنان۔ رشیدیہ

نیز اسی فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا یکون فی شرکۃ العنان کل واحد منھما کفیلاً عن صاحبہ إذا لم یذکرا الکفالۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ (۱)

شرکتِ عنان میں کوئی بھی شریک دوسرے کا کفیل نہ ہوگا جب کہ انھوں نے (عقد میں) کفالت کا ذکر نہ کیا ہو۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر عقد میں کفالت کا ذکر ہو تو پھر عنان میں بھی ہر شریک ایک دوسرے کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ رد المحتار میں علامہ شامی نے خانیہ کی خاص اسی عبارت پر یہ نوٹ تحریر کیا۔

ومقتضاہ أنہ یکون کفیلاً إذا ذکر الکفالۃ اھ (۲)

اس کا مقتضا یہ ہے کہ عقد میں کفالت کا ذکر ہو تو شریکِ عنان بھی کفیل ہوگا۔

اور پہلے والے جزئیہ میں تو یہ صراحت ہی موجود ہے کہ عقد میں کفالت کا ذکر ہو اور مفاوضہ کی دوسری تمام شرطیں متحقق نہ ہوں تو وہ عقد، عقدِ عنان ہوگا۔ اور ٹھیک یہی صراحت شامی جلد سوم ص ۳۰۲ میں نہر کے حوالہ سے بھی ہے اور ایسا ہی کفایہ شرح ہدایہ ص ۳۸۲، ۳۸۴ جلد ۵ میں ایضاح کے حوالے سے مذکور ہے۔

نیز شامی میں نہر الفائق کے حوالے سے ہے:

---

(۱) الفتاوی الهندیة ص ۳۲۰ ج ۲، الباب الثالث فی شرکة العنان، رشیدیه

(۲) رد المحتار ص ۳۷۲ ج ۳ مطلب فی شرکة العنان۔ ماجدیه۔

اَلمعتبر فيها أي في العنان عدم إعتبار الكفالة، لا إعتبار عدمها۔ (۱)	شرکتِ عنان میں لحاظ اس بات کا ہے کہ اس میں کفالت کا اعتبار نہیں، نہ یہ کہ عدمِ کفالت کا اعتبار ہے۔

مطلب یہ کہ عنان کے تحقق کے لئے کفالت شرط نہیں، نہ یہ کہ عدمِ کفالت اس کے لئے شرط ہے۔

ہاں اس مقام پر قابلِ غور امر صرف یہ ہے کہ عنان میں کفالت کی شرط مذکور ہو تو خود یہ شرط باطل و کالعدم ہے، یا شرکت کے ساتھ اس کا بھی لحاظ ہوگا۔؟

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتمال دونوں کا ہے اور امام ابن الہمام علیہ الرحمۃ والرضوان نے پہلے والے احتمال کو ترجیح دیا ہے کہ شرط کالعدم ہوگی مگر فتاویٰ خانیہ کا مقتضا یہ ہے کہ دوسرا والا احتمال راجح ہے، چنانچہ خانیہ کی درج بالا عبارت اور اس کا مقتضا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

و هٰذا ترجيحٌ للإحتمال الثاني۔ ولعلّ وجهه أن الكفالة متى ذكرت في عقد الشركة تثبت تبعالها وضمنًا، لاقصدًا۔ لأنّ الشركة لاتنافي الكفالة، بل تستدعيها ۔	یہ دوسرے والے احتمال کی ترجیح ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عقدِ شرکت میں جب کفالت کا ذکر ہو تو وہ شرکت کے تابع ہو کر ضمناً پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ شرکت کفالت کے منافی نہیں، بلکہ یہ تو اس کی مقتضی ہے

(۱) رد المحتار ص ۳۷۲ ج ۳ مطلبٌ في شركة العنان۔ ماجدية۔

لٰكِنّها لا تثبت فيها إلّا باقتضاء اللفظ لها كلفظ المُفاوضَةِ، أو بذكرها في العقد۔ تأمّل (١)

لیکن شرکت میں اس کا ثبوت اسی وقت ہوگا جب کہ لفظ اس کا مقتضی ہو جیسے لفظ "مفاوضۃ" یا "عقد میں کفالت" کا ذکر (تم بھی غور کرلو)

اس تفصیل سے شرکت حصص کی حقیقت شرعیہ بخوبی عیاں ہوگئی، اور ثابت ہوگیا کہ کمپنی میں یہ شرکت شرعی نقطۂ نظر سے شرکتِ عنان ہے۔

شرکتِ حصص کا حکم شرعی

شرکتِ عنان اسلامی نظام تجارت کا ایک جائز کاروبار ہے۔ جیسا کہ احادیث ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔

(١) عن السَّائب بن أبي السَّائب، أنّهُ قال للنبيّ صلّى الله عليه وسلّم: كنتَ شريكي في الجاهليّة فكنتَ خير شريكٍ، لا تُداري، ولا تُماري۔

حضرت سائب بن ابو السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ زمانۂ جاہلیت میں میرے شریک تھے اور بہتر شریک تھے کہ نہ تو کسی بات میں مجھ سے مزاحمت فرماتے، اور نہ ہی لڑائی جھگڑا کرتے۔

—— ٢ ——

(١) ردالمحتار ص ٣٧٣ ج ٣ مطلبٌ في شركة العنان۔ ماجديه

(٢) أبوداؤد، في الأدب، بابٌ في كراهية المراء ص ٣٠٨ ج ٢ ۔ ابن ماجه في البيوع، باب الشركة والمضاربة ص ١٦٦ ۔ المستدرك في البيوع، باب الشركة في التجارة ص ٦١ ج ٢

رواہ أحمد في مسندہ والحاکم في المستدرك، وقال: حدیث صحیح الإسناد۔ (۱)

امام احمد نے یہ حدیث اپنے مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کی اور فرمایا کہ حدیث کی سند صحیح ہے۔

یہی حدیث ذرا تفصیل کے ساتھ ایک دوسری روایت میں یوں منقول ہے۔

عن السائب، أن النبي صلى الله عليه وسلم شاركه قبل الإسلام في التجارة، فلما كان يوم الفتح جاءه فقال النبي صلى الله عليه وسلم: مرحبا بأخي وشريكي، كان لا يداري ولا يماري۔ يا سائب، قد كنت تعمل أعمالا في الجاهلية لا تقبل منك، وهي اليوم تقبل منك، وكان ذا سلف وصدقة۔ (۲)

حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی آمد سے پہلے تجارت میں اُن کے ساتھ شرکت کی تھی، جب فتح مکہ کے دن سرکار کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، "خوش آمدید" میرے بھائی اور میرے شریک۔ تجارت میں میرے ساتھ نہ تم رکاوٹ ڈالتے تھے اور نہ ہی جھگڑتے تھے۔ اے سائب! زمانہ جاہلیت میں تم جو کچھ اچھے کام کرتے تھے وہ مقبول نہ تھے مگر اب آج کے دن سے مقبول ہوں گے۔ حضرت سائب لوگوں کو قرض دیتے اور صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے۔

---

(۱) نصب الرایہ ص ۴۷۲ ج ۳۔

(۲) مسند احمد بن حنبل ص ۴۲۵ ج ۳، ونصب الرایۃ ص ۴۷ ج ۳، کتاب الشرکۃ۔ وفتح القدیر، کتاب الشرکۃ ص ۳۷۷ جلد ۵

دونوں روایتوں میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ اس روایت میں، خیر سگالی اور نرم خوئی کے ساتھ مل جل کر تجارت کرنا، سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد بتایا گیا ہے اور پہلی روایت میں اسے حضرت سائب کا قول بتایا گیا ہے مگر ان دونوں میں کوئی اضطراب یا تعارض نہیں، کیونکہ اس بات کا عین امکان ہے کہ ملاقات کے وقت پہلے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے "خوش آمدید" فرما کر ایک اچھے شریک کی رفاقت کی یاد تازہ کی ہو، پھر حضرت سائب نے سرکار کے متعلق انھیں الفاظ کو دہراتے ہوئے آپ کی بہتر شرکت کا اعتراف کیا ہو۔

اس حدیث کے سلسلے میں حضرت علامہ سہیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اَلروضُ الأنف میں یہ تنقید کی ہے کہ:

"یہ حدیث کثیر الاضطراب ہے، کیونکہ کچھ محدثین نے اسے حضرت سائب سے، اور کچھ نے حضرت قیس بن سائب سے، اور کچھ نے عبداللہ بن سائب سے روایت کیا ہے اور ایسے اضطراب کے ہوتے ہوئے حدیث لائقِ حجت نہیں رہ جاتی، نہ اس سے کچھ ثابت ہوتا ہے۔"(۱)

مگر امام ابن الہمام کمال الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ:

"اس حدیث کو پیش کرنے سے مقصود اگر یہ ہوتا کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے "شریکِ کار" کو متعین طور پر بتا دیا جائے کہ وہ فلاں صاحب تھے، تو علامہ سہیلی کی یہ تنقید بجا ہوتی۔ لیکن ہمارا مقصود تو صرف یہ بتانا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرکت میں تجارت کی، اور یہ بہر حال ثابت ہے گو کہ شریک کوئی بھی ہو۔" (۲)

---

(۱) فتح القدیر ص ۲، ج ۵ کتاب الشرکۃ۔ (۲) ایضاً۔

لہذا یہ حدیث قابل حجت ہے۔

(ب) عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الله تعالى أنا ثالث الشريكين مالم يخن أحدهما صاحبه، فإذا خانا خرجت من بينهما —— (۱) ——
رواه الحاكم في المستدرك وصححه (۲)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کا ثالث رہتا ہوں جب تک ان میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے، اور جب کوئی خیانت کرتا ہے تو میں ان سے الگ ہوجاتا ہوں۔
امام حاکم نے یہ حدیث مستدرک میں روایت کی اور اسے صحیح قرار دیا۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شرکت میں کاروبار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد ان کے شامل حال ہوتی ہے الّا یہ کہ وہ خیانت کا ارتکاب شروع کردیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مدد سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اور شرکت کی برکت اٹھ جاتی ہے۔

(ج) عن زهرة بن معبد أنه كان يخرج به جده

حضرت زہرہ بن معبد فرماتے ہیں کہ میرے دادا عبد اللہ بن ہشام مجھے

---

(۱) أبوداؤد، كتاب الشركة ص ١٢٤ ج ٢ - المستدرك، باب الشركة في التجارة ص ٥٢ ج ٢ - مشكوة المصابيح، باب الشركة والوكالة ص ٢٥٤ -
(۲) نصب الراية ص ٤٧٤ ج ٣ كتاب الشركة -

عَبْدُاللہ بن ھشام إلی السوق	بازار لے جاتے اور غلہ خریدتے، تو حضرت
فیشتری الطعام ، فیلقاہ	ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ
ابن عمر و ابن الزبیر،	عنہما ان سے ملتے اور فرماتے کہ :
فیقولان لہ : "أشرکنا"	" ہمیں بھی شریک کر لو "
فإنّ النّبیّ صلی اللہ علیہ	کیونکہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہارے
وسلّم قد دعا لک	لئے برکت کی دعا فرمائی ہے تو وہ ان
بالبرکۃ ، فیشرکھم،	دونوں حضرات کو بھی شریک کر لیتے ۔ اور
فربّما أصاب الرّاحلۃ	بسا اوقات ایک پورا اونٹ نفع میں مل جاتا
کما ھی ، فیبعث بھا إلی	اور اسے گھر بھیج دیا کرتے ۔
المنزل ۔	

و کان عبد اللہ بن ھشامٍ	حضرت عبد اللہ بن ہشام کو ان کی والدہ
ذھبت بہ أُمّہٗ إلی النّبیِ	ماجدہ (زینب بنت حُمید ان کے بچپن
صلی اللہ علیہ وسلم فمسح	میں) نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
رأسہٗ و دعا لہٗ بالبرکۃ ۔	کی بارگاہ میں لے گئی تھیں تو سرکار نے ان کے سر پر
رواہ البخاری ۔ (۱)	ہاتھ پھیرا تھا، اور دعائے برکت فرمائی تھی (بخاری شریف)
(د) بُعث رسول اللہ صلی	اللہ کے رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس
اللہ علیہ وسلم ، والنّاس	زمانے میں مبعوث ہوئے تھے لوگ شرکت عنان

---

(۱) مشکوۃ المصابیح ، باب الشرکۃ والوکالۃ ص ۲۵۴ وصحیح البخاری باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ ص ۳۴۰ ، ۱۷۰ ۔

يتعاملون بهذه الشركة فقررهم على ذلك، حيث لم ينههم، ولم ينكر عليهم، والتقرير أحد وجوه السنة۔(۱)

کے طور پر کاروبار کرتے تھے تو آپ نے ان کی یہ شرکت برقرار رکھی، نہ انھیں اس سے روکا، اور نہ ہی اسے ناپسند فرمایا۔ اور یہ برقرار رکھنا بھی ایک طرح کی سنتِ رسول ہے۔

امام ملک العلماء ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"شرکتِ عنان جائز ہے کیونکہ اس پر تمام بلاد کے فقہاء کا اجماع ہے اور ہر زمانے میں اس پر مسلمانوں کا عمل درآمد رہا ہے اور مسلمان جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے" (۲)

ان تفصیلات سے روز روشن کی طرح یہ ثبوت فراہم ہو گیا کہ شرکتِ عنان جائز و درست ہے اور جیسا کہ تفصیل سے بیان ہوا کمپنی کے مساواتی حصص کا کاروبار بھی شرکتِ عنان ہی ہے اس لئے دلیل کا مقتضا یہ ہے کہ اسے بھی جائز قرار دیا جائے۔

اگر بات انھیں معاہدات تک محدود ہوتی تو یقیناً یہ شرکت تمام علمائے اسلام کے نزدیک بالاتفاق جائز ہوتی اور اس میں کسی کا اختلاف نہ ہوتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان جائز معاہدات کے پسِ پشت ناپاک اور ناجائز

---

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الشرکۃ ص ۵۸ ج ۶۔

(۲) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الشرکۃ ص ۵۸ ج ۶۔

شرطوں کا پیچ در پیچ ایسا لمبا جال پھیلا ہوا ہے کہ ایک پھندے سے کسی طرح نجات حاصل کیجئے تو دوسرے پھندے میں گردن پھنس جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شرکتِ حصص کے جواز کی راہ میں بہت سے قوی اشکالات حائل ہیں جنھیں حل کئے بغیر جواز کا موقف اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے آئیے اب ہم ان اشکالات کو سمجھیں، اور ممکن ہو تو ان کا حل فراہم کریں۔

پہلا اشکال

مساواتی حصص میں گو نفع و نقصان میں برابر کی شرکت ہوتی ہے لیکن یہ اپنے ساتھ سودی قرض کی پیچیدگی لئے ہوئے ہیں جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے:

" کمپنی اپنے حصص کا اجرار قرض تمسکات سے منسلک کر کے کرتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو شخص صرف حصص میں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہے اسے کمپنی کے حصص کے ساتھ قرض تمسکات بھی لازماً، بادلِ ناخواستہ لینے پڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں کمپنی اسنادِ حصص، اور قرض تمسکات الگ الگ جاری کرتی ہے"۔ (کمپنی میں سرمایہ کاری)

"قرض تمسکات ایک کمپنی کو دیے ہوئے قرضے کی تحریری رسید ہوتے ہیں جن پر کمپنی کی مہر خاص ہوتی ہے، اس رسید میں قرضہ کی رقم بشرح سود، رقم کی ادائیگی، اس کی مدت اور دیگر تفصیلات درج ہوتی ہیں" (۱)

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ مساواتی حصص کے خوشنما گلوب میں

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت ص ۱۹۶ حصہ ا

سود کا منحوس و کریہہ المنظر عفریت بھی چھپا ہوا ہے جو سامنے سے حصص کو مزین کرتا ہے اور اندر سے اسے ناپاک کرتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں مساوی حصص کے ذریعہ کمپنی میں شرکت جائز نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ شرکت سودی قرض یعنی آلودگی کے بغیر ممکن نہیں اور یہ آلودگی بلاشبہ ناجائز ہے تو جو چیز اس آلودگی کا ذریعہ بنے گی وہ بھی ناجائز ہو گی۔ چنانچہ مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے:

تحصیلُ اَسبابِ الواجبِ واجبٌ وتحصیل أسبابِ الحرامِ حرامٌ بالاجماعِ۔ أی قد أجمع علیٰ وجوب أسباب الواجب، وحرمةِ أسبابِ الحرامِ لِئلّا یلزم التّکلیفُ بالمحال (۱) اھ	اسبابِ واجب کو حاصل کرنا بالاجماع واجب، اور اسبابِ حرام کو حاصل کرنا بالاجماع حرام ہے یعنی اسبابِ واجب کے وجوب اور اسبابِ حرام کی حرمت پر اجماع ہے تاکہ محال کا مکلّف بنانا نہ لازم آئے۔

اسی لئے زنا کے قریب جانے سے روکا گیا کہ قریب جانا زنا میں ملوث ہونے کا ذریعہ ہے، ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا، اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً۔ (۳۲۔ اسراء ۱۷)

نیز ارشادِ باری ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (۱۵۱۔ انعام ۶)

---

(۱) فواتح الرحموت مع مسلم الثبوت ص ۹۵ ج ۱ مکتبۃ التراث، ملتان۔

لہٰذا شرکتِ حصص سود کی نجاست سے آلودگی کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

حل اب شرکتِ حصص سود کی نجاست سے آلودگی کا ذریعہ نہ رہی، زمانے کے بدلنے کے ساتھ قانون میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، یہاں کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ لازمی طور پر کمپنی کو قرض دینے کا قانون ختم ہوچکا ہے۔

میں نے عروس البلاد بمبئی کے شیر داروں، بیرسٹروں اور دلّالوں سے اس سلسلے میں دریافت کیا تو سب نے بیک زبان یہی جواب دیا کہ:

"شیر دار پر کمپنی کو قرض دینا لازمی نہیں ہے، وہ اپنے طور سے قرض دے تو الگ بات ہے"

. . . .

. . . .

. . . . اس لئے آج کے زمانے میں شرکتِ حصص پر یہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔ اب وہ سود سے پاک ایسی شرکت ہے جس کا جواز احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

دوسرا اشکال کمپنیاں اپنے کاروبار میں حصص سے غیر منسلک سودی قرض کا بھی استعمال کرتی ہیں جس کی مختلف شکلیں ہیں، مثلاً:

- بینکوں سے حاصل کیا جانے والا قرض۔

- ڈبینچرس جنھیں قرض تمسکات بھی کہا جاتا ہے۔
- ترجیحی حصص۔ ان کی حقیقت بھی سودی قرض کی ہی ہوتی ہے جیساکہ اس کی تفصیل گزری۔

حصص سے منسلک قرض خود حصہ دار، یا شریک کو دینا پڑتا ہے اس لئے اسے اختیار ہوتا ہے کہ سود پر قرض نہ دے لیکن قرض تمسکات کے عوامی اجراء، ترجیحی حصص اور بینک سے لین دین میں غیر شرکاء سود پر قرض دیتے ہیں اور کمپنی اس سے سرمایہ کاری کرتی ہے، اس سود کی ناپاکی سے کوئی بھی شریک اپنے آپ کو کیسے محفوظ رکھ سکے گا۔؟

بلفظ دیگر یوں سمجھئے کہ شرکتِ عنان میں ہر شریک دوسرے کا وکیل، اور خود مؤکل ہوتا ہے، یہی حال کمپنی کے شرکائے عنان کا بھی ہے۔ البتہ جب یہ شرکاء کثرتِ رائے سے ہدایت کاروں (ڈائرکٹرس) کی انجمن تشکیل دے کر کمپنی کے امور کی ذمہ داری انھیں سونپ دیتے ہیں تو یہ وکیل نہیں رہ جاتے اور اب وکیل صرف "ہدایت کار انجمن" ہوتی ہے۔ اور یہ شرکاء صرف مؤکل ہوتے ہیں۔ اور وکیل کا فعل چونکہ مؤکل کا ہی فعل ہوتا ہے اس لئے کمپنی کا سودی قرض لینا نہ صرف کمپنی کا فعل ہے بلکہ اس کے مؤکل ان شرکاء کا بھی فعل ہے اس کی ذمہ داری دونوں کے سر یکساں طور پر عائد ہوتی ہے جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے ثابت ہوتا ہے۔

- لَوِ استقرض أحدُ شریکَیْ العنان مالاً للتجارۃ لزمھما — عقد عنان کے شریکین میں سے ایک نے تجارت کے لئے کوئی مال قرض لیا تو وہ دونوں کے

لأنّه تمليك مالٍ بمالٍ،	ذمہ لازم ہوگا۔ اس لئے کہ یہ مال کے بدلے میں مال
فكان بمنزلة الصرف اھ (۱)	کا مالک بنانا ہے تو یہ بیع صرف کے درجہ میں ہے۔
• وكلّ دين لزم أحدهما	ایک شریکِ عنان کے ذمہ تجارت یا قرض
بتجارة أو استقراضٍ لزم الآخر	لینے کے سبب جو دَین لازم ہوگا وہ دوسرے
اھ ملخصًا۔ (۲)	شریک پر بھی لازم ہوگا۔

• حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں:

(قوله: واستقراضٍ)	ایک شریک کے قرض لینے سے دونوں کے ذمہ اس
هو ظاهر الرواية۔ بحر اھ (۳)	کا لزوم ظاہر الروایہ ہے (بحر الرائق)
• في الحامدية عن محيط	حامدیہ کی فصل مایجوز لأحد شریکیْ العنان
السرخسي في فصلِ "مايجوز لأحد	میں محیط سرخسی کے حوالے سے ہے کہ اگر دو شریکوں
شريكيْ العنان"، لو استقرض	میں سے ایک نے کوئی مال قرض لیا تو دونوں پر
أحدهما مالاً لزمهما، لأنّ	لازم ہوگا۔ اس لئے کہ قرض کا لین دین معنی کے
الإستقراض تجارة ومبادلة	لحاظ سے مال کا تبادلہ و تجارت ہے کیونکہ
معنىً۔ لأنّه يملك المستقرض	قرض لینے والا مالِ قرض کا مالک ہو جاتا ہے اور
ويلزمه ردّ مثله۔ فشابه	اس پر اسی کے مثل مال کی واپسی لازم ہوتی ہے،
المصارفة، أو الإستعارة	تو اس طرح سے یہ عقدِ صرف یا عقدِ اعارہ کے

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان ص ۹۰۷ ج ۴۔ نول کشور

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار ص ۳۲۹ ج ۳ نعمانیہ۔

(۳) رد المحتار ص ۳۲۹ ج ۳ مکتبہ نعمانیہ

وأيُّهُمَا كان نفذ على صاحبه ام ومثله في الولوالجية، وكذا في الخانية من فصل شركة العنان - ام (۱)

مشابہ ہے اب یہ دونوں میں سے جو عقد بھی ہو اس کے ساتھی کے حق میں بھی نافذ ہوگا۔ اسی کے مثل ولوالجیہ میں ہے، ایسا ہی خانیہ کی فصل شرکۃ العنان میں بھی ہے۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ شرکائے عنان میں سے ایک نے تجارت کے لئے کچھ مال قرض لیا تو یہ قرض دونوں شریکوں کے ذمہ لازم ہوگا یہی ظاہر الروایہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض اپنے انجام کار کے لحاظ سے تجارت بلفظِ دیگر عقدِ صرف ہے اور تجارت یا عقدِ صرف کے لئے وکیل بنانا جائز ہے لہٰذا یہ قرض دونوں پر لازم ہوگا کہ قرض لینے والا اپنی طرف سے اصیل ہے، اور اپنے شریک کی طرف سے وکیل۔

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ قرض کا سود ایسا متعدی مرض ہے جس کے اِنفیکشن سے کمپنی کا کوئی حصہ دار، یا شریک نہیں بچ سکتا۔ اور اس ابتلائے عام کا سبب چونکہ کمپنی کی سرمایہ کاری ہے لہٰذا شرکتِ حصص حرام و گناہ ہوتی۔

حَلّ (۱) اگر یہ قول مُفتیٰ بہ ہو کہ ایک شریک جو قرض لے گا وہ دوسرے کے ذمہ بھی لازم ہوگا ـــــ تو پھر اشکالِ مذکور کا واقعۃً کوئی حل نہیں، سوائے اس کے کہ یہ بتا دیا جائے کہ یہ حرمت

---

(۱) رد المحتار ص ۳۴۳ ج ۳ - فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ۔ نعمانیہ -

صرف فعل تک محدود ہے، تجارت اور اس کے نفع میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ یعنی کمائی حلال ہو گی، رزق حلال ہوگا، البتہ شریک بنا جو ایک فعل ہے یہ حرام و گناہ ہوگا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ حرام کی تین قسمیں ہیں:

حرام لعینہٖ ، حرام لغیرہٖ وصفی ، حرام لغیرہٖ مجاوِر

حرام لعینہٖ : وہ کام ہے جس کی ذات (وضعی یا شرعی) میں قبح پایا جائے۔ بلفظ دیگر وہ کام خود اپنی ذات کے لحاظ سے حرام ہو، جیسے زنا کاری، لواطت، چوری، غصب، رشوت، سود، جھوٹ، غیبت کفر، شرک وغیرہ۔

حرام لغیرہٖ وصفی : وہ کام ہے جس کی ذات میں کوئی قبح نہ پایا جائے، بلکہ قبح ایک دوسری چیز میں ہوتا ہے جو اس کام کے وصف کی حیثیت سے اس کو لازم ہوتا ہے، اور کبھی اس کام سے اس کا انفکاک نہیں ہوتا۔ جیسے قربانی کے دنوں میں روزہ۔ کہ عام دنوں میں روزہ نہ صرف مشروع، بلکہ خدائے پاک کی بڑی عبادت ہے، لیکن قربانی کے دنوں میں روزہ اس وجہ سے حرام ہے کہ یہ دن خدائے پاک کی طرف سے بندوں کی ضیافت کے ہیں اور روزہ رکھنے کا معنی اس ضیافت سے اعراض ہے، اور اعراض کا یہ قبح روزے کے وصف کی حیثیت سے اسے لازم ہے کیونکہ وقت روزہ کی تعریف کا جزء ہے اور جزء کا وصف کُل کا وصف ہوتا ہے۔

حرام لغیرہٖ مجاوِر : اس کا مفہوم وہی ہے جو "حرام لغیرہٖ وصفی" کا ہے۔ دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ اس تیسری قسم میں قباحت امر مشروع

کو وصف کی حیثیت سے لازم نہیں ہوتی صرف اس کے قرین ومجاور ہوتی ہے اور اس امر سے قبح کا انفکاک بھی ممکن ہوتا ہے۔ جیسے اذانِ جمعہ کے وقت خرید و فروخت۔ کہ خرید و فروخت اپنی ذات کے لحاظ سے مشروع ہے۔ اس میں کوئی قبح نہیں، لیکن یہ مشروع کام چونکہ سعی جمعہ میں تاخیر کا سبب ہے اس وجہ سے ناجائز ہے مگر اس کے ذریعہ حاصل کیا ہوا مال حلال وطیب ہے۔ اس مثال میں "سعی جمعہ میں تاخیر" قبحِ مجاور ہے کیونکہ بیع سے اس کا انفکاک ہو جاتا ہے، مثلاً اگر اذانِ جمعہ کے وقت خرید و فروخت اس طرح ہو کہ بائع اور مشتری دونوں مسجد جا رہے ہوں اور اسی حال میں بیع و شراء کرلیں تو اس صورت میں بیع کو یہ قبح عارض نہ ہوگا کہ بیع کی وجہ سے سعی میں کوئی تاخیر نہ ہوئی۔ (۱)

کمپنی میں سرمایہ کاری کا تعلق حرام کی تیسری قسم "قبیح لغیرہ المجاور" سے ہے، کیونکہ کمپنی حصص اور قرض کے ذریعہ جو مال حاصل کرتی ہے خود وہ مال حلال وطیب ہے۔

پھر اس مال کے ذریعہ جو تجارت یا خرید و فروخت ہوتی ہے وہ بھی جائز ودرست ہے، خود اس کی ذات میں کوئی قبح نہیں کہ حلال و مملوک مال کا تبادلہ حلال و مملوک مال سے اس طور پر ہوا کہ اس میں کوئی شرط فاسد نہیں ہے، بلکہ یہاں سرے سے کوئی شرط ہی نہیں ہے، نہ فاسد، نہ غیر فاسد۔ اور

---

(۱) ماخوذ از نور الانوار ص ۹۹، مبحث النہی، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی۔

"سود" کی شرط فاسد تو عقد قرض کے لئے ہے، عقد بیع کے لئے نہیں۔ تو کمپنی سرمایہ حصص و قرض سے جو تجارت کرتی ہے وہ سود کی شرط فاسد سے پاک وصاف ہے۔

لہٰذا حصص و قرض کے ذریعہ حاصل کیا ہوا مال حلال، تجارت حلال، اس سے جو نفع ہوا وہ بھی حلال۔

ہاں سود کی شرط پر قرض لینا، دینا، اور صرف نفع کی شرط پر ترجیحی حصص حاصل کرنا حرام ہے یعنی عملِ حصول حرام ہے لیکن ان ذرائع سے حاصل کیا ہوا نفع حرام نہیں کہ یہ مال ابھی نہ تو سود ہے، اور نہ ہی وہ طے شدہ نفع ہے۔ تو مال کی ذات خالص حلال ہوئی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"بے ضرورت سود دینا اگرچہ حرام ہے مگر وہ روپیہ کہ اس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو حلال ہے فانّ الخبث فیما اعطیٰ، لافیما اخذ۔ وھٰذا ظاھر جدّا ۔ اھ (۱)

پھر مقررہ میعاد پر قرض دہندہ کو سود دینا، اور اسے سود لینا یونہی ترجیحی حصص کا مشروط نفع لینا، دینا یہ حرام ہے۔ تو یہ حرمت کمپنی کی تجارت میں نہیں بلکہ اس سے مجاور ایک دوسری چیز میں ہے اور وہ ہے "شرطِ فاسد، اور ناجائز نفع و سود کا لین دین" اس لئے کمپنی کی تجارت "حرام لغیرہٖ مجاور" ہوئی۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۳۱ جلد ۸، کتاب الغصب، سُنی دارالاشاعت۔ مبارکپور

البتہ خود، سود، کا لینا، دینا حرام لعینہٖ ہے، اور یہ مال، مالِ خبیث۔ یونہی ترجیحی حصص میں طے شدہ نفع لینا، دینا بھی حرام ہے اور یہ مال بھی مالِ خبیث۔

اس تجزیہ سے کمپنی میں سرمایہ کاری کا حکم عیاں ہو کر یہ سامنے آیا کہ سرمایہ کاری تو فی نفسہٖ جائز ہے، حلال ہے۔ لیکن کسی حصہ دار کے لئے صرف نفع، اور قرض پر سود کی شرط، پھر بعد میں نفع اور سود کا لین دین یہ ناجائز ہے۔ فی نفسہٖ سرمایہ کاری کے جواز کا فائدہ صرف یہ ہے کہ اس سے شرکا کو جو نفع حاصل ہوگا وہ ان کے لئے مالِ حلال و طیب ہوگا، اگرچہ ایک امر عارض کی وجہ سے فعلِ شرکت ناجائز ہوگا۔ جیسے اذانِ جمعہ کے وقت خرید و فروخت سے حاصل کیا ہوا مال حلال و طیب ہے مگر نفس فعل یعنی خریدنا، بیچنا ناجائز ہے، یا جیسے حیض و نفاس کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع بوجہ امرِ عارض ناجائز ہے لیکن اس جماع سے اگر کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہے۔

حل (۲) یہ گفتگو بطور تنزل اس تقدیر پر تھی کہ شرکتِ عنان میں کوئی بھی شریک تجارت کے لئے جو قرض لے گا وہ دوسرے شریک کا بھی قرض لینا قرار پائے گا، اور اس کی ادائیگی اس کے ذمہ بھی لازم ہوگی۔

مگر یہ مذہب کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے۔ اور اس کے بالکل برخلاف مذہب کا ایک دوسرا قول یہ ہے کہ شریک کو اپنے دوسرے شرکا کی طرف سے قرض لینے کا قطعی اختیار نہیں ہے اور یہی قول اصولِ مذہب کے

مطابق ہے تو گو کہ کمپنی یا ہدایت کار انجمن حصہ داروں کی وکیل عام ہے لیکن اس عموم میں قرض لینا شامل نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے :

وَإِنْ وَكَّلَ وَاحِدٌ منهما (أي من شريكي العنان) صاحبَهُ بالإستدانةِ لا يصح الأمرُ، ولا يملك الإستدانة على صاحبه - ويرجع المقرض عليه، لا على صاحبه. لأنّ التوكيلَ بالإستدانة توكيلٌ بالاستقراض وَالتَّوكيلُ بِالإستقراضِ باطلٌ - لأنّه توكيلٌ بالتكدّي اھ (۱)	شرکائے عنان میں سے ایک نے دوسرے کو دَین لینے کا وکیل بنایا تو یہ وکالت صحیح نہیں ہے اور وہ وکیل اپنے رفیقِ کار شریک کے ذمہ دین لینے کا مالک نہیں اور قرض دہندہ اسی وکیل سے قرض واپس لے گا، اس کے شریک سے قرض واپس لینے کا استحقاق اسے نہ ہوگا۔ اس لئے کہ دین لینے کی توکیل، قرض لینے کی توکیل ہے اور قرض لینے کی توکیل باطل ہے کیونکہ یہ عطیہ بھیک مانگنے کی توکیل کی طرح ہے جو باطل ہوتی ہے۔

اسی فتاویٰ قاضی خاں میں دوسرے مقام پر ہے۔

ولو أقرّ أحد الشريكين أنّه استقرض من فلان ألفا للتجارتهما يلزمه خاصّة۔ وكذا لو أذن كل واحد	دو شریکوں میں سے ایک نے یہ اقرار کیا کہ اس نے مشترکہ تجارت کے لئے فلاں سے ہزار روپے قرض لئے ہیں۔ تو یہ قرض، خاص قرض لینے والے پر لازم ہوگا۔ یونہی اگر شریکین

(۱) فتاویٰ قاضی خان ص ۹۰۶ ج ۴، فصل فی شرکۃ العنان۔ نول کشور۔

منهما الصاحبه بالإستدانة عليه يلزمه خاصة، حتى يكون للمقرض أن يأخذه منه، وليس له أن يرجع على شريكه لأن التوكيل بالإستقراض باطل فيستوي فيه الإذن وعدم الإذن اھ (۱)

میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنے ذمہ قرض لینے کی اجازت دے دی ہو تو بھی قرض، خاص قرض لینے والے پر ہی لازم ہوگا، لہذا قرض دہندہ اپنے مستقرض سے قرض وصول کرے گا، اور اسے یہ اختیار نہ ہوگا کہ مستقرض کے شریک (مؤکل) سے قرض واپس لے۔ اس لئے کہ قرض لینے کی توکیل باطل ہے تو اس کے لئے اجازت اور عدم اجازت سب یکساں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ألتوكيل بالإستقراض باطل، حتى لا يثبت الملك للموكل اھ (۲)

قرض لینے کے لئے وکیل بنانا باطل ہے۔ لہذا قرض کا مالک وکیل ہوگا، نہ کہ مؤکل۔

ردالمحتار میں اس سلسلے میں یہ سند پیش کی:

قال في الولوالجية: وإن أذن كل منهما لصاحبه بالإستدانة عليه لزمه

فتاوی ولوالجیہ میں ہے کہ اگر شرکتِ عنان کے حصہ داروں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنے لئے قرض لینے

---

(۱) فتاوی قاضی خاں ص ۶۰۷ ج ۴، فصل فی شرکۃ العنان۔ نول کشور

(۲) ہدایہ ص ۱۶۵ ج ۳ قبیل باب الوکالۃ بالبیع والشراء۔ رشیدیہ۔

خاصّةً، فكانَ لِلمُقرِضِ أن يّاخذهُ منه، وليس له أن يرجع على شريكهِ وهو الصحيح۔ لأنّ التوكيل بالاستقراض باطلٌ۔ فصار الإذنُ وعدمُه سواءً

ام (۱)

کی اجازت دے دی ہو تو بھی قرض، بالخصوص مستقرض پر ہی لازم ہوگا، اور قرض دینے والا اُسی سے اپنا حق وصول کرے گا، اس کے شریک سے اسے لینے کا اختیار نہ ہوگا اس لئے کہ قرض لینے کی توکیل باطل ہے تو اجازت اور عدم اجازت سب برابر ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین علمائے اعلام نے اس موقف پر یہ شہادتیں فراہم کیں۔

• أحدُ شريكيْ العنان إذا أقرّ أنّهُ استقرض من فلان ألف درهم لتجارتهما لزمهُ خاصّةً، كذا في المحيط

ام (۲)

شرکتِ عنان کے دو شریکوں میں سے ایک نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے مشترکہ تجارت کے لئے فلاں شخص سے ایک ہزار روپے قرض لئے ہیں تو وہ روپے خاص طور سے اسی پر لازم ہوں گے۔ ایسا ہی محیط میں ہے۔

• فإن أذنَ كلُ واحدٍ منهما صاحبَهُ بالاستدانة

دونوں شرکائے عنان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنے ذمہ قرض لینے کی اجازت

---

(۱) ردالمحتار ص ۳۵۳ ج ۳ فصلٌ فی الشرکۃ الفاسدۃ۔ نعمانیہ۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری ص ۳۲۴ ج ۲۔ الفصل الثالث فی تصرف شریکیِ العنان۔ مکتبہ ماجدیہ۔

علیہ لزمہ خاصۃ حتّٰی کان للمُقرض أن یأخذ منہ، ولیس لہ أن یرجع علٰی شریکہ، وھوالصحیح،کذا فی المضمرات، وھٰکذا فی المحیط، وفتاوٰی قاضیخان اھ (۱)	دے دی تو وہ خاص طور سے قرض لینے والے کے ذمہ ہی لازم ہوگا، لہذا قرض دینے والا اسی سے واپس لے گا۔ اس کے شریک سے واپس نہیں لے سکتا۔ یہی صحیح ہے۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے اور یونہی محیط اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ان تمام عبارات کا ماحصل یہ ہے کہ قرض لینے کے لئے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں، لہذا اگر کسی شریک یا اجنبی نے دوسرے شریک یا اجنبی کو اس کام کے لئے وکیل بنایا تو یہ وکالت باطل ہوگی۔ عامۂ کتبِ معتمدہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے۔

اس کی علت یہ ہے کہ قرض ابتداءً ایک طرح کا احسان اور تبرع ہے اور احسان و تبرع میں وکالت یا نیابت درست نہیں ہوتی، جیسے بھیک یا عطیہ مانگنے کے لئے وکالت صحیح نہیں ہوتی کہ یہ بھی از قسم تبرع و احسان ہے۔

اور قول اوّل کی دلیل میں جو یہ پیش کیا گیا کہ "قرض، انتہاءً تجارت ہے کیونکہ مثل قرض کی واپسی کے وقت مُبَادَلَۃُ المَالِ بِالمَالِ متحقق ہو جاتا ہے، لہذا یہ "بھیک" کی طرح کوئی احسان نہیں ہے بلکہ عقد صرف کی طرح ایک بیع ہے جس کے لئے توکیل بالاتفاق درست ہوتی ہے ـــــ

(۱) فتاویٰ عالمگیری ص ۳۲۵ جلد ۲، الفصل الثالث فی تصرف شریکی العنان - مکتبہ ماجدیہ

یہ صحیح نہیں کیونکہ جب ابتداءً میں قرض کی حیثیت بالاتفاق تبرع واحسان کی ہے تو ابتداء میں ہی اس کے لئے توکیل باطل ہوگئی اور بطلان کے بعد اس کی تصحیح ناممکن ومحال ہے اسی لئے صاحب فتاویٰ ولواجیہ، ومضمرات ومحیط، وقاضی خان نے اسی کو صحیح بتایا، خاتم الفقہاء حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ترجیح دیا، اور اسی کو فقیہ فقید المثال امام احمد رضا قدس سرہٗ نے مختار للفتویٰ مانا، اور یہی اصول مذہب کے مطابق ہے جیساکہ امام فقیہ النفس قاضی خاں اور صاحب ولوالجیہ کی تعلیل سے ظاہر ہے اور جیساکہ عامۂ کتب مذہب میں باب الوکالۃ میں اس کی تصریح ہے۔

حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی خداداد فقہی بصیرت سے اس مسئلے کے دونوں اقوال میں محاکمہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قلتُ: ویظهر من هذا أنّ فی المسئلة قولین۔ أحدُهما: ما مرّ عن المحیط من أنّ لکلّ من شریکیْ العنان الاستقراض، لأنّه تجارة أی مبادلة معنیً۔ والثانی: عدم الجواز ولو بصریح الإذن، وهو الصحیح، لِمُوافقته لقولهم	میں کہتا ہوں کہ ان عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسئلے (توکیل بالاستقراض) میں دو قول ہیں۔ ایک قول تو وہ ہے جو محیط کے حوالہ سے گزرا کہ دونوں شرکائے عنان کو مشترک قرض لینے کا اختیار ہے اس لئے کہ یہ معنیً تجارت ہے یعنی مال کا مال سے تبادلہ ہے ـــــ دوسرا قول عدم جواز کا ہے کہ ایک شریک کی صریح اجازت کے باوجود بھی دوسرے کو قرض لینے کا اختیار نہیں

"أنّ التوكيل بالاستقراض	اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ فقہائے کرام کے
باطلٌ ، لأنّہٗ توکیلٌ	اس ارشاد کے موافق ہے کہ "توکیل
بالتکدّی۔	بالاستقراض " باطل ہے۔ اس لئے کہ عطیہ
وبیانہٗ أنّ الإستقراضَ	وبھیک مانگنے کے لئے وکیل بنانے کی طرح ہے۔
تبرّعٌ إبتداءً فکانَ فی	اس کی توضیح یہ ہے کہ قرض لینا ابتداءً تبرع ہے
معنی التکدّی أی الشحاذۃ۔	تو یہ عطیہ یا بھیک مانگنے کے معنی میں ہوا۔
ویتفرّع علٰی ذلک أنّہٗ	اس اختلاف کی بنیاد پر یہاں یہ مسئلہ متفرع
لو استقرض بالإذن، وھلك	ہوتا ہے کہ اگر ایک شریک نے دوسرے شریک کی
القرض یھلك علیھما علٰی	اجازت سے مشترک قرض لیا اور وہ قرض ہلاک
القول الأوّل ۔	ہوگیا تو قول اول کے مطابق یہ دونوں شریکوں کا
وعلی الثانی یھلك علٰی	مال ہلاک ہوا۔ اور قول دوم کے لحاظ سے صرف
المستقرض ۔	قرض لینے والے کا ہلاک ہوا۔
لکن لایخفی أنّ ھٰذا الإبانی	یہاں یہ امر واضح رہے کہ جواہر کے حوالے سے
مامرّ عن الجواھر لأنّ ما	پہلے جو بیان ہوا کہ قرض لینے والا مال شرکت سے
استقرضہٗ أحدھما یملکہٗ	قرض کی مقدار رقم وصول کرے گا، یہ قول صحیح کے

ے جواہر کی اصل عبارت یہ ہے تصرف أحدُ الشریکین، فقال ذوالید: قد استقرضتُ ألفًا فالقولُ لہٗ إن المال فی یدہٖ شریکین میں سے ایک تجارت کرتا ہے ...... اور جس کے قبضہ میں مال ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک ہزار روپے قرض لیا ہے تو اگر مال اس کے قبضہ میں ہے تو اسی کے قول پر فیصلہ ہوگا یعنی مالِ مقبوض سے ایک ہزار روپے وہ قرض کے لے لے گا۔ ۱۲ منہ۔

المستقرض لعدم صحة الإذن فينفذ عليه۔ فإذا أخذ المال ووضعه في مال الشركة وكان المال في يده يصدق، فله أخذ نظيره لما قدمه المصنف أن الشريك أمين في المال فيقبل قوله بيمينه وأما قوله: وليس له أن يرجع على شريكه، فذاك فيما إذا هلك القرض تلاينا في قبول قوله، أن بعض هذا المال قرض، و أراد أخذ نظيره، إذ لا رجوع في ذلك على الشريك۔ هذا ما ظهر لي في هذا المقام فاغتنم تحريره، والسلام۔ (۱)

منافی نہیں ہے کیونکہ جس شریک نے قرض لیا ہے وہی تنہا اس کا مالک ہے۔ آخر جب قرض لینے کے لئے اس کے ساتھی کی اجازت صحیح نہیں تو قرض اسی کے ذمہ لازم ہوگا، اور اس نے قرض لے کر اسی مال شرکت میں ملا دیا، اور وہ مال اسی کے قبضہ میں ہے بھی، تو اسے اپنے قول میں صادق گردانا جائے گا، اور اسے یہ اجازت ہوگی کہ مال مقبوض سے مثل قرض نکال لے۔ دلیل وہی ہے جو حضرت مصنف علیہ الرحمہ پہلے بیان کر آئے کہ شریک مال مقبوض میں امین ہے لہٰذا اس کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا۔ اور یہ بات کہ مستقرض کو اپنے شریک سے واپس لینے کا اختیار نہیں ہے۔ (جیساکہ خانیہ اور ردالمحتار میں ہے) یہ اس صورت میں ہے جب کہ مال قرض ہلاک ہوگیا ہو، لہٰذا یہ حکم مستقرض کے اس دعوے کو ماننے سے مانع نہ ہوگا کہ اس کے پاس جو مال ہے اس میں کچھ قرض کا ہے، اور وہ مثل قرض لینا چاہتا ہے، کیونکہ یہ فی الواقع شریک سے نہیں لینا ہے بلکہ اپنا مال لینا ہے۔

(۱) ردالمحتار ص ۳۵۲ ج ۳۔ فصل في الشركة الفاسدة۔ عثمانیہ۔

اس مقام پر یہی نکتہ جمع وفرق مجھ پر ظاہر ہوا
تم اسے غنیمت سمجھو اور سلامت رہو۔

علامہ شامی کی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(ا) شرکائے عنان میں سے کسی بھی شریک کو بحیثیت وکیل اپنے شرکار کی طرف سے قرض لینے کا اختیار ہے، یا نہیں؟ اس باب میں ائمہ مذہب سے دو قول منقول ہیں۔ ایک قول جواز کا ہے مگر یہ ضعفِ دلیل کی وجہ سے ضعیف و مرجوح ہے۔ اور دوسرا قول عدم جواز کا ہے جو دلیل کی قوت کے لحاظ سے بہت مضبوط، راجح اور صحیح ہے اور یہی اصول مذہب کے مطابق ہے۔

(ب) اگر کسی شریک نے دوسرے شرکار کی اجازت سے ان کی طرف سے بھی قرض لے لیا، تو اس کی ذمہ داری اُن شرکار کے سر نہ ہوگی۔ کیونکہ اس باب میں قولِ صحیح، راجح پر ان کی اجازت اور توکیل کالعدم ہے، لہذا اس قرض کا ذمہ دار تنہا وہی شریک ہوگا، اور اسی کے ذمہ قرض کی ادائیگی لازم ہوگی۔

(ج) شریک کے پاس جو کچھ مال ہے اس میں وہ امین ہے، لہذا اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں سے اتنا مال قرض لے کر تجارت کے فروغ کے لئے اس میں ملا دیا ہے تو اس قول میں اسے صادق قرار دیا جائے گا۔

اب اگر دوسرے شرکار کو اس کے قول سے اتفاق ہے، یا اس کے پاس بیّنہ ہے تو اس کے قسم کھائے بغیر، اور بصورتِ دیگر قسم کھانے پر اسے یہ اجازت ہوگی کہ مثلِ قرض مالِ شرکت سے نکال کر قرض ادا کر دے۔ کیونکہ

یہ شرکا رسے مثل قرض کی وصولی نہیں ہے جو قولِ صحیح کے منافی ہو، بلکہ اس نے جو مال قرض ملایا تھا اس کا مالک تنہا وہی تھا اور اسی کا مثل وہ مالِ شرکت سے نکال رہا ہے تو یہ دراصل اپنے نجی مال سے قرض کی ادائیگی ہوئی۔

(د) اگر مالِ شرکت اس کے پاس نہیں ہے، یا مالِ قرض ہلاک ہو چکا ہے تو وہ مالِ شرکت سے اس قرض کی ادائیگی کے لئے ایک پائی بھی لینے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ یہ تو قرض کا زیادہ بار اپنے شرکا رکے سر ڈالنا ہوگا حالانکہ انھیں اس قرض سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور پہلی صورت میں تو یہ جھوٹ بھی ہوگا کہ جب مالِ شرکت اس کے قبضہ میں نہیں ہے تو اس مال میں قرض کے لانے کا دعویٰ صریح البطلان ہے۔

فقیہ اسلام کا فتویٰ

اب مزید تقویت کے لئے دنیائے اسلام کے عبقری فقیہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے فتوے کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

زید نے اپنے ملازم سے کہا کہ پچاس روپے مجھے کسی سے قرض لا دے ملازم ایک مہاجن سے پچاس روپے قرض لایا۔ یہ واقعہ بیان کر کے آپ سے کچھ سوالات پوچھے گئے، جن کا جواب دیتے ہوئے آپ نے یہ ارقام فرمایا:

"صورتِ مستفسرہ میں اگر نوکر نے یوں قرض مانگا تھا کہ ....

..... کہ میرے آقا کو پچاس روپے کی ضرورت ہے، مجھے قرض دے، یا میرے آقا کے لئے مجھے پچاس روپے قرض دے تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ ہوا۔ ردالمحتار میں ہے،

فی جامع الفصولین :	(جامع الفصولین میں ہے کہ ایک
بعث رجلا یستقرضہ	شخص کو قرض لینے کے لئے کسی کے
فأقرضہ فضاع فی یدہ ،	پاس بھیجا اس نے اسے قرض دیدیا مگر
فلو قال	وہ اسی کے قبضہ میں ضائع ہو گیا۔ اب
.... أقرضنی للمرسل	اگر اس نے یوں قرض مانگا تھا کہ مجھے
ضمن رسولہ ۔	بھیجنے والے کے لئے قرض دیدے" تو یہی
والحاصل أنّ التوکیل	قاصد اس کا تاوان دے گا ۔ حاصل کلام
بالإقراض جائز ، لا	یہ کہ قرض دینے کے لئے وکیل بنانا درست
بالإستقراض	ہے اور قرض لینے کے لئے وکیل بنانا درست
.... ولو أخرج	نہیں۔ اور اگر وکیلِ استقراض نے وکیل کی
وکیل الإستقراض کلامہ	حیثیت سے اپنی طرف قرض کی نسبت کرتے
.... مخرج	ہوئے کہا کہ "مجھے قرض دے" تو بھی قرض
الوکالۃ بأن أضافہ	کا مالک وکیل ہی ہو گا اور وہ اپنے
إلی نفسہ یقع للوکیل ،	مؤکل کو یہ مالِ قرض لینے سے روک
ولہ منعہ عن آمرہ	سکتا ہے۔
اھ ۔	

قلت : ...... وقالوا :	میں کہتا ہوں کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں
إنما لم یصح التوکیل	کہ قرض لینے کے لئے وکیل بنانا اس لئے
بالإستقراض لأنہ	صحیح نہیں ہے کہ یہ عطیہ مانگنے کے لئے وکیل

توکیلٌ بالتکدّی ، وھو لایصحّ ۔	بنانا ہے جو صحیح نہیں ہوتا ۔
قلتُ : ووجھُہٗ اٌنّ القرض صلۃٌ و تبرّع إبتداءً فیقع للمستقرض إذلاتصحّ النیابۃ فی ذلک فھونوعٌ من التکدّی بمعنی الشّحاذۃ ۔	میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ابتداءً احسان و تبرع ہے لہٰذا مالک قرض لینے والا ہوگا ، کیونکہ اس میں نیابت درست نہیں کہ یہ ایک طرح سے عطیہ اور بھیک مانگنا ہے ۔
ھٰذا ماظھرلی ۔	مجھ پر یہی عیاں ہوا ۔ ن)

اس صورت میں وہ روپے حقیقۃً اُس (نوکر) کی ملک ہوچکے تھے ۔" الخ (۱)

فقیہ اسلام کے فتوے کے اس اقتباس سے یہ امور عیاں ہوکر سامنے آئے ۔

(ا) قرض لینے کے لئے کسی کو وکیل بنانا صحیح نہیں ، باطل ہے ۔

(ب) وکیل نے اگر قرض لے لیا تو اس کا مالک خود وہی ہوگا ، لہٰذا اسے اختیار حاصل ہوگا کہ وہ مال اپنے مؤکل کو نہ دے ۔

(ج) اور اگر یہ مالِ قرض وکیل کے پاس سے ضائع ہوگیا تو اس کا ضامن بھی خود وہی وکیل ہوگا ۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۰۷ ، جلد ۷ ، سُنّی دارالاشاعت مبارک پور ۔ ایضاً ص ۳۲۸ ، ج ۶ ، باب الشرکت ، سُنّی دارالاشاعت مبارکپور ۔

غرضیکہ جب اس باب میں قولِ صحیح، راجح، مختار لِلفتویٰ یہی ہے کہ کسی بھی شریک کو اپنے شرکائے عنان کی طرف سے بحیثیت وکیل بھی قرض لینے کا اختیار نہیں ہے، اور اگر لے گا تو اس کا ذمہ دار تنہا وہی ہوگا۔

تو سودی قرض لینے، پھر اسے سود کے ساتھ ادا کرنے کا گناہ صرف اسی پر ہوگا، اور دوسرے شرکاء اس گناہ کی ناپاکی سے مکمل پاک و منزہ ہوں گے۔

حل (۳)

بلکہ حقیقتِ واقعہ تو یہ ہے کہ جو اشکال اس وقت ہمارے لئے موضوع بحث بنا ہوا ہے وہ یہاں وارد ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کمپنی کی خصوصیات سے ایک بڑی اہم خصوصیت یہ شمار کی گئی ہے کہ:

"کمپنی کے شیئر داروں کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی کمپنی کو کاروبار میں خسارہ ہو جائے تو اس کے باعث شیئر داروں کا نقصان صرف یہ ہوگا کہ ان کے سرمایۂ حصص ڈوب جائیں گے اور خسارہ کی تلافی کے لئے ان سے کسی بھی وقت اس سے زیادہ سرمائے کا مطالبہ نہ ہوگا ——————— اس طرح شرکاء کی ذمہ داری محدود ہونے سے ان کی شخصی جائداد کو کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کمپنی کا قانون شرکائے حصص پر کمپنی کے لئے ہوئے قرضوں کا بار نہیں ڈالتا، ورنہ ان کی ذمہ داری ان کے سرمایۂ حصص تک محدود ہونے کے بجائے سرمایۂ قرض تک وسیع ہوتی، لیکن جب قرضوں کے خسارہ کے لئے ان سے کسی رقم کا مطالبہ نہیں ہوتا تو اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ وہ سودی قرضوں

کی ذمہ داری سے آزاد ہیں۔

اور یہ بات قرینِ قیاس بھی ہے کہ جو شخص جتنے سرمایہ سے کاروبار کر رہا ہے اتنا ہی سرمایہ خسارہ کی صورت میں ڈوبے، کیونکہ خسارہ کے باعث کسی بھی وقت اُتنے ہی سرمایہ کا مال ڈوب سکتا ہے جتنے سے کاروبار ہو رہا ہے۔

ہاں نجی کاروبار میں ایسا ہوتا ہے کہ معمولی سرمایہ سے بھی لمبی تجارت کر لی جاتی ہے، جس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ سے کئی گنا زیادہ کا مال اُدھار لے لیا جاتا ہے، اس لئے یہاں لگائے ہوئے سرمایہ سے زیادہ کا خسارہ ہو سکتا ہے۔

لیکن کمپنی کی دنیا میں ایسا ممکن نہیں کیونکہ کمپنی بہرحال اپنے جاری کردہ حصص کے دائرہ میں رہ کر ہی کاروبار کرنے کی پابند ہے اور اگر وہ کاروبار میں مزید توسیع دینا چاہتی ہے تو اس کے لئے اسے قرض کا سہارا لینا پڑے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ قرض بھی نہ لے اور جاری شدہ سرمائے سے زیادہ میں کاروبار شروع کر دے۔

اس لئے کمپنی کا خسارہ بہرحال تجارت میں لگے سرمائے سے زیادہ نہ ہوگا۔ اگر کمپنی اپنی تجارت میں سرمایۂ قرض کو نہ شامل کرے تو اس کا خسارہ ہمیشہ محدود رہے گا، ہاں ایک صورت میں قرض کا بار مساواتی شیئر داروں پر پڑتا ہے، اس پر بحث چوتھے اشکال میں ہوگی۔ إن شاء اللہ تعالیٰ۔

اس بحث کے تناظر میں جب ہم کمپنی کی مشترکہ تجارت اور مالِ شرکت میں انتظام کار شرکاء کی طرف سے سودی قرض کے اختلاط کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات عیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کمپنی کے مساواتی حصص میں شرکت جائز و درست ہے

اور اس مشترکہ تجارت سے جو کچھ نفع حاصل ہوگا وہ سب حلال وطیب ہے کیونکہ یہ غیر انتظام کار شرکا، سودی قرض کی لعنت سے محفوظ اور پاک وصاف ہیں۔

ایک خلجان کا ازالہ

یہاں ایک خلجان یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ لمیٹڈ کمپنی کے نظام کار کے مطابق عام شیئر داروں کے ساتھ ہدایت کار بورڈ، بلکہ کمپنی تک کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے، لہذا وہ کمپنی کے اثاثہ جات کی حد تک ہی قرضوں کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔

اس کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان کمپنی کے قرض خواہوں کا یہ ہوگا کہ ان کے قرض کا خطیر سرمایہ ڈوب جائے گا اور کمپنی صرف یہ کہہ کر اپنی جان چھڑالے گی کہ:

"اس کی ذمہ داری محدود ہے"

یعنی ــــ کہ: کسی کی جان گئی، آپ کی ادا ٹھہری۔

یہ تو بڑی ضرر رسانی ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں۔ لَا ضَرَرَ، وَلَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ۔ (الحدیث)

ــه أخرجه المالك فی المؤطا مرسلاً، وأخرجه الحاكم فی المستدرك، والبیهقی، والدارقطنی من حدیث أبی سعید الخدری۔ وأخرجه ابن ماجة من حدیث ابن عباس، وعبادة بن الصامت۔ رضی الله تعالیٰ عنهم ۔ الأشباه والنظائر (فی الفقه) ص ۱۰۷ القاعدة الخامسة۔ مطبع نول کشور۔ لکناؤ۔

مگر یہ خلجان اس لئے ناقابلِ اعتبار، بلکہ بے جا ہے کہ اسلام میں "سودی قرض" کی گنجائش ہی کب تھی جو اس طرح کا کاروبار کیا گیا، قرآن حکیم نے تو اس کا انجام پہلے ہی بتا دیا تھا کہ:

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ — اللہ سود کو ہلاک کرتا ہے، اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔

(س - البقرۃ ۲، ۔ آیۃ ۲۷۶)

جس مال کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہلاک فرمادے اس کے لئے کمپنی کے نظام کار سے کیا شکایت۔

حق تو یہ ہے کہ سود کی شرط پر قرض کا لین دین ہی قطعاً حرام ہے اس لئے اس کا دروازہ بند ہونا چاہئے۔ اور کمپنی کی "محدود ذمہ داری" کا قانون اپنی جگہ بجا اور قرینِ انصاف ہے لہذا اس کے باعث "شرکتِ حصص" کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جانا چاہئے۔

تیسرا اشکال اور اس کا حل

کمپنی کا ایک اصول یہ ہے کہ وہ بوقت ضرورت سودی قرض لے سکتی ہے بلکہ وہ مختلف ناموں سے یہ قرضے لے کر تجارت میں لگاتی بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بھی کمپنی کے مساواتی شیئر لیتا ہے وہ عرفاً وقانوناً اس اصول کا پابند ہوتا ہے، بلفظ دیگر اس پر رضامند ہوتا ہے کہ کمپنی سودی قرضے لے سکتی ہے۔ پھر اس سودی قرض سے جو کچھ نفع ہوتا ہے اس میں سے کچھ اسے بھی

ملتا ہے تو مساواتی حصص لینے والا بھی حقیقت میں سود دینے اور لینے پر راضی ہو کر شیئر دار بنتا ہے اور یہ بہر حال ناجائز و گناہ ہے۔

حل یہ ہے کہ شیئر ہولڈر شیئر لیتے وقت صاف صاف یہ کہہ دے کہ ہم کمپنی کے سودی کاروبار پر راضی نہیں ہیں، بلکہ شیئر سرٹیفکٹ پر اسے لکھ بھی دے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۔ وَالصَّحِیْحُ یَفُوْقُ الدَّلَالَۃَ۔

. . . .

. . . .

. . . .

. . . .

. . . .

. . . .

اور یہ امر تو پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے کہ سود کی شرط پر قرض لے کر جو مال تجارت میں شامل کیا جاتا ہے وہ مال اپنی ذات کے لحاظ سے خُبث اور قبح سے پاک ہے کیونکہ وہ خود کوئی سود، یا رشوت، یا مالِ ناحق نہیں ہے۔

لہٰذا سرمایۂ شرکت کی طرح سرمایۂ قرض سے بھی تجارت حلال ہے، ساتھ ہی اس سے حاصل ہونے والا نفع بھی حلال ہے۔

چوتھا اشکال یہ بجا ہے کہ مذہب مختار پر کمپنی کے عام شرکا انتظامیہ کے لئے ہوئے قرضے سے لاتعلق ہیں لیکن خود کمپنی

کا قانون شرکا، پر قرض کا بار ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قرضے مشترکہ سرمائے سے ادا کیۓ جاتے ہیں جیسا کہ خود کمپنی کے آئین میں یہ صراحت ہے:

● " وہ طریقہ جس سے کمپنی ختم کی جاتی ہے اور اس کے اثاثہ جات نقدی میں تبدیل کرکے اسے قرض خواہوں کو دیۓ جاتے ہیں کمپنی کا خاتمہ کہتے ہیں۔ کمپنی کا خاتمہ تین طریقوں سے ہوسکتا ہے"(۱)

● " کمپنی کے خاتمہ کی تینوں صورتوں میں حکومت کی طرف سے ایک افسر کا — جس کو "افسر تصفیۂ حساب" (LIQUIDATOR) کہتے ہیں — تقرر اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ وہ کمپنی کے اثاثہ جات، مال، اور جائداد کو فروخت کردے اور وصولیابی کو قرضخواہوں کے قرضہ جات اتارنے کے لیۓ استعمال کرے۔ اور اگر کچھ رقم بچے تو اس کو حصہ داران میں تقسیم کردے" (۲)

ان عبارت سے صاف عیاں ہے کہ کمپنی کے خاتمہ کی صورت میں قرضے کی ادائیگی مشترکہ جائداد اور اثاثہ جات سے ہوتی ہے اور خاتمہ سے پہلے بھی انتظامیہ اپنا نجی اثاثہ قرض چکانے کے لیۓ نہیں صرف کرتی، بلکہ بہر حال وہ اسی مال مشترک کو استعمال کرتی ہے۔

تو کمپنی کے اس قانون کے پیش نظر تمام شرکا، باہم ایک دوسرے کے کفیل ہوئے، کیونکہ یہ شرکا، کمپنی کے آئین کے پابند ہیں اور اسی پابندی کا نام

---

(۱) جدید طریقہ تجارت ص ۲۲۲ جلد ا

(۲) جدید طریقہ، تجارت ص ۲۲۴ جلد ا

کفالت ہے۔ لہذا کفیل ہونے کی جہت سے ہر شریک انتظامیہ کے لئے ہوئے قرضے کا ذمہ دار ہے تو سود کے خبث سے کون بچا؟

حل کمپنی کا وہ آئین بجا، لیکن وہ شرکار کی باہمی کفالت کو مستلزم نہیں، کیونکہ کمپنی کا آئین بار بار کھلے لفظوں میں یہ اعلان کرتا ہے کہ کسی بھی حصہ دار کی ذمہ داری اس کے خریدے ہوئے حصے تک محدود ہے اور بہرحال اس کے ذمہ صرف اتنی ہی رقم کی ادائیگی لازم ہے جتنی رقم کا سندِ حصہ یا شیر سرٹیفکٹ اس نے لیا ہے، وبس۔ اس کے سوا اسے کمپنی کے کسی بھی قرض سے کوئی واسطہ نہیں۔ چنانچہ درج ذیل اقتباسات اس کے شاہد ہیں:

- " محدود بہ حصص کمپنیوں سے مراد وہ کمپنیاں ہیں جن کا سرمایہ مختلف حصص میں منقسم ہوتا ہے، اور ہر حصہ دار کی ذمہ داری اس کے ذریعہ خریدے ہوئے حصوں تک ہی محدود رہتی ہے۔

  یعنی اگر کسی کے پاس کمپنی کے دس روپے والے دس حصے ہیں تو وہ کمپنی کے نقصان کی صورت میں صرف انھیں دس حصوں یعنی ایک سو روپے کا ذمہ دار ہوتا ہے اگر اس نے اپنے حصہ کی پوری واجب رقم دے دی ہے تو کمپنی اس سے کسی قسم کا مزید مطالبہ نہیں کرسکتی ہے آج کل یہ کمپنیاں کافی مقبول ہیں" (۱)

- "ممبران کی ذمہ داری صرف ان کے حصص کی رقم تک ہی محدود ہوتی ہے، اس حد کے بعد ان پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی،

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت وتنظیم تجارت ص ۱۵۲ جلد ۱

اور نہ ہی ان سے کمپنی کے واجبات کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔" (۱)

جب تمام شرکاء اپنا اپنا حصہ جمع کرکے کنارہ کش ہو گئے تو ان کے ذمہ قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری کہاں سے آئی جسے کفالت کہا جا سکے۔ کفالت نام ہے۔ ضَمُّ الذِّمَّةِ إِلَى الذِّمَّةِ فِي الْمُطَالَبَةِ ۔" کا یعنی ایک شخص یا ایک تنظیم پر جو مطالبہ ہے اسے اپنے ذمہ بھی لے لینا۔ (۲)

اور یہاں تو ہر شریک اپنا اپنا حصہ جمع کرکے کنارے ہو گیا، کسی نے بھی انتظامیہ کے ذمہ عائد مطالبہ کو اپنے ذمہ نہیں لیا، لہذا وہ کفیل نہ ہوئے۔

رہ گئی یہ بات کہ کمپنی کے خاتمہ کے وقت تمام جائداد اور اثاثہ جات کو بفی الواقع شرکار کی ہی ملک ہیں فروخت کرکے سب سے پہلے قرضے ادا کئے جاتے ہیں تو شرکاء پر ہی قرض کا بار پڑا، اور اس کا ذمہ انھوں نے ضرور لیا ہے۔

ہاں اسے کفالت کہا جا سکتا ہے لیکن یہ کفالت صرف قرض کی ہے، جو شرعاً ممنوع یا معیوب نہیں کیونکہ یہ دوسرے کے قرض کی ادائیگی میں ایک عمومی افتاد کے وقت ہاتھ بٹانا ہے جو ایک طرح کا رضاکارانہ عمل ہے کیونکہ یہ قانون جانتے ہوئے شرکت رضا کے مترادف ہے۔

یہ ممنوع اس وقت ہوتا جب اس پر سود بھی ادا کرنا پڑتا لیکن یہاں

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت وتنظیم تجارت ص ۲۰۷، جلد ۱

(۲) ھدایہ ص ۹۵ جلد ۳ ۔ اول کتاب الکفالۃ ۔ رشیدیہ

ایسا نہیں کیونکہ کمپنی کے خاتمہ کے وقت کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح سے اصل قرض ادا ہو جائے، وبس، جدید طریقہ تجارت میں ہے :

• "کمپنی کے خاتمہ پر ڈیبنچر داران کی رقم حصہ داران کی رقم سے قبل لوٹائی جاتی ہے۔" (ص ۱۹۷ ج ۱)

• "ترجیحی حصہ دار کو کمپنی کے خاتمہ کے وقت اصل رقم کی ادائیگی میں ترجیح دی جاتی ہے" (ص ۱۸۷ ج ۱)

بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض خواہوں اور ترجیحی تمسک داروں کو اپنی اصل رقم بھی پوری نہیں مل پاتی کیونکہ موجودہ اثاثہ جات کی مالیت قرضے کی رقم سے کم پڑ جاتی ہے اور کمپنی کی ذمہ داری اپنے اثاثے رحصص تک ہی محدود ہے۔

ممکن ہے کوئی صورت ایسی ہو کہ کمپنی کے خسارے کے باوجود قرض خواہوں کو سود بھی ادا کیا جاتا ہو تو اس سے بچنے کی راہ یہ ہے کہ مسلم شیئر دار کمپنی میں مشارکت کے وقت ہی یہ صراحت کر دے کہ "خسارے سے دوچار ہونے کے وقت میرا سرمایہ صرف قرض کی ادائیگی کے لئے صرف ہو سکتا ہے سود کی ادائیگی سے مجھے سروکار نہ ہوگا، میں اس سے بیزار ہوں۔"

اس صراحت کی وجہ سے یہ سود کے وبال سے محفوظ رہے گا، کمپنی میں اکثریت بہر حال غیر مسلموں کی ہے تو سود کا بار مع قرض ان کے سر ہوگا، اور مسلم شیئر داروں پر صرف اصل قرض کا جزبار ہوگا۔

یہاں یہ نہ سوچا جائے کہ جب تمام شرکا کا حصہ جملہ سرمایہ میں بطور مُشاع پھیلا ہوا ہے تو یہ تفریق کیونکر ممکن ہوگی؟ کیونکہ فعل مسلم کو حرمت وفساد سے

بچانے کے لیے، اس طرح کی تفریق خود شریعت نے روا رکھی ہے جس کی کچھ نظیریں پہلے گزر چکی ہیں ایک نظیر یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

چاندی کے روپے میں کھوٹ زیادہ ہو اور چاندی کم، روپیہ اپنے ہی جیسے دوسرے دو روپے کے بدلے میں بیچا گیا تو بیع ناجائز و حرام ہونی چاہیے کہ چاندی کی بیع چاندی کے بدلے میں کمی، بیشی کے ساتھ ہوئی جو ارشاد رسالت۔ "والفضل ربا" کے مطابق سود ہے لیکن فقہائے کرام اسے اس توجیہ کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں کہ ایک روپے کے کھوٹ کو دوسرے روپے کی چاندی کے مقابل مان لیا جائے تو یہ چاندی کی بیع کھوٹ کے بدلے میں ہوگی، حالانکہ چاندی کھوٹ کے ایک ایک رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے، ہدایہ میں ہے۔

فإن بيعت (الدراهم التي غشها غالب) بجنسها متفاضلاً جاز، صرفاً للجنس الى خلاف الجنس. فهي في حكم شيئين، فضة، وصُفر، اھ (ص ۹۲، ج ۲، کتاب الصرف) اس حل کے ذریعہ مسلم شیئر دار بہر حال سود کے وبال سے محفوظ رہے گا۔

پانچواں اِشکال

شریک اگر وقت مقررہ تک قسطوں کی پوری رقم نہ ادا کر سکے تو اسے غیر ادا شدہ قسطیں ادا کرنے کا ایک اور موقعہ دیا جاتا ہے مگر ان بقایا قسطوں کی ادائیگی کے لئے "سود" بھی دینا پڑتا ہے ۔

اور اگر کوئی بڑھائے ہوئے وقت تک بھی بقیہ قسطیں نہ ادا کر سکے تو بسا اوقات پہلے کی جمع شدہ تمام رقم ضبط کر کے شریک کا نام "رجسٹر حصہ داران" سے خارج کر دیا جاتا ہے ۔ اس طرح حصص کی یہ ضبطگی مؤدّی الی القمار ہوئی ۔ یعنی حصص کی ضبطگی کے اس قانون کے پیش نظر کمپنی کی تجارت میں شرکت ایک طرح کی قمار و جوا ہے کہ سب رقم مقررہ وقت، یا بڑھائے ہوئے، وقت تک جمع ہو گئی تو جیت گئے، (ورنہ ہار گئے)۔

اور وقتِ مُوسّعہ (بڑھائے ہوئے وقت) میں بقایا قسطوں کی ادائیگی تو ایک اور بُرائی "سود" کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

اور قمار و سود دونوں حرام ہیں، لہذا اس طرح سے یہ شرکت حرام ہوئی۔

حَلّ (۱) وقتِ مقررہ مُوسّعہ تک تمام قسطوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں جمع شدہ قسطوں کا ضبط ہوجانا ضرور اسے قمار کے زمرے میں داخل کر دیتا ہے لیکن یہاں اس سے بچنا بایں طور بہت آسان ہے کہ شیر صرف ان کمپنیوں کا لے جو ایک ساتھ پوری رقم وصول کر کے شیر کا الاٹمنٹ کرتی ہیں، اور اب یہی کمپنیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

(۲) اور اگر کسی مصلحت کی وجہ سے کسی ایسی کمپنی کا شیر لینا چاہتا ہے جس میں رقم یک مشت کے بجائے قسطوار وصول کی جاتی ہے تو بھی قمار کی آلودگی سے بچنا آسان ہے۔

وہ یوں کہ عام طور پر کمپنی کے حصے بہت چھوٹی چھوٹی رقم کے مقرر کئے جاتے ہیں مثلاً ۵/= روپے ۱۰/= روپے ۲۰/= روپے ۲۵/= روپے ۵۰/= روپے ۱۰۰/= روپے وغیرہ۔ تاکہ امیر اور غریب سب طبقوں کے لئے یہ رقم موزوں رہے۔ تو آدمی کے پاس جتنی وسعت ہو اتنے ہی حصے کی شرکت قبول کرے۔

حصص کے ضبط ہونے کا سوال زیادہ تر یوں پیدا ہوتا ہے کہ ایک معمولی پونجی کا آدمی مثلاً سو روپے والے پچاس حصص، یا سو حصص لے لے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے چند اقساط میں پانچ ہزار، یا دس ہزار روپے

جمع کرنا نہایت دشوار گزار کام ہے اور ایسی صورت میں نوبت حصص کے ضبط ہونے تک پہونچ سکتی ہے۔

وہ اگر اپنی پونجی کا خیال کر کے مثلاً پانچ پانچ روپے والے پانچ حصص ہی لینے پر اکتفا کرے تو یہ نوبت نہ آئے گی۔

ایک حل یہ بھی ہے کہ کوشش اس بات کی کرے کہ جتنے روپے کے حصص اسے لینے ہیں وہ سب پیشگی یکمشت ادا کر دے اور کمپنی کے آئین کی رو سے پیشگی حصص جمع کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ جدید طریقہ تجارت کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔

"جو رقم، کمپنی کی طلب کی ہوئی رقم سے زائد وصول ہوتی ہے وہ "پیشگی آئی ہوئی"، اور جو رقمیں وصول نہیں ہوتیں وہ "بقایا قسطیں" کہلاتی ہیں" (۱)

نیز اسی میں ہے:

"کمپنی میں اسٹاک ایک خاص اصطلاح ہے جس کا مطلب حصص کے مجموعے سے ہے .... حصص اور اسٹاک میں ایک فرق یہ ہے کہ حصص کی قیمت کی ادائیگی تو جزوی طور پر بھی ہو سکتی ہے، لیکن اسٹاک کی قیمت یکمشت ادا کرنی پڑتی ہے" (۲)

علاوہ ازیں ہر شیر دار کو اپنے شیر بیچنے کا مکمل اختیار ہے تو جب وہ

---

(۱) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۸۳ جلد ۱ نیز ص ۱۸۵ جلد ۱

(۲) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۹۲ ج ۱۔

یہ محسوس کرے کہ اب بقیہ قسطوں کی ادائیگی بس سے باہر ہے تو وہ دوسرے کے ہاتھ کچھ ارزاں دام پر فروخت کر دے اور یہ فروختگی بہت سہل ہے کہ دام سستا ہونے سے ردی اور خراب چیزیں بھی عموماً بک جاتی ہیں تو شیر بازار کا رائج سودا کیوں نہ بکے گا۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص بھی کمپنی میں مشارکت کرے وہ اپنی وسعت کے مطابق ہی حصص حاصل کرے۔ اور کوشش یہ کرے کہ پوری رقم پیشگی جمع کر دے بصورتِ دیگر خطرہ کی گھڑی قریب آ جائے تو کسی صاحب وسعت کے ہاتھ فروخت کر دے۔ اور احتیاط بہر حال اسی میں ہے کہ ایسی کمپنی کا شیر ہی نہ لے جس میں رقم کے ضبط ہونے کا امکان ہو۔

رہ گئی یہ بات کہ اگر کوئی حصہ دار بڑھائے ہوئے وقت میں بقایہ قسطیں جمع کرتا ہے تو اس کے ساتھ اسے لازمی طور پر سود بھی دینا پڑتا ہے جو حرام قطعی ہے۔

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ فی الواقع ایک صحیح چیز کی غلط تعبیر ہے آپ خود غور فرمائیں کہ بقایا قسطوں کے ساتھ دی جانے والی اضافی رقم سود کیونکر ہوگی جب کہ سود کا تحقق عقود معاوضہ یعنی عقد بیع و عقد قرض کے ساتھ خاص ہے اور اسی لئے سود کی دو ہی بنیادی قسمیں بھی ہیں۔

ربٰوا القرض اور ربٰوا البیع

اور یہ اقساط دونوں طرح کے عقود میں سے کسی سے بھی متعلق نہیں، بلکہ یہ تو ابتداءً اپنا مال جمع کر کے شریک بننا ہے۔

اب اگر کوئی دس روپے کے بجائے بیس روپے ادا کر کے شریک بنے تو یہ زائد دس روپے سود نہ ہوں گے بلکہ یہ ایک طرح سے "حصص کو زیادہ دام پر جاری کرنا" ہوگا جو جائز ہے جیسا کہ ہم اس باب کے اخیر میں اس پر روشنی ڈالیں گے۔

چھٹا اشکال

درج بالا حل بلاشبہ شیر دار کو قمار کی نجاست سے محفوظ کر دیتے ہیں لیکن جس کمپنی میں اشتراک اسی شرط کے ساتھ ہوتا ہے کہ تمام اقساط کے ادا نہ ہونے کی صورت میں مالِ شرکت ضبط ہو جائے گا، اس میں یہ شرط بجائے خود شرط فاسد ہے جس کے اثر سے خود شرکت بھی فاسد ہوگی۔

حل

یہ صحیح ہے کہ مالِ شرکت کے ضبط ہونے کی شرط، شرطِ فاسد ہے، مگر باب شرکت میں شرط فاسد کا فساد عقد میں اثر انداز نہیں ہوتا، بلکہ یہاں خود وہ شرط ہی لغو و کالعدم ہو جاتی ہے کہ یہ شرط شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے جو باطل ہوتی ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر ارشاد فرمایا:

مَا بَالُ رِجَالٍ یَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَیْسَتْ فِی کِتَابِ اللّٰہِ مَا کَانَ مِنْ شَرْطٍ لَیْسَ فِی کِتَابِ اللّٰہِ	لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے

فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ۔ قَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَ شَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ۔ (۱)

اگر ایسی سو شرطیں بھی لگائی جائیں وہ باطل ہوں گی۔ اللہ کا حکم حق ہے اور اس کی شرط مؤکد و معتمد۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ جو شرط کتابُ اللہ کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ "شریک کے حصص کو ضبط کر لینے کی شرط" کتابُ اللہ و سُنّتِ رسول اللہ کے خلاف ہے، اس لئے یہ باطل ہے اور شرکت صحیح ہے۔

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ شرط تو بہر حال باطل و کالعدم ہے اور عقد شرکت بہر حال صحیح و درست ہے۔ اور بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی کمپنی کے شیئر ہی نہ لے جس میں رقم کے ضبط ہونے کا امکان ہو۔

ساتواں اِشکال

شرعی نقطۂ نظر سے شریک کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اپنا مال جب چاہے واپس لے کر معاہدۂ شرکت ختم کر دے۔ لیکن کمپنی کے شریک کو مالِ شرکت واپس لینے کا اختیار نہیں رہتا، تو یہ بلا وجہ وجیہ ایک صاحب عقل انسان کے اختیار کو سلب کر کے اسے مجورُ التصرف کرنا ہوا، نیز ایک دستور کے ذریعہ اسے مجبور کر کے اس کی ملک میں بلا اجازت تصرف ہوا۔

---

(۱) صحیح البخاری، باب الشروط فی الولاءِ ص ۱ج۳۷۷ و بابُ المکاتب ص ۲۸۱،۲۸۲ ج۱ و باب المکاتب ص ۳۴۸ ج۱ و کتاب البیوع ص ۲۸۹ ۔ ایضاً ص ۲۹۰ ج۱ ۔

البتہ یہ "تصرف بے اجازت" اس کے مطالبۂ واپسی کے بعد ہوگا۔
اور ان دونوں امور سے احتراز واجب ہے۔

حل (۱) یہ صحیح ہے کہ جب تک کمپنی جاری رہتی ہے کوئی شریک اپنا مالِ شرکت براہِ راست کمپنی سے واپس نہیں لے سکتا، بلکہ اس کے لئے وہ کمپنی کے اس اصول کا پابند ہے کہ کسی کے ہاتھ اپنے حصے (شیر) کا مال فروخت کرکے بشکل معاوضہ اسے وصول کرے۔

مگر یہ انسان کی کوئی مجبوری نہیں ہے اور نہ ہی یہ اس کے اختیار کو سلب کرکے اسے محجورُ التصرف کرنا ہے۔

غور فرمائیے: — کیا کمپنی کے آئین نے کسی کو اپنے ساتھ شرکت پر مجبور کیا ہے، یا اپنے آئین کو کسی کے سر زبردستی ڈالا ہے — ؟

ایسا ہرگز نہیں: — بلکہ انسان اپنی رضا و خوشی سے کمپنی کی شرکت قبول کرتا ہے، تو کمپنی کا وہ آئین اس کے حق میں خود اس کے اِذن و رضا سے نافذ ہوا، یعنی اس پر عمل درآمد میں وہ مجبور و مُضطر نہیں ہے، بلکہ یہ سب اس کے اِذن و رضا سے ہے۔ اور اِذن و رضا کے ساتھ مجبوری و حَجر کا تحقق نہیں ہوتا کہ جبر اور حَجر میں رضا نہیں پائی جاتی، نہ ہی اذن کا اعتبار ہوتا ہے۔

اس کی ایک مثال "عقدِ مُضارَبَتْ" ہے کہ آدمی اپنا مال جب

۱ے مُضَارَبَتْ، یہ ایک خاص قسم کی تجارت ہے جس میں ایک آدمی دوسرے کو مال دے کر نفع میں شرکت کی شرط پر کاروبار کراتا ہے۔ مال لگانے والے کو "ربُّ المال" اور کام کرنے والے کو مُضارِبْ کہا جاتا ہے۔ ۱۲ ن

مُضارِبْ کے حوالہ کر دیتا ہے تو اسے خود اپنے ہی مال میں تصرف کا حق نہیں رہ جاتا، یہاں تک کہ اگر وہ مُضارب سے خود اپنا ہی مال دام دیکر خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے اور یہ بیع صحیح و نافذ ہو گی جیسا کہ ہدایہ جلد ثالث (۱) میں اس کی صراحت ہے۔

دیکھئے: مُضارَبت میں تصرف کا اختیار ساقط ہو گیا، مگر یہ حجر کے باب سے نہ ہوا، وجہ وہی ہے کہ رَبُّ المال نے اپنی رضا و خوشی سے اپنا حقِ تصرف ختم کیا ہے اور مُضارب کو اذنِ تجارت دے کر اپنے آپ کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ مالِ مُضاربت کو نہ بیچے گا، نہ ہی اس میں کوئی تصرف کرے گا۔

تو یہاں اپنے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجبور یا محجور التصرف نہ قرار پایا، لہٰذا کمپنی کے مسئلے میں شیئر دار مجبور و محجور التصرف نہ قرار پائیں گے۔

تحقیق یہ ہے کہ ہر انسان کو یہ اختیار ہے کہ اپنے حق کی حد تک وہ خود کو کسی شرط کا پابند کرلے، گو وہ شرط کسی دوسرے کی طرف سے ہو۔

وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندے کو با اختیار بنایا ہے تو اسے اختیار ہے کہ کسی مُعاہدے کے ذریعہ اپنے حق کو باقی رکھے، یا ساقط کر دے۔

ہم بطور نمونہ یہاں اس کے صرف چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

---

(۱) ہدایہ، جلد ثالث ص ۵۰، بابُ المرابحۃ والتولیۃ۔ رشیدیہ، دہلی۔

(۱) شریعتِ اسلامیہ نے ہر مشتری کو "خیارِ عیب" کا حق دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مبیع (بیچے ہوئے سامان) میں کوئی عیب ہو تو مُشتری اسے بائع کو واپس کر دے، اور اپنا دام اس سے واپس لے کر معاہدۂ بیع کو ختم کر دے، یہ فقہ کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے، نیز حدیث شریف میں ہے،

حَدَّثَنَا عبد الحميد بن وهب أبو وهب، قال: قال لي العداءُ بن خالد بن هوذة: أَلَا أُقرئك كتابًا كتبه لي رَسولُ الله صلى الله عليه وسلم قال: قلتُ: بلىٰ، فأخرج لي كتابًا: "هٰذا ما اشترىٰ العداء بن خالد بن هوذة من محمد رَّسول الله صَلَّى الله عليه وسلم عبدًا، أو أمة، لا داء ولا غائلة ولا خبثة، بيع المسلم المسلم۔"

عبد الحمید بن وہب ابو وہب بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عداء بن خالد بن ہوذہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ایک دستاویز لکھی تھی جسے میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں، پھر انھوں نے وہ دستاویز نکالی، اس میں یہ لکھا تھا۔ (بیع نامہ) "عداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلام یا باندی خریدی، نہ تو بیع میں کوئی بیماری ہے، نہ ہی کوئی عیب چھپایا گیا ہے اور نہ ہی اس میں چوری جیسی کوئی ناپاک خصلت ہے، یہ مسلم کی بیع مسلم کے ہاتھ ہے" (۱)

امام خطابی فرماتے ہیں کہ بیماری سے مراد ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے

---

(۱) رواہ ابن شاهين في المعجم عن أبيه - فتح القدير، باب خيار العيب ص ۲

مبیع کو واپس کر دیا جائے جیسے جنون، جذام وغیرہ۔ (۱)

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد پاک سے ثابت ہوا کہ مبیع کو عیب سے پاک ہونا چاہیئے ورنہ مشتری کو اسے واپس کر دینے کا حق حاصل ہو گا ـــــ اس کی تائید سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فیصلے سے بھی ہوتی ہے:

عن عائشة، أن رجلاً ابتاع غلامًا، فأقام عنده ما شاء الله أن يقيم، ثم وجد به عيبًا فخاصمه إلى النبي صلى الله عليه وسلم فرده عليه۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے کوئی غلام خریدا جو اس کے پاس کچھ دنوں تک رہا۔ پھر اس نے غلام میں کوئی عیب پایا تو نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں چارہ جوئی کی اور آپ نے اسے واپس کرا دیا۔ (۲)

اسی نوع کا ایک مقدمہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں بھی پیش ہوا تھا جس کا فیصلہ آپ نے ٹھیک اسی کے مطابق کیا تھا، چنانچہ شرح السنہ میں ہے:

عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُفَافٍ، قال: ابتعتُ غلامًا فَاسْتَغْلَلْتُهُ ثُمَّ ظهرتُ منه على عيبٍ

حضرت مخلد بن خفاف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا اور اس سے کام کاج کرانے لگا، پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ عیب دار ہے

(۱) فتح القدیر ص ۲ ج ۶ - باب خیار العیب

(۲) سنن ابی داؤد ص ۲ فتح القدیر ص ۳ ج ۶، باب خیار العیب۔

فخاصمت فیہ إلی عمر بن عبد العزیز فقضی لی بردّہ الخ رواہ فی شرح السّنّۃ (۱)	تو میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جس کی سماعت کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں وہ غلام اس کے بائع کو واپس کردوں (شرح السّنّۃ)

لیکن اگر بائع نے وقت بیع یہ شرط لگادی تھی کہ وہ مبیع کے کسی عیب کا ذمہ دار نہ ہوگا اور مشتری نے یہ شرط منظور کرلی، تو اس کا یہ حق (خیار عیب) ختم ہوجاتا ہے لہذا اب مبیع میں کتنے ہی عیب ہوں وہ اسے واپس نہیں کرسکتا، نہ اپنا دام واپس لے کر معاہدۂ بیع کو ختم کرسکتا ہے چنانچہ **ھدایہ** میں ہے:

قال: ومن باع عبدًا، وشرط البراءۃ من کل عیب، فلیس لہٗ أن یردّہٗ بعیبٍ وإن لم یسمّ العیوب بعددھا۔ وقال الشافعی: لا یصحّ البراءۃ، بناءً علی مذھبہ أنّ الإبراء عن الحقوق المجھولۃ لا یصحّ ـــــ ولنا: أنّ الجھالۃ فی الإسقاط	امام قدوری فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنے غلام کو اس شرط پر بیچا کہ وہ اس کے ہر عیب سے بری ہے تو اب مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے غلام کو واپس نہیں کرسکتا اگرچہ بائع نے تمام عیوب کی تعداد نہ بتائی ہو ۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ بری ہونے کی یہ شرط صحیح نہیں کیونکہ عیوب جب مشتری کو معلوم نہیں تو یہ حقوقِ مجہولہ سے بری کرنا ہوگا، جو درست نہیں ۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص۲۴۹ الفصل الاوّل من باب، بعد باب المنہی عنہا من البیوع ۔

لا تُفضِي إلى المنازعة وَ إنْ كانَ في ضمنه التمليك، لِعدم الحاجة إلى التسليم، فلا تكون مُفسدة۔ اھ

کہ مشتری یہاں بائع کی شرط منظور کرکے اس کے ذمے اپنے کچھ حقوق ساقط کررہا ہے اور ساقط ہونیوالے حقوق اگر مجہول بھی ہوں تو باہمی نزاع کا باعث نہیں بنتے (گو کہ اس ضمن میں مالک بنانا بھی پایا جائے) کیونکہ انھیں کسی کو دینے کی حاجت نہیں پڑتی۔ لہٰذا ان حقوق یا عیوب کے مجہول رہنے سے عقد فاسد نہ ہوگا۔

(۱)

(ب) سامان کی خرید و فروخت ہوگئی تو بائع کو شرعاً یہ حق مل جاتا ہے کہ مشتری سے فوراً پورا دام وصول کرے اور دام کا ایک ایک پیسہ ملنے تک مبیع کو اپنے پاس روکے رہے، اسے "حقِ حبس" کہا جاتا ہے[۲]۔ لیکن اگر مشتری نے بیع میں یہ شرط کردی کہ وہ مثلاً دو ماہ بعد فلاں تاریخ کو دام ادا کرے گا، اور بائع نے اسے منظور کرلیا تو اس میعاد تک بائع کا یہ حق ختم ہوجاتا ہے اور اس پر لازم ہوتا ہے کہ دام کا مطالبہ کئے بغیر مبیع کو مشتری کے حوالے کردے۔ اس قسم کی خرید و فروخت کو "بیع إلیٰ أجلٍ" یا اُدھار بیع، کہا جاتا ہے جس کا جواز کتاب و سنت سے ثابت ہے جیسا کہ ہدایہ کے درج ذیل اقتباس سے عیاں ہوگا:

ویجوز البیع بثمنٍ حالٍّ، بیع نقد دام کے بدلے میں بھی جائز ہے،

---

(۱) ھدایہ ص ۳۲ ج ۳ - آخر باب خیار العیب، رشیدیہ دہلی

(۲) ھدایہ ص ۸۷ ج ۳ - مسائل منثورۃ - وص ۲۰ ج ۳، باب خیار العیب - رشیدیہ

ومُؤجّلٍ ، إذا كانَ الأجَلُ مَعلومًا ۔ لِإطلاقِ قولہٖ تعالیٰ « وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ » وعنہٗ علیہ السّلام : أنّہٗ اشْتَریٰ مِن یہودیٍّ طعامًا إلیٰ أجلٍ ورَھَنہٗ دِرعَہٗ ام (۱)	اور اُدھار دام کے بدلے میں بھی جبکہ میعاد معلوم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بلا تخصیص مطلقاً ارشاد فرمایا ہے کہ « اللہ نے بیع کو حلال کیا » ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ آپ نے ایک یہودی سے اُدھار غلہ میعاد مقرر کر کے خریدا ، اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی ۔

(ج) مشتری نے کسی شخص سے کوئی سامان اس شرط پر خریدا کہ دام میں خود نہ ادا کروں گا ، بلکہ فلاں شخص ادا کرے گا ، بائع نے بیع ، اور اُس شخص نے یہ حوالہ منظور کر لیا تو بیع صحیح ہے ۔ اور بائع اب اسی دوسرے شخص سے دام کا مطالبہ کرے گا ، مشتری سے مطالبہ کا حق ختم ہوگیا ، حالانکہ بائع کو اصالۃً اسی سے « مطالبۂ ثمن » کا حق حاصل ہے ۔ ہدایہ میں ہے :

وَ المکفولُ لَہٗ بالخیارِ ، إن شاء طالبَ الّذی علیہ الأصلُ ، وإن شاءَ طالبَ کفیلَہٗ ....إلّا إذا شرطَ فیہ	جس شخص کا دام چکانے کے لئے کسی نے کفالت قبول کی ہے اس کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو کفیل سے اپنے دام کا مطالبہ کرے اور چاہے تو اصل خریدار سے مانگے ۔ ہاں اگر عقد میں یہ شرط تھی کہ دام کفیل ہی ادا کرے گا ، مشتری اس سے

مے الحدیث أخرجہ البخاری فی الرھن ، ص ۱۰۴۱ ج ۱ ۔ ومسلم فی البیوع ص ۳۱ ج ۲ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۱) ھدایہ ص ۷۴ ج ۳ ۔ أوائل کتاب البیوع ۔ رشیدیہ

البراءة فحينئذٍ تنعقد حوالةً إعتبارًا للمعاني اهـ مُلخصًا۱۔

لا تعلق ہوگا تو اس صورت میں وہ شخص صرف کفیل سے ہی دام کا مطالبہ کرسکتا ہے کیونکہ اس صورت میں معنی کے لحاظ سے یہ معاہدہ کفالت نہیں، بلکہ حوالہ ہے اور معاہدات میں لحاظ معنی کا ہی ہوتا ہے۔

اس زمانہ کی بہت سی بیعیں عموماً اسی طور پر ہوتی ہیں کہ مشتری سامان خرید کر بائع کو چیک دے دیتا ہے جو بلاشبہہ بینک پر ثمن کا حوالہ ہے۔ اور اب یہ طریقہ بڑے بڑے کاروبار میں معروف ومعہود ہونے کے باعث شرط کے درجہ میں پہونچ گیا ہے تو اس قسم کے کاروبار گویا اب اس شرط کے ساتھ ہوتے ہیں کہ سامان کا دام مشتری کے بجائے بینک ادا کرے گا۔ اور اگر چیک میعادی ہو تو بائع دوسرے کے ہاتھ وہ چیک بیچ کر بھی اپنا دام وصول کرسکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ حوالہ کا معاہدہ جب تک فریقین کے درمیان باقی ہے بائع اپنے مشتری سے دام کا مطالبہ نہیں کرسکتا اب خواہ وہ اپنا دام بینک سے وصول کرے، یا کسی مہاجن کے ہاتھ چیک کو بیچ کر اپنے سامان کا معاوضہ لے۔

پہلی مثال میں "مشتری" نے "بائع" کی شرط منظور کرکے اور آخر کی دونوں مثالوں میں "بائع" نے "مشتری" کی شرط منظور کرکے اپنے آپ کو

---

(۱) ہدایہ ص ۱۰۰ ج ۳ کتاب الکفالۃ۔ رشیدیہ دہلی۔

سے چیک کو بیچنے سے مراد اس کا حقیقی مفہوم ہے کہ واقعی چیک کا کاغذ کسی کے ہاتھ بیچ دے۔ جیسا کہ "جدید بینک کاری اور اسلام" میں اس کی وضاحت ہے۔ ۱۲ن

دوسرے فریق کی لگائی ہوئی شرط کا پابند کر لیا ہے، بلفظ دیگر اپنے حق کو اپنی رضا سے ساقط کر دیا ہے جو بالاتفاق جائز و درست ہے۔

تو پھر یہی حکم کمپنی کے مسئلہ زیر بحث کا بھی ہونا چاہیے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر شیئر ہولڈر کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے کمپنی سے اپنا معاہدۂ شرکت ختم کر کے براہ راست اس سے اپنا مال واپس لے لے، لیکن کمپنی کا یہ قانون شیئر بازار کے تاجروں کو خوب معلوم ہے کہ شرکت ختم کرنے کی صورت میں انھیں براہ راست کمپنی سے مال واپس نہ ملے گا، بلکہ شیئر مارکیٹ میں کسی کے ہاتھ حصص بیچ کر ہی اسے وصول کیا جا سکے گا۔ تو اس قانون کو جانتے ہوئے کمپنی کے ساتھ مشارکت کرنا یقیناً اس شرط کو برضا و خوشی منظور کرنا ہے، جس کا کھلا مطلب یہی ہے کہ شیئر دار نے "براہ راست کمپنی سے مطالبۂ واپسی" کے اپنے حق کو ساقط کر دیا ہے اور اسے شرعاً اس کا بھی اختیار ہے۔

لہٰذا جس طرح درج بالا مسائل میں بائع و مشتری کا دوسرے کی شرط کو منظور کر کے اپنا حق ختم کر دینا جائز ہے اسی طرح یہاں بھی شیئر داروں کا کمپنی کی وہ شرط، یا قانون منظور کر کے اپنا حق ختم کر دینا جائز ہوگا۔

اور جیسے ان مسائل فقہیہ میں کوئی عاقد مجبور و مجور نہیں ہے اسی طرح سے کمپنی کے اس مسئلے میں بھی کوئی شیئر دار مجبور، یا مجور نہیں ہے۔

یہیں سے اب یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ شیئر دار کے مال میں کمپنی یا اس کی انتظامیہ کا کوئی تصرف ملکِ غیر میں بلا اجازت تصرف نہیں ہے کہ یہاں تو جو کچھ تصرف ہے وہ سب شیئر دار کے اذن و رضا سے ہے۔

(۲) علاوہ ازیں بطریق تنزل اگر کمپنی کی زندگی میں مال شرکت کی براہِ راست عدم واپسی کی شرط ناجائز و فاسد ہو تو بھی عقدِ شرکت کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ کیونکہ عقد شرکت کا شمار فقہاء نے ان عقود سے کیا ہے جو شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔ چنانچہ محقق علی الاطلاق حضرت امام ابن الہمام فرماتے ہیں:

وفی الخلاصۃ:	فتاویٰ خلاصہ میں ہے کہ:
ما لا یبطل بالشرط الفاسد ستۃ وعشرون۔ الطلاق والخلع .... والھبۃ والشرکۃ، والمضاربۃ والکفالۃ والوکالۃ اھ ملخصاً۔ (۱)	چھبیس عقود شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتے۔ طلاق، خلع، ہبہ، شرکت، مضاربت، کفالت، وکالت وغیرہ۔ ۔ ۔

حضرت محقق ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب الاشباہ میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

وما لا یبطل بالشرط الفاسد: الطلاق، والعتاق، والخلع والرھن، والقرض، والھبۃ والصدقۃ، والوصایۃ	شرط فاسد سے یہ عقود فاسد نہیں ہوتے۔ طلاق، عتاق، خلع، رہن، قرض، ہبہ، صدقہ، وصایت، وصیت، شرکت، مضاربت

(۱) فتح القدیر ص ۸۱ ج ۶۔ والبحر الرائق ص ۲۰۳ - ۲۰۶ ج ۶۔

والوصیۃ، والشرکۃ، والمضاربۃ والقضاء۔الخ ۔ (۱)

قضاء، وغیرہ۔ (آخر تک)

امام فقیہ النفس قاضی خاں رقمطراز ہیں:

ولو تفاوتا فی المال فی شرکۃ العنان، وشرطا الربح والوضیعۃ نصفین۔ قال فی الکتاب: الشرکۃ فاسدۃ۔ قالوا: لم یرد محمد بھذا فساد العقد، وإنما أراد بہ فساد شرط الوضیعۃ، لأن الشرکۃ لا تبطل بالشروط الفاسدۃ۔ اھ (۲)

شرکتِ عنان میں اگر شریکین کے مال کم و بیش ہوں، اور شرط یہ طے ہوئی کہ دونوں نفع، نقصان میں آدھے آدھ کے شریک ہوں گے۔ تو کتاب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شرکت فاسد ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اس سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ نہیں ہے کہ عقد شرکت فاسد ہے، بلکہ ان کی مراد صرف یہ ہے کہ نقصان میں ہر ایک کے آدھے آدھ شریک ہونے کی شرط فاسد ہے اس لئے کہ شرکت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی۔

بہارِ شریعت میں ہے:

"بعض وہ چیزیں ہیں کہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتیں، بلکہ باوجود ایسی شرط کے وہ چیز صحیح ہوتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ قرض، ہبہ، نکاح طلاق، خلع، صدقہ، رہن، وصیت، شرکت، مضاربت، حوالہ، وکالت،" (۳)

---

(۱) الأشباہ والنظائر ص ۵۰۰۔ القول فی الشرط والتعلیق من الفن الثالث۔ نول کشور

(۲) فتاوی قاضی خاں ص ۵۰۹ ج ۴ فصل فی شرکۃ العنان۔ نول کشور۔

(۳) بہار شریعت ص ۴۰ ۱۹ حصہ ۱۱ بیع کے متفرق مسائل۔ قادری بکڈپو۔

ان جزئیات سے یہ عیاں ہو گیا کہ کمپنی کی زندگی میں براہ راست مال شرکت کی عدم واپسی کی شرط اگر بالفرض فاسد ہو تو بھی شرکتِ عقد فاسد نہ ہو گی بلکہ صحیح و درست رہے گی۔

آٹھواں اشکال کمپنی میں سرمایہ کاری اگر شرکت ہے تو شریک کی موت اور اس کے جنونِ ممتد کی وجہ سے وہ باطل ہو جانی چاہیے، نیز اس میں وراثت نہیں جاری ہونی چاہیے جیسا کہ درمختار میں ہے:

وتبطل الشركة ، أي شركة العقد بموت أحدهما أو بجنونه مطبقاً۔ اھ ملخصاً	شریکین میں سے کوئی مر جائے یا اسے جنون مطبق لاحق ہو جائے تو شرکتِ عقد باطل ہو جاتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قال ط: وظاهره أنه لا يحكم بالفسخ إلا بإطباق الجنون ، وهو مقدر بشهر ، أو بنصف حول على الخلاف اھ (۱)	علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ جنون کے ساتھ "مطبق" کی قید سے ظاہر یہ ہے کہ اطباقِ جنون سے پہلے فسخِ شرکت کا حکم نہ ہو گا۔ اور اطباق کی مدت حسبِ اختلاف فقہاء ایک ماہ، یا چھ ماہ ہے۔

حالانکہ کمپنی کے آئین کی رو سے شرکت باطل نہیں ہوتی بلکہ اس میں وراثت بھی جاری ہوتی ہے۔

---

(۱) الدرالمختار و ردالمحتار ص ۵۰۱ ج ۳ - نعمانیہ۔

حل: یہ صحیح ہے کہ شریک کی موت کے بعد اس میں وراثت جاری ہوتی ہے اور جنون کی صورت میں اس کے مال کی ولایت اس کے ولئ مال کو حاصل ہوتی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرکت ختم کبھی نہیں ہوتی، کیونکہ ان صورتوں میں شرکت کے ختم ہونے کی صراحت اور اشارہ تو خود کمپنی کے آئین میں موجود ہے۔ چنانچہ جدید طریقۂ تجارت میں ہے۔

"حسبِ ذیل صورتوں میں کمپنی کی ممبری ختم ہو جاتی ہے۔

(۱) اگر کوئی حصہ دار اپنے سارے حصص فروخت کر دے۔

(۲) اگر حصہ دار کی موت واقع ہو جائے" (۱)

نیز اسی میں ہے:

"حصص کے انتقال سے مراد، حصص کی جائداد کی منتقلی بذریعۂ قانون سے ہے۔

دوسرے الفاظ میں حصص کے انتقال کا یہ مطلب ہے کہ حصص کی ملکیت قانونی نمائندوں۔ مثلاً وَرَثہ، وصی (جس کے سپرد وصیت نامہ کی تکمیل ہو) ۔ اور دیگر قانونی جانشینوں کے ہاتھوں اصل مالک کی موت واقع ہونے، یا پاگل ہونے پر منتقل کر دی جائے"(۲)

پہلی عبارت میں شرکت کے فسخ ہونے کی صراحت، اور دوسری عبارت میں

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت وتنظیم تجارت ص۱۹۰ ج۱۔

(۲) جدید طریقۂ تجارت وتنظیم تجارت ص۲۰۰ ج۱۔

اس کا اشارہ ہے کیونکہ انتقالِ حصص کی ضرورت اسی وقت ہوگی جبکہ شرکت فسخ ہو چکی ہو۔

ہاں یہ شرکت تمام شرکاء کے حق میں فسخ نہ ہوگی، بلکہ صرف اسی شریک کے حق میں فسخ ہوگی جسے جنون لاحق ہوا، یا اس کی موت واقع ہوئی۔ اور بقیہ شرکاء کی شرکت برقرار رہے گی اور اس میں کوئی محذورِ شرعی نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے:

فلو کانوا ثلثة، فمات أحدهم حتی انفسخت فی حقہ، لاتنفسخ فی حق الباقیین۔ بحر، من الظهیریة۔ اھ (۱)	تین آدمی ایک تجارت میں شریک تھے، ان میں سے ایک فوت ہوگیا تو اس کے حق میں شرکت فسخ ہوگئی اور بقیہ دو کے حق میں فسخ نہ ہوئی۔ ایسا ہی بحر الرائق میں ظہیریہ سے ہے۔

اسی مسئلے کی ترجمانی بہارِ شریعت میں ان الفاظ میں کی گئی:

"تین شخصوں میں شرکت تھی، ان میں ایک کا انتقال ہوگیا، تو دو باقیوں میں بدستور شرکت باقی ہے۔ (بحر)" (۲)

ایسا ہی فتاویٰ عالمگیری میں بھی محیط کے حوالے سے ہے۔ (۳)

بدائع الصنائع میں اس کی علت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جیسا کہ ذیل

---

(۱) رد المحتار ص ۳۵۱ ج ۳۔ نعمانیة

(۲) بہارِ شریعت ص ۴۱ ج ۱۰۔ قادری بکڈپو

(۳) فتاویٰ عالمگیری ص ۳۳۵، ۳۳۶ ج ۲۔ الباب الخامس فی الشرکة الفاسدة۔ ماجدیہ۔

کے اقتباس سے عیاں ہوتا ہے:

ومنها: موتُ أحدهما أيّهما مات انفسخت الشركة لبطلان الملك، وأهلية التصرف بالموت اھ (۱)	دو شریکوں میں سے کوئی بھی مرجائے تو شرکت فسخ ہو جاتی ہے کیونکہ موت کی وجہ سے ملکیت باطل ہو جاتی ہے اور وہ مال میں تصرف و کاروبار کا اہل بھی نہیں رہ جاتا۔

رہ گئی وراثت والی بات، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ وراثت عقدِ شرکت میں نہیں، بلکہ مالِ شرکت میں جاری ہوتی ہے۔

شریک کی موت کے بعد اس کے ترکے کے مالک اس کے وَرَثہ ہوئے اور مال شرکت بھی ترکہ ہی ہے لہذا مالِ شرکت کے مالک بھی اس کے ورثہ ہی ہوئے، اب یہ ورثہ اپنی رضا سے اپنے مورث کے حصص بذریعہ قانون اپنے نام منتقل کراتے ہیں تو یہ اپنے مورث کی جگہ ایک نئے عقد کے ذریعہ نئے شریک اور حصہ دار ہوئے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہاں دراصل عقد شرکت میں وراثت نہیں جاری ہوتی ہے، بلکہ وراثت تو شریک کے ترکے میں جاری ہوتی ہے اور اس ترکے کے ذریعہ وارث نے کمپنی کی شرکت قبول کر لی تو جدید عقد شرکت وجود میں آگیا، اور ایسا شرعاً بھی جائز و درست ہے۔ کما لایخفی علی خادم الفقه۔

---

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۷۸-۶۲ - أواخر کتاب الشرکة۔

نواں اشکال

گزشتہ صفحات میں "کمپنی سے حصص کی خریداری" کی تشریح کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ ہدایت کار یا ڈائریکٹرس بھی کمپنی کے حصہ دار اور شریک ہوتے ہیں، وہی کمپنی کا کاروبار سنبھالتے اور انتظامات کرتے ہیں اور اس کام کے بدلے انھیں ایک مقررہ فیصد تک تنخواہ دی جاتی ہے۔

اس پر شرعی نقض یہ وارد ہوتا ہے کہ مال شرکت میں کام کے بدلے کسی بھی شریک کو اجرت دینا، اور اسے اجیر مقرر کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"بقیہ شرکا کی طرف سے عمرو کو تفویضِ دکان، واجازتِ اعمالِ تجارت ہوئی، یہی معنیٔ وکالت ہیں اور اس میں یہ شرط قرار پایا تاکہ جو مال بکے عمرو اکنی روپیہ اس پر دستوری (اُجرت) لے شرط فاسد ہے کہ شریک کو مالِ مشترک میں تصرف کرنے کے لئے اجیر کرنا اصلاً جائز نہیں۔

وھذا بإجماعٍ مِن أئمتنا، خلافًا للإمام الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔	اس پر ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اس کے خلاف ہے۔
ثم ھل ھو باطلٌ أم فاسدٌ؟ ذکرنا ہٗ	پھر شریک کا یہ اجارہ باطل ہے۔ یا فاسد؟ اس کی تفصیل ہم نے

فیما علقنا ہ علی رد المحتار۔	رد المحتار پر اپنی تعلیقات میں ذکر کردی ہے۔ در مختار میں ہے،
قال فی الدّر المختار:	
لو استاجرہ لحمل طعام مشترك بینهما فلا أجر لہ، لأنہ لا یعمل شیئا لشریکہ إلا و یقع بعضہ لنفسہ فلا یستحق الأجر۔ اھ	ایک شریک نے دوسرے شریک کو مشترک غلہ ڈھونے کے لئے اجیر کیا، تو اسے اجرت نہ ملے گی، کیونکہ اپنے شریک کے لئے وہ جو بھی کام کرتا ہے اس میں کچھ اپنے لئے بھی تو کرتا ہے، لہذا وہ اجرت کا حقدار نہ ہوگا۔
(۱)	(کہ اپنے کام پر اجرت کیسی)

بہار شریعت میں اس مسئلے کی ترجمانی اس طرح کی گئی:

"مسئلہ: دو شخصوں میں غلہ مشترک ہے، اس مشترک غلہ کے اٹھانے کے لئے ایک نے دوسرے کو اجیر کیا، دوسرے نے اٹھایا اس کو کچھ مزدوری نہیں ملے گی کہ جو کچھ یہ اٹھا رہا ہے اس میں خود اس کا بھی ہے لہذا اس کا کام خود اپنے لئے ہوا، تو مزدوری کا مستحق نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک شریک نے دوسرے کے جانور، یا گاڑی کو غلہ لادنے کے لئے کرایہ پر لیا اور وہ مشترک غلہ اس پر لادا کسی اجرت کا مستحق نہیں" (۲)

---

(۱) فتاوی رضویہ ص ۲۲۷ ج ۹۔ سنی دارالاشاعت، مبارکپور۔

(۲) بہار شریعت، ص ۱۴۱ جلد ۱۴ - اجارۂ فاسدہ کا بیان۔ قادری بکڈپو۔

غرضیکہ جب شریک کو مالِ شرکت سے متعلق کام کرنے کے لئے اجیر مقرر کرنا جائز نہیں تو کمپنی کے ہدایت کاروں کو جو کمپنی کی تجارت میں عام حصہ داروں کے شریک ہوتے ہیں اجیر مقرر کرنا جائز نہ ہوا۔ تو کم از کم اس حیثیت سے کمپنی میں سرمایہ کاری ناجائز ہوگی۔

حل کام دو طرح کے ہیں:

ایک: وہ کام جس کا تعلق خاص مالِ تجارت کی ذات سے ہو، یعنی جسے "مال میں عمل" کہا جائے۔ جیسے سامان کو خریدنا، بیچنا، مال کا پیکٹ، یا بنڈل باندھنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ سپلائی کرنا، یا اٹھا کر لانا، لے جانا، وغیرہ۔ کہ یہ عمل خاص مال میں ہیں۔

دوسرے: وہ کام جو خاص مالِ تجارت میں عمل نہ قرار پائیں، جیسے بکے ہوئے مال کا بل بنانا، خریدے ہوئے مال کا اندراج کرنا، خرید و فروخت کا حساب کتاب رکھنا، ملازمین کی نگرانی، شرکا کی میٹنگ بلانا، اور تجارت کے نفع و نقصان وغیرہ کی رپورٹ پیش کرنا، تقسیم ہونے والے نفع کا تعین وغیرہ، وغیرہ۔ یہ کام "مال میں عمل" کی حیثیت نہیں رکھتے۔

ان دونوں طرح کے کاموں کے احکام الگ الگ ہیں۔ پہلی نوع کے کام پر شریک کو اجیر مقرر کرنا جائز نہیں، جیسا کہ اشکال میں پیش کئے گئے جزئیات میں اسی بنا پر اجارہ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور دوسری نوع کے کام پر شریک کو اجیر مقرر کرنا جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

وقال الامام الاتقانی

امام اتقانی غایۃ البیان میں

فی غایۃ البیان : قال الکرخی، قال محمدٌ: وکلُّ شیءٍ استاجر أحدھما من صاحبہٖ ممّا یکون عملاً فإنّہٗ لا یجوز، وإن عملہٗ فلا أجرلہٗ۔ وکلُّ شیءٍ لا یکون عملاً استاجرہٗ أحدھما من صاحبہٖ فھوجائز۔

وقال شمس الأئمّۃ البیھقی فی الکفایۃ : والأصل أنّ فی کلّ موضع لا یستحق الأجر إلّا بإیقاع عملٍ فی العین المشترك لا یجوز، کما فی نقل الطعام المشترك بنفسہٖ۔ وکلُّ ما یستحق بدون إیقاع عملٍ فی المشترك یجوز۔ اھ (۱)

لکھتے ہیں کہ امام کرخی کا بیان ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ والرضوان نے فرمایا کہ شریکین میں سے ایک نے دوسرے کو (مالِ تجارت میں) عمل کے لئے اجیر بنایا تو یہ ناجائز ہے۔ اور اگر اس نے وہ کام کر دیا تو اسے کوئی مزدوری نہیں ملے گی۔ اور اگر ایسی چیز کے لئے اجیر بنایا جو (مالِ تجارت میں) عمل نہیں ہے تو یہ جائز و درست ہے۔

شمس الائمہ بیہقی کفایہ میں لکھتے ہیں کہ اس باب میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ جہاں کہیں مالِ مشترک میں عمل یا کام سے اجرت کا استحقاق ہو تو وہاں شریک کو اجیر بنانا جائز نہیں۔ جیسے مشترک غلہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔ اور جہاں کہیں شریک مالِ مشترک میں کام کئے بغیر اجرت کا حقدار ہو تو وہاں اُسے اجیر بنانا جائز و درست ہے۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۲۷، ۲۲۸ ج ۶ باب الشرکۃ۔ سنی دارالاشاعت

ہدایت کاروں کے ذمہ عموماً کمپنی کے نوع دوم کے کام ہوتے ہیں، یعنی وہ کام جو "مال میں عمل" کا درجہ نہیں رکھتے۔ "مال میں عمل" کے لئے ملازمین کی الگ ٹیم ہوتی ہے جس کو مینجمنٹ (MANAGEMENT) اور لیبرس (LABOURES) کہا جاتا ہے۔
ہدایت کار تو افسر ہوتے ہیں جو احکام جاری کرتے ہیں اور کام یعنی "عمل فی المال" نوکر چاکر کرتے ہیں۔
جدید طریقہ تجارت میں ہدایت کاروں کے اختیارات و فرائض کی تفصیل یہ درج ہے،

"کمپنی کی تنظیم کے مطابق ہدایت کاران کے اہم کام یہ ہیں۔ کمپنی کی تنظیم میں ضروری قدم اٹھانا، کمپنی کے جلسوں کو بلانا، کمپنی کے آخری کھاتے (نفع ونقصان کھاتے، وبیلنس شیٹ) کمپنی کے سالانہ جلسے میں پیش کرنا، حساب کی کتابیں آئین کے مطابق رکھنا، کمپنی کے حساب کا محاسبہ (AUDIT) کروانا، منتظمین کو کم سے کم قابلیت کے لئے حصص خریدنا، زیادہ سے زیادہ ڈائرکٹرس کی عمر ۶۵ سال ہونے پر اطلاع دینا، کسی معاہدہ سے متعلق اپنے نجی مفادات کی اطلاع کمپنی کو دینا، اور کمپنی کے دیگر کام سچائی، ایمانداری اور محنت سے حصہ داران کے مفاد کے لئے کرنا" (۱)

---

(۱) جدید طریقہ تجارت وتنظیم تجارت ص ۲۰۸ جلد ا

نیز اسی میں ہے :

"کمپنی کے انتظام کا نمونہ مندرجہ ذیل چارٹ میں دکھایا گیا ہے۔

"حصہ داران مجلس ہدایت کاران کی تشکیل کرتے ہیں اور انتظامیہ ہدایت کار کے سپرد اختیارات کرتے ہیں جس کے نیچے بہت سے افراد کام کرتے ہیں مثلاً عملے کا مینیجر، بڑا اکاؤنٹینٹ، فروخت مینیجر، خرید مینیجر" (۱)

ہدایت کاروں کے فرائض واختیارات کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ کمپنی کے جو کام انجام دیتے ہیں ان پر اُجرت لینا دینا، بلفظ دیگر شریک کو اجیر مقرر کرنا جائز ہے۔

لیکن دشواری یہ ہے کہ پھر یہی اشکال ایک دوسری جہت سے یہاں یوں عائد ہوتا ہے کہ انتظامیہ اور مزدوروں کا تعلق زیادہ تر "عمل فی المال" ہی سے ہے اور ان کے لئے قانون میں اتنی گنجائش ہے کہ وہ ملازمت کو شیر لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں اور کچھ لوگ لیتے بھی ہیں تو کم از کم ان کے شیر دار ہونے کی وجہ سے یہ شرکت ضرور فاسد ہوئی۔

حل : اس کا حل یہ ہے کہ انتظامیہ اور مزدوروں کے شیر دار ہو جانے کی صورت میں یہاں جو بڑی سے بڑی خرابی پیدا ہوگی وہ یہ کہ شریک کی وکالت کو اجرت کی شرط فاسد سے مشروط کرنا ہوگا۔ اور شرکت

---

(۱) جدید طریقہ تجارت و تنظیم تجارت ص ۲۰۸، ۲۰۹ جلد ۱

کی طرح سے وکالت بھی شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتی، بلکہ خود شرط ہی لغو وکالعدم ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر و بہارِ شریعت کی گزشتہ عبارتوں میں اس کا ذکر ہے۔ اب ایک شہادت فتاویٰ رضویہ کی بھی ملاحظہ فرمائیے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان رقمطراز ہیں:

"بعینہٖ شرکا کی طرف سے عمرو کو تفویضِ دکان واجازتِ اعمالِ تجارت ہوئی، یہی معنیٔ وکالت ہیں اور اس میں یہ شرط قرار پانا کہ جو مال بکے عمرو اکنی روپیہ اس پر دستوری (اجرت) لے اگرچہ شرط فاسد ہے کہ شریک کو مالِ مشترک میں تصرف کرنے کے لئے اجیر کرنا اصلاً جائز نہیں .... مگر وکالت شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی۔ بزازیہ میں ہے:

اَلْوکالۃ لا تبطل بالشروط الفاسدۃ، اَیّ شرط کان۔	وکالت شروطِ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتی خواہ وہ جیسی بھی شرط ہو۔

درمختار میں ہے:

مایصح، ولایبطل بالشرط الفاسد الوکالۃ۔ الخ	جو عقد شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتے بلکہ صحیح و درست رہتے ہیں ان میں سے ایک عقد وکالت بھی ہے۔

تو وہ شرط ہی فاسد و باطل قرار پائی اور وکالتِ عمرو صحیح و تام رہی۔" (۱)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۳۲۷، ۳۲۸ جلد ۶۔ آخر کتاب الشرکۃ۔ سنی دارالاشاعت

خلاصہ یہ کہ ہدایت کاروں کی انجمن مزدور اور انتظامیہ کمپنی کے جس نوع کا بھی کام کرتی ہو، اور خواہ اس پراجرت لینا صحیح ہو، یا نہ ہو، بہرحال شرکت صحیح ودرست ہے کہ شرط فاسد کا شرکت اور کالت پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا جیسا کہ حدیث نبوی کے عموم اور فقہی جزئیات سے ثابت ہے۔

دسواں اور گیارہواں اشکال اور ان کا حل

ان اشکالات کا تعلق براہ راست بیع کے جوہری ارکان یعنی بدلین سے ہے اس لئے یہ بجائے خود بہت اہم اور بنیادی اشکال ہیں۔

حصہ داروں کے جمع شدہ حصے کی رقوم کمپنی کے آغاز کار میں، نیز جمع کے وقت بعد میں بھی نوٹ کی شکل میں ہوتی ہیں۔ اور مال تجارت واثاثہ جات کی فراہمی کے بعد وہ متاع وسامان ہو جاتی ہیں۔ اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر اب ذیل کے سطور پڑھئے۔

(۱) جب تک یہ حصے نوٹ کی شکل میں ہوں ان کی بیع نوٹ کے بدلے میں قیاساً ناجائز ہونی چاہئے، کیونکہ نوٹ فقہ کی اصطلاح میں ثمن ہیں اور ثمن کی بیع جب ثمن کے بدلے میں ہو تو اس کی صحت کے لئے، عاقدین کے ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے بدلین یعنی مبیع اور دام پر قبضہ ضروری ہے جو یہاں مفقود رہے۔

اور اگر بدلین میں سے ایک نقد ہو، اور دوسرا اُدھار۔ تو سود بوجہ اُدھار۔ جسے فقہ کی اصطلاح میں رِبا النسئۃ کہتے ہیں۔ کا تحقق ہوگا۔

مـه مَا کَانَ مِن شَرطٍ لَیسَ فِی کِتَابِ اللہ فھو باطل۔ رواہ البخاری ۲۱۰

اس لئے یہ بیع حرام وفاسد ہوگی۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ "معین پیسوں کے باہمی تبادلہ" کے جواز پر روشنی ڈالتے ہوئے بطور استثناء فرماتے ہیں:

بخلاف ما اذا کانا بغیر أعیانهما، لأنه کالیٔ بالکالیٔ وقد نُهِیَ عنه۔ وبخلافِ ما إذا کان أحدُهما بغیر عینه، لأنَّ الجنس بانفرادہ یُحرّم النَّساءَ۔ اھ ملخصًا۔ (۱)

دونوں طرف سے پیسوں (پر قبضہ کے ذریعہ اُن) کی تعیین نہ ہوئی ہو تو یہ بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ یہ اُدھار کی بیع اُدھار کے بدلے میں ہے جس سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ یونہی جب کسی ایک طرف سے عوض یعنی پیسے کی تعیین قبضہ کے ذریعہ نہ ہوئی ہو تو بھی بیع فاسد ہوگی، اس لئے کہ تنہا علتِ جنس کی وجہ سے بھی "اُدھار" حرام ہوجاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نوٹ کی طرح سے پیسہ بھی ثمن اصطلاحی ہے اور ہر ثمنِ اصطلاحی متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔ متعین کرنے کا ذریعہ اشارہ اور قبضہ ہے تو غیر معین وہ پیسہ ہوگا جس کی طرف نہ اشارہ ہوا ہو، اور نہ ہی اس پر قبضہ پایا جائے۔ اب کسی نے غیر معین پیسہ غیر معین پیسے کے بدلے میں بیچا تو یہ بیع اس لئے ناجائز وفاسد ہے کہ عوضین پر قبضہ نہیں پایا گیا۔ اور اگر عوضین میں سے کسی بھی ایک پر بائع یا مشتری کا قبضہ ہو گیا مگر دوسرا اُدھار رہا تو بھی یہ بیع ناجائز ہے کہ جنس کی بیع جنس کے بدلے میں اُدھار ہو تو ربا النسیہ متحقق ہوجاتا ہے یعنی سود بوجہ اُدھار، تو اس حیثیت سے یہ بیع ناجائز وفاسد ہوئی۔

---

(۱) ھدایہ، باب الربٰو ص ۶۵ ج ۳۔ رشیدیہ۔

حصص کی بیع میں یہی آخری صورت پائی جا رہی ہے کہ نوٹ کی بیع نوٹ کے بدلے میں یوں ہوتی ہے کہ ایک طرف سے تو نوٹ پر قبضہ ہو جاتا ہے مگر دوسری طرف وہ اُدھار رہتا ہے لہذا یہ بیعِ حصص ناجائز و فاسد ہوئی۔

(ب) اور اگر متاع کی بیع نوٹ کے بدلے میں ہو تو بھی قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ یہ بیع بھی ناجائز و فاسد ہو، کیونکہ کمپنی کے متاع و اثاثہ جات میں اس کا حصہ کتنی مقدار میں ہے یہ مجہول ہے۔ اور مجہول و نامعلوم چیز کی بیع ناجائز و فاسد ہوتی ہے۔

تنویر الابصار، و درمختار، و شامی میں ہے:

وشُرِطَ لِصِحَّتِهٖ معرفةُ قدرِ مبیعٍ، وثمنٍ۔ إلخ تنویر، ودُر۔ کَکُرٍّ حنطةٍ وخمسةِ دراهم، أو أکرارِ حنطةٍ۔ فخَرَجَ مَا لو کانَ قدرُ المبیعِ مجهولًا، أی جهالةً فاحشةً فإنّهٗ لایصِحّ۔	بیع کے صحیح ہونے کے لئے مبیع اور دام کی مقدار کا معلوم ہونا شرط ہے۔ جیسے ایک کُر گیہوں، پانچ روپے، یا چند کُر گیہوں (تعداد کے بیان کے ساتھ) لہذا اگر مبیع کی مقدار زیادہ مجہول ہو تو بیع صحیح نہ ہو گی

شامی۔ (۱)

بیعِ حصص میں دام کی مقدار تو معلوم ہے مگر مبیع یعنی متاع کی مقدار نامعلوم و مجہول ہے اس لئے یہ بیع فاسد ہے۔ قیاسِ ظاہر کا تقاضا یہی ہے

(۱) ردالمحتار ص ۲۱، جلد ۴ اوائل البیوع۔ نعمانیہ۔

لیکن دقتِ نظر سے اگر اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے تو یہ دونوں اشکال زائل ہوتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور عیاں ہو جائے گا کہ یہ دونوں طرح کی بیعیں از روئے استحسان جائز و درست ہیں، اس کی تشریح یہ ہے۔

نوٹ کے بدلے میں نوٹ کی بیع کے جواز کی توجیہ

نوٹ کے بدلے میں نوٹ کی بیع استحساناً متعدد وجوہ سے جائز ہے۔ وہ وجوہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) نوٹ کے بدلے میں نوٹ کی بیع از روئے قیاس صرف اس لئے ناجائز ہے کہ مشتری کا اپنے خریدے ہوئے نوٹ پر جو کمپنی کے پاس ہے قبضہ نہیں ہوتا، اور یہ عدمِ قبض "ربا النسیہ" یعنی سود بوجہ اُدھار کا سبب ہوتا ہے۔

لیکن اس معاملے کی صحیح صورتِ حال کا بغور جائزہ لینے سے یہ امر روشن ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ یہاں مشتری کی طرف سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ نوٹ کا تبادلہ نوٹ سے اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کمپنی کے آئین کے مطابق ضروری کارروائی کے بعد حصص کی سند مشتری کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ جدید طریقۂ تجارت میں ہے:

"حصص سرٹیفکٹ کی منتقلی "منتقلی فارم" پر درخواست آنے، منتقلی کی رجسٹری کرنے، بورڈ کے ذریعہ منتقلی کی منظوری دینے، اور ممبران کے رجسٹر میں اندراج کرنے پر مکمل ہوتی ہے،" (۱)

(۱) جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۹۱ جلد ۱۔

یہ نیز اسی میں ایک دوسرے مقام پر ہے :

"جن لوگوں کے پاس حصص سرٹیفکٹ ہوتے ہیں وہ کمپنی کے ممبران ہوتے ہیں" (۱)

ظاہر ہے کہ اس کارروائی کے بعد مشتری کمپنی کا نیا حصہ دار ہو جاتا ہے۔ اور کمپنی اب شیئر بیچنے والے کے بجائے اس نئے حصہ دار، یا شیئر دار کی وکیل عام ہوتی ہے۔ جس کا دائرۂ عمل قانونی چارہ جوئی، بیع، شراء، قبضہ سب کو محیط ہے تو کمپنی اپنے نئے شریک کی "وکیل قبض" بھی ہوئی جیسا کہ باب اول میں اسے ثابت کیا گیا ہے اور صحت بیع کے لئے مبیع پر خود مشتری کا اپنے ہاتھوں سے قبضہ ضروری نہیں، بلکہ اس کے وکیل قبض کا قبضہ بھی کافی ہے اور مسئلہ مجوزہ میں اس کے وکیل قبض کمپنی یا ہدایت کار بورڈ کا قبضہ پہلے ہی سے متحقق ہے۔

اس بحث کی مزید تحقیق یہ ہے کہ مبیع پر مشتری کا قبضہ اس وقت ضروری ہے جب وہ پہلے سے اس کے، یا اس کے ولی قبض، یا وکیل قبض کے قبضہ میں نہ ہو، اور اگر مبیع پہلے سے وکیل، یا ولی قبض کے قبضہ میں ہو تو ان صورتوں میں مشتری کے قبضہ کی کوئی حاجت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ باپ یا وصی نے نابالغ بچے کے ہاتھ اپنا مال بیچا تو بیع صحیح ہے حالانکہ نابالغ بچہ مبیع پر قبضہ کا اہل بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بچے کی طرف سے مبیع پر قبضے کی ولایت اس کے باپ اور اس کے وصی کو حاصل ہے اور مبیع پہلے ہی سے ان کے قبضے میں ہے۔

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت و تنظیم تجارت ص ۱۹۲ جلد ۱۔ کالم ۱۔

یونہی قاضی نے ایک یتیم کا مال دوسرے یتیم کے لئے بیچا تو بیع صحیح ہے حالانکہ یتیم اپنے ہاتھوں سے مبیع پر قبضہ نہیں کرتا، اس کی بھی وجہ وہی ہے کہ یتیم کی طرف سے قبضہ کا ولی قاضی ہے اور وہ مبیع اس کے قبضے میں موجود ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"أما شرائط الإنعقاد، فأنواعٌ منها فی العاقد، وهو أن یکون .... متعدّداً فلا یصلح الواحد عاقداً من الجانبین کذا فی البدائع - إلّا الأبُ، ووصیّهُ والقاضی إذا باعوا أموالهم من الصغیر، أو اشتروا منه ویشترط فی الوصی أن یکون فیه نفع ظاهر للیتیم ...... هٰکذا فی البحر الرائق - إه ملخّصاً - (۱)

ردالمحتار میں اس مسئلے کا بیان اِن الفاظ میں ہے:

وذکر فی البحر: أنّ شرائط البیع أربعة أنواعٍ .... فشرائط العاقد إثنان - العقل، والعدد - فلا ینعقد بیعٌ ...... وکیلٍ من الجانبین إلّا فی الأبِ ووَصیّه، والقاضی - إه ملخصاً - (۲)

فقیہ الامّت حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں عبارات کی ترجمانی اپنے الفاظ میں اس طرح فرمائی۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة ص ۲، ج ۳ - أوّل کتاب البیوع - مکتبہ ماجدیہ -

(۲) ردالمحتار ص ۵، ۶ - ج ۴ - مطلب شرائط البیع - ماجدیہ -

"بیع کے لئے چند شرائط ہیں . . . .

عاقد کا متعدد ہونا، یعنی ایک ہی شخص بائع و مشتری دونوں ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔

مگر باپ، یا وصی: کہ نابالغ بچہ کے مال کو بیع کریں اور خود ہی خریدیں۔

یا اپنا مال ان سے بیع کریں۔

یا قاضی: کہ ایک یتیم کے مال کو دوسرے یتیم کے لئے بیع کرے۔

تو اگرچہ ان صورتوں میں ایک ہی شخص بائع و مشتری دونوں ہے مگر بیع جائز ہے، بشرطیکہ وصی کی بیع میں یتیم کا کھلا ہوا نفع ہو" (۱)

اور جو حکم ولیٔ قبض کا ہے وہی حکم قبضہ کے حق میں وکیلِ قبض کا بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ رد المحتار کی درج بالا عبارت میں وکیل کا لفظ ذکر کر کے باپ وغیرہ کا استثنار کیا . . . .

. . . .

غرضیکہ مذکورہ بالا مسائل میں بیعیں اس لئے صحیح ہیں کہ مبیع مشتری کے ولیٔ قبض یا وکیلِ قبض کے قبضہ میں ہے تو پھر اسی بنیاد پر شیر دار کے ذریعہ حصص کی بیع بھی صحیح ہو گی کیونکہ یہاں بھی مبیع مشتری کے وکیل قبض کمپنی کے قبضہ میں ہے۔ اور جو علماء کمپنی کو شیر داروں کا وکیل نہیں تسلیم کرتے ان

---

(۱) بہار شریعت ص ۹ ج ۱۱ - بیع کے شرائط - قادری بکڈپو۔

کے بطور بورڈ آف ڈائرکٹرس نئے شیرداروں کا وکیل ہوگا، جن کا شیر پہلے ہی سے بورڈ کے قبضے میں موجود ہے۔

(۲) یہ بحث بطور تنزل اس تقدیر پر تھی کہ کاغذ کے نوٹ کی بیع، نوٹ سے، اور دھات کے پیسوں کی بیع اس کی جنس سے کی جائے تو اس کی صحت کے لئے بائع و مشتری کے جدا ہونے سے پہلے عوضین پر قبضہ ضروری ہے جیساکہ ہدایہ کی عبارت کا ظاہر مفاد یہی ہے۔

لیکن حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ اَثمانِ اصطلاحیہ کی بیع اپنے ہم جنس کے ساتھ ہو تو اس کے جواز و صحت کے لئے صرف ایک طرف سے کسی عوض پر قبضہ کافی ہے اور دونوں عوضوں پر عاقدین کا قبضہ کوئی ضروری نہیں۔ یہی مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کا موقف ہے، جیساکہ آپ فرماتے ہیں:

"در فی تنویر الأبصار، والدرّالمختار: باع فلوسًا بمثلها، أو بدارهم، و بدنانیر، فإن نقد أحدهما، جاز. وإن تفرّقا بلا قبض أحدهما لم یجز۔ اھ	تنویرالابصار اور درمختار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں، یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے، اور ایک طرف کا قبضہ ہوگیا تو جائز ہے، اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہوگئے، تو بیع ناجائز ہے۔ (ختم)
وبالجملة فالمسئلة ظاهرة، والنقولُ متوافرة	الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر (کثیر) ہیں اگرچہ علامہ قاریٔ الہدایہ

وإن خالفها العلامة قاری الھدایۃ فی فتاواہ فشرط التقابض، وحرّم النسیئۃ (۱)	نے اپنے فتاویٰ میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا، اور کسی طرف اُدھار ہونے کو حرام ٹھہرایا۔

مگر علامہ موصوف کا یہ قول مرجوح و ناقابلِ اعتناء ہے چنانچہ اس پر بحث کرتے ہوئے چھ صفحہ بعد مجدد اعظم علیہ الرحمۃ اس کے متعلق فرماتے ہیں :

" وہ علامہ کا ایک فتویٰ ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں، اور نہ اوس میں اون سے پہلے ان کا کوئی مستند معلوم، نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے، اور وہ جو اون کے لئے علامی شامی نے تکلف کیا اوس کا حال معلوم ہو چکا تو اوس سے کیونکر معارضہ ہو سکتا ہے اوس حکم کا جس پر اُن اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اوس میں اون کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل ہے ۔

ثم أقول : علاوہ بریں وہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اوس میں مسائلِ مذہب سے صاف دو ذہول ہیں . . . .

. . . . الحاصل بندۂ ضعیف اس فتوے کے لئے اصلاً کوئی وجہِ صحت نہیں جانتا ۔ " (۲)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۱۵۰ ج ۷ - رسالہ کفل الفقیہ الفاھم - سنی دارالإشاعت -

(۲) فتاویٰ رضویہ ص ۱۵۶/۱۵۷ ج ۷ - رسالہ کفل الفقیہ الفاھم - سنی دارالاشاعت

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نوٹ اور پیسے کی بیع میں دونوں طرف قبضہ کیوں نہیں شرط ہے؟ تو آئیے، اس کا جواب بھی حضرت مجدد اعظم کے ہی الفاظ میں سنیں۔ آپ رقمطراز ہیں:

وإذن أقول، وبالله	اور اب میں کہتا ہوں، اور اللہ
التوفیق: لایخفی علیك	ہی سے توفیق ہے، تم پر ظاہر ہے
أنّ اشتراط العینیّة	کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط
من الجانبین فی الربویات	اموالِ ربا میں ہے اور یہ وہ چیزیں
وھی المکیلات،	ہیں جو ناپ یا تول سے بکتی ہیں،
والموزونات، دون	نہ وہ کہ گنتی سے، جیساکہ فتح القدیر
المعدودات، کما نصّ	وغیرہ کے بابُ السلم میں تصریح ہے
علیه فی سَلَمِ الفتح، وغیرہ	جہاں کہ فرمایا کہ یہ صرف اموالِ
حیث قال: إنما یمنع	ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے
ذلك فی أموال الرّبا	ساتھ بیچے جائیں۔ اور گِن کر
إذا قوبلت بجنسها	بکنے کی چیزیں اموالِ ربا میں
والمعدود لیس منها	سے نہیں۔ انتہیٰ
اھ کما قال فی البحر۔ اھ[1]	جیساکہ بحر الرائق میں فرمایا۔

اس تفصیل سے یہ امر روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ نوٹ سے نوٹ

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۱۵۰ جلد ۷، رسالہ کفل الفقیہ الفاہم۔

کی بیع میں صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے کیونکہ نوٹ کی خرید وفروخت ناپ یا تول کر نہیں ہوتی، بلکہ گن کر ہوتی ہے اور ایسی چیزوں میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں۔ اور بیعِ حصص میں یقیناً ایک طرف سے قبضہ ہو جاتا ہے لہذا وہ بیع صحیح و درست ہے۔

علاوہ ازیں اس میں دونوں طرف سے بھی قبضہ متحقق ہو جاتا ہے جیساکہ پہلے حل میں بیان کیا گیا تو حضرت علامہ قاری الہدایہ کے فتوے کے مطابق بھی یہ بیعِ حصص درست ہے۔

نوٹ کے بدلے میں متاع مجہول کی بیع کے جواز کی توجیہ

کمپنی میں لگے شریک کے حصۂ متاع کی بیع قیاساً اس لئے ناجائز ہے کہ شریک کا حصۂ متاع مجہول ہے، لیکن استحساناً اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ حسبِ صراحتِ فقہاء جہالت وہ مُفسدِ بیع ہوتی ہے جو فریقین کے درمیان باعثِ نزاع و مانعِ تسلیم و تسلّم ہو جائے۔

تسلیم کا معنی ہے سپرد کرنا، دینا۔ اور تسلُّم کا معنی ہے قبول کرنا، لینا۔ بیع ہو جانے کے بعد بائع اور مشتری ہر ایک پر واجب ہے کہ مبیع اور ثمن دوسرے کو دیدے، اور دوسرے پر واجب ہوتا ہے کہ اسے قبول کرلے. لے لے۔ تو جو جہالت اس تسلیم اور تسلّم میں رُکاوٹ پیدا کرے اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

لیکن یہاں کمپنی کے دستور کے مطابق مبیع کو سپرد کرنے کی حاجت ہی

نہیں ہیں آتی تو پھر یہاں نزاعِ باہمی اور منعِ تسلیم و تسلم کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جس کی وجہ سے بیع ناجائز و فاسد ہو۔ ہدایہ میں ہے:

لأنّ التسليم والتسلّم واجبٌ بالعقد، وهٰذه الجهالة مُفضيةٌ إلى المنازعة، فيمنع التسليمَ والتسلّم۔ وكلّ جهالةٍ هٰذه صفتها تمنع الجواز، هٰذا هو الأصلُ۔	اس لیے کہ مبیع اور ثمن کو سپرد کرنا، اور دوسرے کا اسے لینا عقد کی وجہ سے واجب ہے اور یہ جہالت باہمی نزاع تک پہونچا دیتی ہے اس لیے یہ تسلیم و تسلّم سے روک دے گی۔ اور ہر وہ جہالت جو مبیع اور دام کے لینے، دینے سے روک دے وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے یہی اس باب میں قاعدۂ کلیہ ہے۔

نیز ہدایہ میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

إنّ الجهالة في الإسقاط لا تُفضي إلى المنازعة، وإن كان في ضمنه التمليك، لعدم الحاجة إلى التسليم، فلا تكون مفسدةً۔ اھ (۲)	دوسرے کے ذمہ سے اپنا جو حق ساقط کیا جائے اس کے مجہول ہونے سے آپسی نزاع کی نوبت نہیں آتی اگرچہ اسی کے ضمن میں تملیک بنانا بھی پایا جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ اسقاط یعنی حق چھوڑ دینے میں حق کو سپرد کرنے کی حاجت نہیں ہوتی، اس لئے یہاں حق کی جہالت سے تملیک فاسد نہ ہوگی۔

(۱) ھدایہ ص ٤ جلد ۳۔ أول کتاب البیوع۔ رشیدیہ۔
(۲) ھدایہ ص ۲۲ ج ۳، قبیل باب البیع الفاسد۔ رشیدیہ۔

• فتح القدیر میں ہے :

فظھر ان المبطل لتملیك المجھول لیس الجھالة، بل عدم القدرة علی التسلیم ۔ اھ (۱)	لہذا ظاہر ہو گیا کہ مجہول چیز کا مالک بنانا بوجہ جہالت نہیں فاسد ہوتا، بلکہ اس لئے فاسد ہوتا ہے کہ جہالت کی وجہ سے اس چیز کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں مل پاتی ۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سی صورتوں میں فقہائے کرام نے جہالت کے باوجود بیع کو جائز قرار دیا ہے، بطور نمونہ اس کے چند شواہد ملاحظہ ہوں۔

(۱) غاصب نے مالِ غصب کو، اور امین نے مالِ امانت کو اس کے مالک سے خرید لیا تو گو کہ مال کی مقدار معلوم نہ ہو بیع صحیح ہے کیونکہ یہاں مبیع پہلے سے ہی مشتری کے پاس ہے تو اسے تسلیم کی کوئی حاجت نہیں اور جہاں تسلیم مبیع کی حاجت نہ ہو، وہاں مبیع کی جہالت سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔

رد المحتار میں ہے :

قالوا : لو باعه جمیع ما فی ھذہ القریة، أو ھذہ الدار۔ والمشتری لا یعلم ما فیھا، لا یصح لفحش الجھالة .... قال فی القنیة : إلا اذا کان لا یحتاج	فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے یوں بیع کیا کہ "اس آبادی میں، یا اس مکان میں جو کچھ ہے وہ سب میں نے تیرے ہاتھ بیچ دیا" اور مشتری کو مبیع کی مقدار معلوم نہیں تو یہ بیع صحیح نہیں کہ اس میں جہالت زیادہ ہے ..... مگر جیسا کہ قنیہ میں ہے جب مبیع کے تسلیم و تسلم

(۱) فتح القدیر، ص ۳۹، جلد ۶ ۔

معهٗ إلی التسلیم، والتسلّم، فإنّه یصحّ بدون معرفة قدر المبیع۔ کمن أقرّ أنّ فی یدہ متاعَ فلانٍ غصبًا أو ودیعةً ثمّ اشتراہ جاز وإن لم یعرف مقدارہٗ۔ اھ (۱)

(لینے دینے) کی حاجت نہ ہو تو بیع مبیع کی مقدار مجہول ہونے کے باوجود بھی صحیح ہوگی۔ جیسے کسی نے اقرار کیا کہ فلاں شخص کا مالِ مغصوب، یا مالِ امانت میرے قبضہ میں ہے پھر اس نے اسے مالک سے خرید لیا تو بیع صحیح ہے گو کہ مبیع کی مقدار اسے معلوم نہ ہو۔

(ب) بیع سلم کی ایک شرط یہ ہے کہ مبیع کی مقدار جس پیمانے سے مقرر کی گئی ہے وہ سمٹنے اور پھیلنے والا نہ ہو۔ ورنہ بیع فاسد ہوگی۔ اس کے باوجود فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بھشتی سے بطور بیع سلم پانی خریدا اور اس کی مقدار مشکیزے سے مقرر کی تو بیع صحیح ہے حالانکہ مشکیزہ سمٹتا پھیلتا ہے۔

اس وجہ سے وہ کم پانی میں بھی بھر سکتا ہے اور دبا دبا کر بھرا جائے تو اس میں کافی پانی آسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ مشکیزے سے پانی کی مقدار معین ہونے کے باوجود بھی مجہول ہی رہتی ہے۔ تاہم بیع صحیح ہے، ہدایہ میں ہے:

"مشکیزے سے پانی کی بیع سلم بوجہ تعامل صحیح ہے ایسا ہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے" (۲)

---

(۱) ردالمحتار ص ۵۲۹ ج ۴ - دارالفکر۔ وص ۲۱ ج ۴ - مکتبہ نعمانیہ

(۲) ھدایہ باب السلم ص ۷۸ ج ۳

اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"پانی کی مشک اگرچہ پھیلتی، سمٹتی ہے اس میں بوجہ رواج وعمل درآمد سلم جائز ہے" (۱)

مبیع کی جہالتِ فاحشہ تعامل کی وجہ سے باعثِ نزاع ومانعِ تسلیم وتسلّم نہ رہی اس وجہ سے یہ مُفسدِ بیع نہ ہوئی۔

(ج) عورت کے مہر کے بدلے میں شوہر نے اپنی دکان اسے ہبہ کر دی اس کا حکم بیان کرتے ہوئے فقیہ عبقریُ الاسلام، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

فإنّ الهبة بالعوض	(عوض کے بدلے میں ہبہ، بیع ہے
بيعٌ إبتداءً، و إنتهاءً	ابتداء میں بھی اور انتہاء میں بھی،
كما في الدّر المختار....	جیسا کہ در مختار میں ہے .....
.... وأمثال المقام	..... اور اس طرح کے مقام پر
لا تحتاج إلى التسمية بل	دام ذکر کرنے، بلکہ مقدار جاننے کی
ولا إلى علم المقدار، لعدم	بھی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں تسلیم
الحاجة إلى التسليم والتسلّم.	وتسلّم کی حاجت ہی نہیں ن)
في الهندية : هٰذا بيع	(فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ یہ ایسی بیع
لايحتاج فيه إلى التسليم،	ہے جس میں تسلیمِ مبیع کی حاجت نہیں اور
وبيعُ مالم يعلم البائع	جہاں تسلیم کی حاجت نہیں وہاں بائع
والمشتري مقداره إذا كان	اور مشتری کو اگر مبیع کی مقدار نہ معلوم ہو تو

(۱) بہار شریعت ص ۱۷۵ جلد ۱۱ - سلم کا بیان - قادری بک ڈپو، بریلی شریف

لا یحتاج فیہ إلی التسلیم جائز۔ ألا یری أن من أقر أنہ غصب من فلان شیئاً، أو أقر أن فلاناً أودعہ شیئاً، ثم إن المقر اشتری ذلک الشئ من المقر لہ جاز۔ وإن کانا لا یعرفان مقدارہ۔ واللہ أعلم (۱)

بھی بیع صحیح و درست ہے آپ خود دیکھیں کہ جس شخص نے یہ اقرار کیا کہ اس نے فلاں آدمی کی کوئی چیز غصب کی ہے، یا یہ اقرار کیا کہ اس کے پاس فلاں شخص نے کوئی چیز امانت رکھی ہے پھر اقرار کرنے والے نے وہ چیز اپنے طور پر اس کے مالک سے خرید لی تو یہ بیع صحیح ہوتی ہے اگرچہ دونوں کو اس چیز کی مقدار نہ معلوم ہو۔ اور اللہ ہی خوب جانتا ہے (ن)

(د) صُلح کی ایک خاص قسم "تخارُج" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی وارث ترکے سے اپنے حصے کے بدلے میں کوئی چیز لے کر وارثوں کے درمیان سے نکل جائے کہ وہ اب ترکے سے کچھ نہیں لے گا، یہ جائز ہے۔ یہ صلح اپنی حقیقتِ شرعیہ کے لحاظ سے "بیع" ہوتی ہے کیونکہ وارث اپنا اصل حصہ نہ لے کر اس کے بدلے میں کوئی بھی چیز لے لیتا ہے جو بلاشبہ مال کا مال سے تبادلہ ہے اور اسی کا نام بیع ہے، اب اگر ترکہ کی مقدار

(۱) فتاوی رضویہ ص ۵۰۳ ج ۷ کتاب القضا والدعاوی، سنی دارالاشاعت مبارکفور

مجہول ہو تو اس وارث کا اصل حصہ بھی مجہول ہوگا، اور وہی حصہ تخارج یا صلح کے اس مسئلے میں مبیع بنتا ہے تو بلفظ دیگر کہہ لیجئے کہ ترکہ کی جہالت سے مبیع کی مقدار مجہول ہوگی، پھر بھی یہ بیع شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے :

ولو لم يكن في التركة دين، وأعيانُها غيرُ معلومة، وَالصُّلحُ على الكيل والموزون. قيل: لايجوز. لاحتمالِ الرّبٰو، وقيل: يجوز. لأنّهٗ شبهةُ الشبهة.

اگر ترکہ میں دوسروں کے ذمہ کوئی دین یا قرض نہ ہو، مگر ترکے کی چیزیں معلوم بھی نہ ہوں کہ وہ کیا اور کتنی ہیں۔ اور صلح کسی کیلی یا وزنی چیز پر ہوئی تو ایک قول یہ ہے کہ یہ صلح ناجائز ہے کہ اس میں شبۂ سود ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ یہاں شبہۂ سود کا شبہ ہے۔

ولو كانت التركة غير المكيل والموزون، لكنّها أعيانٌ غير معلومة، قيل: لايجوز. لكونه بيعًا إذ المصالَح عنه عينٌ. والأصحّ أنّهٗ يجوز. لأنّها لا تُفضي إلى المنازعة لقيام المصالَح عنه في يد البقيّة

اور اگر ترکہ کیلی اور وزنی چیزوں کے علاوہ دوسری اشیاء ہوں مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ اشیاء کیا اور کتنی ہیں۔ تو ایک قول یہ ہے کہ صلح ناجائز ہے اس لئے کہ یہ صلح "بیع" ہے کیونکہ جس چیز کے بدلے میں صلح ہوئی ہے وہ کوئی متاع ہے اور متاعِ مجہول کی بیع جائز نہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ صلح یا بیع جائز ہے کیونکہ مبیع جس کے بدلے میں

من الورثة ۱۵

کوئی وارث صلح کر رہا ہے وہ بقیہ وارثوں کے قبضہ میں موجود ہے، اس لئے اس مبیع کے مجہول ہونے سے صلح کرنے والوں کے درمیان کوئی نزاع نہ برپا ہوگا۔ (۱)

اس عبارت میں تخارج کے دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں جن کی وضاحت یہ ہے کہ:

• ترکے کی چیزیں کیلی ہیں، یا وزنی۔ یہ معلوم نہیں اور صلح کسی کیلی، یا وزنی چیز کے بدلے میں ہوئی تو اتنی بات تو بالکل کھلی ہوئی ہے کہ وارث کے حصہ کی بیع کسی کیلی یا وزنی چیز کے عوض میں ہوئی۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ حصہ بھی کوئی کیلی یا وزنی چیز ہو تو یہ جنس کے بدلے میں جنس کی بیع ہو گی۔ پھر چونکہ مبیع کی مقدار مجہول ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ بیع کمی، بیشی کے ساتھ ہو، تو یہاں کسی بھی طرف "بیشی" کا شبہہ ہے اور یہی شبہہ سود ہے لہذا یہ تخارج ناجائز ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔

اور قول صحیح وراجح یہ ہے کہ یہ تخارج صحیح ہے کیونکہ یہاں شبہہ میں شبہہ ہے، وہ یوں کہ:

پہلے تو یہی شبہہ ہے کہ ہو سکتا ہے ترکہ کوئی کیلی، یا وزنی چیز ہو۔
پھر دوسرے نمبر پر یہ شبہہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ بیع کمی، بیشی کے ساتھ ہوئی ہو۔

---

(۱) ھدایہ ص ۲۷۱ ج ۳ فصل فی التخارج من کتاب الصلح۔ رشیدیہ۔

اب اگر ترکے کا کیلی، یا وزنی ہونا متحقق ہوتا تو اس کی مقدار مجہول ہونے کی وجہ سے اس میں شبہۂ سود ہوتا۔ مگر یہاں تو خود ترکے کا ہی کیلی یا وزنی ہونا مشتبہ ہے اس لئے اس شبہۂ سود میں شبہ ہے اور اعتبار شریعت میں صرف شبہ کا ہے اور شبہۃ الشبہ تو محض لغو ہے۔ اس لئے یہ تخارج صحیح ہے۔

کفایہ میں ہے کہ یہ قول امام فقیہ ابو جعفر ہندوانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

وفی فتاوی قاضی خان:	فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ فقیہ ابو جعفر
والصحیح ما قالہ الفقیہ	رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا وہی صحیح ہے
أبو جعفر، لأن الثابت ھٰھنا	اس لئے کہ یہاں وجود شبہۃ الشبہ کا ہے
شبھۃ الشبھۃ، و ذالک	جس کا اعتبار نہیں۔
لا یعتبر اھ (۱)	

الحاصل اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مبیع کے مجہول ہونے سے یہاں بیع میں کوئی فساد نہیں آیا۔ اور یہی راجح و صحیح ہے۔

- دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مورث نے ترکے میں جو سامان چھوڑا ہے وہ کیلی یا وزنی نہیں اور صلح کیلی یا وزنی چیز پر ہوئی ہے اس لئے یہاں حصے کی بیع غیر جنس کے بدلے میں ہوئی اس بیع کو بھی بعض فقہاء نے مبیع کے مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد قرار دیا ہے مگر فتویٰ اس بات پر ہے کہ یہ بیع صحیح ہے کیونکہ یہاں بقیہ ترکہ جس میں مبیع بھی شامل ہے پہلے ہی سے ورثہ کے قبضہ میں موجود ہے، تو یہاں مبیع کی تسلیم و تسلّم کی سرے سے کوئی حاجت ہی نہیں،

(۱) الکفایہ شرح الہدایہ ص ۴۱۲، ج ۷ ۱۳ ج ۷، رشیدیہ پاکستان۔

لہذا یہاں مبیع کی جہالت بالکل بے اثر ہے، نہ تو اس کی وجہ سے باہمی نزاع کا کوئی امکان ہے، اور نہ ہی اس کے سبب بیع فاسد ہوگی۔

ان جزئیات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ جہاں مبیع کے تسلیم و تسلّم یا اس کے دینے، لینے کی حاجت نہ ہو، مثلاً مبیع پہلے ہی سے مشتری کے قبضہ میں ہو، وہاں مبیع کے مجہول ہونے سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔

اور شیر دار کے حصص کی بیع والے مسئلے میں مبیع کی جہالت اسی انداز کی ہے کیونکہ یہاں مبیع پہلے ہی سے مشتری کے وکیلِ عام "کمپنی" یا بورڈ آف ڈائرکٹرس کے قبضہ میں ہے، جس کی تسلیم و تسلّم کی کوئی حاجت نہیں، اس لئے یہاں بھی مبیع کے مجہول ہونے سے بیع میں کوئی فساد نہ پیدا ہوگا۔

لہذا جس طرح درجِ بالا مسائل میں مبیع کی جہالت کے باوجود بیع صحیح ہے اسی طرح مسئلۂ دائرہ میں بیعِ حصص بھی صحیح ہے۔

بارہواں اشکال

نوٹ کی بیع نوٹ کے بدلے میں ہو، یا متاعِ مجہول کی بیع نوٹ کے بدلے میں۔ بہرحال مذکورہ توجیہات کے مطابق تسلیمِ مبیع کے لئے کمپنی میں شرکت شرط ہے، کیونکہ مبیع کی تسلیم بہرحال کمپنی کے واسطے سے بایں طور ہوگی کہ کمپنی مشتری کی وکیلِ عام ہوگی، اور یہ اسی وقت ہوگا جب مشتری کمپنی یا ہدایت کار بورڈ کا شریک و حصہ دار ہوجائے۔ جیسا کہ ماسبق میں واضح کیا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نوٹ، یا متاع کی یہ بیع اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مشتری کمپنی میں شرکت کرے اور یہ شرط کمپنی کے آئین میں

معروف ومعہود ہونے کے باعث مُقارِنٌ لِلعقد ہے جو کئی وجوہ سے مُفسِدِ عقد ہے۔

(۱) یہ بیع بالشرط ،، ہے جو فاسد و ناجائز ہوتی ہے کیونکہ حدیثِ پاک میں شرط کے ساتھ بیع کرنے سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔

(۲) نیز یہ شرط باہمی نزاع کی باعث ہے کہ ایک فریق اسی شرط پر عمل آوری کا مطالبہ کرے گا، اور جس فریق کے خلاف یہ شرط ہوگی وہ اس سے انکار یا اعراض کرے گا، اور یہی طلب وانکار نزاع کا باعث ہے جو مشروعیتِ بیع کی حکمت کے منافی ہے۔

(۳) علاوہ ازیں یہ شرط تقاضائے عقد کے خلاف بھی ہے کیونکہ عقد کا تقاضا تو یہ ہے کہ بائع ومشتری کو مکمل اختیار اور آزادی حاصل ہو کہ وہ چاہیں تو مبیع اور دام کی تسلیم وتسلّم کمپنی میں شرکت کے ساتھ کریں، یا بلا شرکت۔ اور یہاں یہ اختیار و آزادی ایک قانون کے ذریعہ سلب کر دی گئی ہے۔

ان امور کے ناجائز و مُفسد ہونے کی صراحت کتب فقہ میں موجود ہے

مثلاً ھدایہ میں ہے:

مَنْ بَاعَ عبدًا علیٰ	ایک شخص نے اپنا کوئی غلام اس شرط
أن يُّعتِقَهُ المُشتري،	پر بیچا کہ مشتری اسے آزاد کر دے، یا
أو يُدبِّرَه	مدبّر بنا دے ....

ؔ۔ مُقارِنٌ لِلعقد ،، وہ شرط ہے جو عقد کے ایجاب وقبول کے ساتھ عرفاً پائی جائے، یا ایجاب وقبول کے الفاظ میں اس کا ذکر ہو۔ ۱۲ ن ـــــ ؔ مُدَبَّر وہ غلام جس کے متعلق اس کے آقا نے کہدیا ہو کہ وہ میری وفات کے بعد آزاد ہے ۱۲ ن۔

فالبیع فاسدٌ، لأنّ هٰذا بیعٌ وشرطٌ وقد نهی النبیُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم عن بیعٍ وّشرطٍ .... وّلأنّہٗ یقع بسببہ المُنازعۃُ فیعری العقد عن مقصودہٖ اھ (۱)

تو بیع فاسد ہے۔ اس لئے کہ یہ بیع شرط کے ساتھ ہے اور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے شرط کے ساتھ بیع کرنے سے روکا ہے۔

اور اس لئے کہ اس شرط کی وجہ سے باہم نزاع واقع ہوگا، تو عقد اپنے مقصود سے خالی ہوجائے گا۔

فتح القدیر میں ہے:

بَاعَ أمۃً بشرط أن یّطأھا المشتری، أو أن لا یطأھا فسد البیعُ عند ابی حنیفۃ فیھما، لِما ذُکِر من أنّ مقتضی العقد الإطلاقُ وھٰذا تعیین أحدِ الجائزَین اھ

کسی نے اپنی باندی اس شرط کے ساتھ بیچی کہ مشتری اس کے ساتھ وطی کرے، یا اس شرط کے ساتھ کہ وطی نہ کرے تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہے، دلیل وہی ہے جو ذکر ہوئی کہ عقد کا تقاضا اختیار و آزادی ہے، اور یہ تو دو اختیاری باتوں میں سے ایک کو اس کے سر معین و لازم کردینا ہے۔

——— (۲) ———

---

(۱) ھدایہ ج۳ ص ۴۲۔ باب البیع الفاسد۔ رشیدیہ

(۲) فتح القدیر ص ۸۱ ج ۶ باب البیع الفاسد مکتبہ رشیدیہ

ــہ الحدیث رواہ الطبرانی فی معجمہ الوسط۔ ورواہ الحاکم فی کتاب علوم الحدیث۔ فی باب الأحادیث المتعارضۃ، ومن جھۃ الحاکم ذکرہ عبد الحق فی أحکامہ۔ کذا فی نصب الرایہ ص ۱۷، ۱۸ ج ۴ الباب البیع الفاسد۔

ان جزئیات کا مفاد یہی ہے کہ "بیع بالشرط" درج بالا تین تین وجوہ سے ناجائز و فاسد ہے۔

اب اس اشکال کے چند حل ملاحظہ فرمائیے۔

حل (۱) بیع کے ساتھ وہ شرط مفسدِ بیع ہوتی ہے جس میں تین خرابیاں ایک ساتھ جمع ہوں۔

(ا) شرط تقاضائے عقد کے خلاف ہو۔

(ب) نیز وہ واقع میں نفع بخش بھی ہو۔

(ج) اور ساتھ ہی وہ نفع عاقدین میں سے کسی ایک کو اس طور پر مل رہا ہو کہ اس کے مقابل دوسرے عاقد کو کچھ بھی نہ ملے یعنی وہ نفع عوض سے خالی ہو ______ یا ______ جو چیز بیچی جا رہی ہے وہ صاحبِ عقل و شعور ہو جو شرط کے نفع کی حقدار بن سکے۔ جیسے غلام اور باندی۔ اب ایسے مبیع نہیں پائے جاتے۔

اگر یہ تینوں خرابیاں ایک ساتھ نہ پائی جائیں مثلاً دو موجود ہوں، اور ایک مفقود۔ یا ایک موجود ہو، اور دو مفقود۔ یا سب مفقود ہوں تو ان سب صورتوں میں شرط کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

ثم جملة المذهب فيه	اس باب میں مذہب کا قاعدۂ کلیہ
أن يقال: إنّ كلّ شرط	یہ ہے کہ ہر وہ شرط جس کو عقد نہ چاہے اور
لا يقتضيه العقد وفيه منفعة	اور اس میں عاقدین یعنی بائع یا مشتری

لِأحد المتعاقدين، أو للمعقود عليه وهو من أهل الإستحقاق يفسده - لِأنّه يقع بسببه المنازعة، فيعرى العقد عن مقصوده - إھ ملخصًا (۱)

میں سے کسی ایک کا نفع ہو، یا مبیع کا نفع ہو جبکہ وہ نفع کا حقدار بننے کا اہل ہو تو وہ شرط بیع کو فاسد کر دے گی - اس لئے کہ اس کی وجہ سے باہم نزاع واقع ہوگا اور عقد بیع کا مقصود فوت ہو کر رہ جائے گا -

اب اگر یہ شرط اپنے تینوں ارکان، یعنی درج بالا خرابیوں کے ساتھ بلا کم و کاست بیعِ حصص میں متحقق ہو تو یقیناً وہ بیع فاسد ہوگی اور اگر کوئی بھی ایک رکن یا خرابی اس شرط میں نہ پائی گئی تو یہ مُفسدِ عقد نہ ہوگی -

اب غور فرمائیے :

جو شرط مُفسد عقد ہوتی ہے اس کا ایک جوہری رکن یہ ہے کہ اس کا نفع عاقدین میں سے کسی ایک کو ملے، اور یہاں شرط کا نفع عاقدین میں سے کسی کو نہیں بلکہ غیر عاقدین کو مل رہا ہے، اور وہ "غیر" یہاں "کمپنی" یا بورڈ آف ڈائرکٹرس ہے - لہذا یہ شرط مفسد عقد نہ ہوگی - یہی عامہ متونِ مذہب کے مفہوم مخالف کا مفاد ہے جو بجائے خود قابلِ اعتبار و حجت ہے -

یوں تو اس باب میں دو قول ہیں :

ایک : یہ کہ شرط، اجنبی کے لئے ہو تو بھی بیع فاسد ہوگی امام ابو الحسین قدوری، امام ابن ملک، امام زیلعی اور صاحبِ خلاصہ کا رجحان یہی ہے -

---

(۱) هدایه ص ۴۳ ج ۳ بابُ البیع الفاسد - رشیدیه -

دوسرا قول : یہ ہے کہ شرط اجنبی کے لئے ہو تو بیع صحیح ہوگی۔ یہی موقف امام صدر الشہید، امام فقیہ النفس قاضی خاں، صاحبِ ذخیرہ، صاحب ہدایہ، اور صاحبِ وقایہ، وغیرہم کا ہے اور اسی کو محقق ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دیا ہے۔ اور آج کے زمانے میں یہ بے بضاعت تیسیراً اسی قول پر فتویٰ دینا پسند کرتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے :

ولوکان منفعۃ الشرط لغیر المتعاقدین، کالبیع علی أن یُقرض فلاناً کذا، ففیہ اختلاف المشائخ اھ (۱)	اگر بیع میں شرط کا نفع بائع اور مشتری کے سوا کسی اور کے لئے ہو، مثلاً اس شرط پر کوئی سامان بیچا کہ مشتری فلاں کو اتنے روپے قرض دیدے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کچھ مشائخ اس شرط کے جواز کے قائل ہیں، اور کچھ عدمِ جواز کے، چنانچہ اسی فتح القدیر میں ہے :

ولوکان فی الشرط ضرر کأن شرط أن یقرض أجنبیاً لایفسد العقد، وذکر القدوری أنہ یفسد۔ اھ (۲)	اگر شرط میں ضرر ہو، مثلاً یہ شرط لگائی کہ مشتری فلاں اجنبی کو قرض دے تو عقد فاسد نہ ہوگا ــــ اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ عقد فاسد ہو جائے گا۔

---

(۱) فتح القدیر ص ۸۰ ج ۶ باب البیع الفاسد، مکتبہ رشیدیہ۔ پاکستان

(۲) فتح القدیر ص ۸۱ ج ۶ باب البیع الفاسد، مکتبہ رشیدیہ، پاکستان

در مختار میں ہے:

فلو شرط أن يسكنها فلان، أو أن يقرضه البائع أو المشتري كذا، فالأظهر الفساد، ذكره أخي زادہ، وظاهر البحر ترجيح الصحة اھ (۱)

اگر بائع نے یہ شرط لگائی کہ مکان میں فلاں شخص قیام کرے گا، یا اس کو بائع یا مشتری اتنے روپے قرض دیدے تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ عقد فاسد ہو جائے گا، اسے اخی زادہ نے ذکر کیا ہے۔ اور بحر سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ عقد کا صحیح رہنا ہی راجح ہے۔

بحر الرائق کی کس عبارت سے عقد کی صحت کا راجح ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی نشاندہی فرماتے ہوئے حضرت علامہ شامی رقمطراز ہیں:

(قوله: وظاهر البحر) حيث قال: وخرج أيضا ما إذا شرط منفعة لأجنبي، كأن يقرض البائع أجنبيا فالبيع صحيح. كما في الذخيرة عن الصدر الشهيد.

وفي القهستاني عن الاختيار: جواز البيع وبطلانه

بحر الرائق میں فرمایا کہ: بیع میں اجنبی کے لئے نفع کی شرط ہو تو یہ شرط فاسد نہیں۔ لہذا اگر مشتری نے اس شرط پر کوئی سامان خرید ا کر بائع فلاں اجنبی کو قرض دے تو بیع صحیح ہو گی۔ ایسا ہی ذخیرہ میں امام صدر شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ہے۔

اور قہستانی میں "اختیار" کے حوالہ سے ہے کہ بیع تو صحیح ہو گی مگر شرط باطل ہو گی۔

---

(۱) الدر المختار علی ھامش رد المحتار ص ۱۳۷ ج ۴ مکتبہ ماجدیہ پاکستان۔

الشرط ۔ وفی المنح :	اور منح میں ہے کہ صاحبِ وقایہ نے
واختار صاحبُ الوقایۃ تبعًا	صاحبِ ہدایہ کی پیروی میں یہ موقف اختیار
لصاحب الھدایۃ عدمَ الفساد اھ۔	کیا کہ بیع فاسد نہ ہوگی ، خانیہ میں بھی اسی
وبہ جزم فی الخانیۃ۔	پر جزم فرمایا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ تمیم بات
قلتُ : لکن قد علمتَ	معلوم ہو چکی ہے کہ شارح نے ابن ملک
أنّ ما نقلہ الشارح عن ابن	سے جو یہ نقل فرمایا کہ شرط اجنبی کے لئے
ملک من التعمیم للأجنبیّ،	ہو ، یا عاقد کے لئے ، اس کا مفسدِ بیع
صرّح بہ الزیلعی ، وبہ جزم	ہونا سب کو عام ہے اس کی صراحت
فی الفتح ، وکذا فی الخلاصۃ	امام زیلعی نے کی ہے اور فتح القدیر میں اسی
کما قدّمناہُ آنفًا ، والحاصلُ	پر جزم فرمایا اور جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔
أنّھما قولانِ فی المذھب	ایسا ہی خلاصہ میں بھی ہے ۔ حاصل کلام یہ کہ
اِھ ملخصًا (۱)	اس باب میں دو قول ہیں ۔

راقم الحروف نے تیسرا فقیہ النفس امام اجل قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اختیار کیا ہے کہ شرط اجنبی کے لئے ہو تو بیع صحیح ہوگی ۔

علاوہ ازیں مشائخ کرام کا یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب اجنبی کے لئے شرط بائع ، یا مشتری کی طرف سے ہو ، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ یہاں شرط نہ تو مشتری کی طرف ہے ، نہ بائع کی طرف سے ۔ جو کچھ شرط ہے وہ کمپنی

---

(۱) ردالمحتار ص ۱۳۷ ج ٤ ۔ مکتبہ ماجدیہ ۔

کی طرف سے ہے اور کمپنی ہی کے لئے ہے اس لئے یہ بیع بالاتفاق جائز ہونی چاہیئے۔

واضح ہو کہ کمپنی خواہ کاروباری ادارہ کو مانا جائے، یا ہدایت کار بورڈ کو، بہر حال یہاں شرکت کی شرط اجنبی ہی کی طرف سے ہے اور اجنبی ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ ہدایت کار بورڈ بھی عاقدین کا غیر ہی ہے۔

یہاں یہ امر بھی شک و شبہہ سے بالاتر ہے کہ جو شخص پہلے کے حصہ دار سے شیر خرید رہا ہے وہ اس شرکت پر مجبور نہیں ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ شرکت کے لئے ہی شیر خریدتا ہے۔

(۲) علاوہ ازیں جیسا کہ ہم عنقریب إن شاء الله العزیز ثابت کریں گے، شرکت، کوئی نفع نہیں، بلکہ یہ بسا اوقات عیب قرار پاتی ہے جو نقصان کی باعث ہے۔

اب اگر یہ شرط خود بائع کے لئے بھی ہوتی تو مفسد بیع نہ ہوتی کہ مُفسِد تو وہ شرط ہے جس میں نفع ہو اور یہاں نفع معدوم ہے۔

(۳) کمپنی کے شرکار (شیر ہولڈرس) سے کوئی بھی شخص شیر خاص اسی غرض کے لئے خریدتا ہے کہ وہ بھی کمپنی کا شریک و شیر دار بن جائے، اور شرکت کی غرض سے جب بیع و شراء ہو تو وہ عقد کا عین مقتضیٰ ہوا کرتی ہے جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔

ایسی شرکت اور بیع کا ذکر تو فقہاء کے کلام میں بھی موجود ہے، مثلاً دُرِّ مختار و رد المحتار میں ہے:

"ایک شخص نے کوئی چیز خریدی، کسی دوسرے شخص نے اس سے یہ کہا کہ :

"مجھے اس میں شریک کرلے"

مشتری نے کہا۔ شریک کرلیا۔

اگر یہ باتیں اس وقت ہوئیں کہ مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا ہے تو شرکت صحیح ہے، اور قبضہ نہ کیا ہو تو شرکت صحیح نہیں۔ کیونکہ اپنی چیز میں دوسرے کو شریک کرنا، اس کے ہاتھ بیع کرنا ہے۔ اور بیع اسی چیز کی ہوسکتی ہے جو قبضہ میں ہو اور جب شرکت صحیح ہوگی تو نصفِ ثمن دینا لازم ہوگا کہ دونوں برابر کے شریک قرار پائیں گے" (۱)

بلکہ اس کا جواز تو حدیث پاک سے بھی ثابت ہے۔ بخاری شریف کی یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ :

"صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بازار جاتے اور غلہ خریدتے تو حضرت ابن عمر اور حضرتِ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان سے ملتے اور فرماتے کہ :

"ہمیں بھی شریک کرلیجیے"

کیونکہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعائے برکت فرمائی ہے

---

(۱) بہار شریعت ص ۳ ہم حصہ ۱۰ متفرق مسائل، درمختار ورد المحتار ص ۳۸۵۔ ج ۳۔ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ۔ ماجدیہ پاکستان۔

تو وہ ان دونوں حضرات کو بھی شریک کر لیتے " (۱)

" ہمیں بھی شریک کر لیجئے "

اس کا مطلب یہی ہے کہ اس مال کا جز حصہ ہمارے ہاتھ بیچ دیجئے

اور اس طرح سے ہمیں بھی اس کی تجارت میں شریک بنا لیجئے۔

تو یہاں " بیع " بھی ہے اور " شرکت " بھی۔ یونہی در مختار والے مسئلے میں بھی، بیع اور شرکت، دونوں موجود ہیں۔ اب خواہ اسے یہ کہئے کہ یہ بیع شرکت کی شرط سے مشروط ہے، یا یہ کہئے کہ یہ بیع شرکت کے لئے ہوئی، بہر حال بیع اور شرکت دونوں جائز و درست ہیں تو اسی طرح سے کمپنی والے مسئلے میں بھی بیع و شرکت دونوں جائز و درست ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ شرکت کے لئے جب دونوں فریق راضی ہوں اور اسی غرض کے لئے خرید و فروخت کریں تو شرکتِ عقد، بیع کے تقاضے کے مطابق ہوتی ہے اور شرط جب تقاضائے عقد کے مطابق ہو تو بیع درست ہوتی ہے

خلاصہ یہ کہ شرط کے مفسد بیع ہونے کے لئے تین ارکان کا اجتماع ضروری ہے۔

- ایک یہ کہ وہ تقاضائے عقد کے خلاف ہو۔
- دوسرے یہ کہ وہ بجائے خود نفع بخش بھی ہو۔
- اور تیسرے یہ کہ نفع کا حقدار عاقدین میں سے کوئی ایک ہو۔

---

(۱) صحیح البخاری باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ ص ۳۴۰/۱ مشکوٰۃ ص ۲۵۴ باب الشرکۃ والوکالۃ۔

اور یہاں تینوں ہی ارکان ناپید ہیں کہ شرط (اگر مانی جائے تو) تقاضائے عقد کے مطابق ہے اور شرطِ شرکت خود کوئی نفع کی چیز بھی نہیں، اور بالفرض اگر وہ نافع بھی ہو تو نفع غیر عاقدین کے لئے ہے۔

لہذا یہاں شرکت کی شرط بے ضرر اور بیع حصص صحیح و درست ہے۔

تیرہواں اشکال

بیع حصص کے ساتھ شرکت کی شرط مفسد بیع نہ ہو نہ سہی، کم از کم اتنا تو تسلیم ہے کہ شرکت بھی ایک عقد ہے جسے قانونی طور پر عقدِ بیع کے ساتھ لازم قرار دے دیا گیا ہے۔ تو یہ فی الواقع ایک عقد میں دو عقد ہوا، اور یہ بھی شرعاً ناجائز و فاسد ہے،

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وکذالك (أي يفسد البيع) لو باع عبدًا على أن يستخدمه البائع شهرًا، أو دارًا على أن يسكنها،	اگر کسی نے غلام کو اس شرط پر بیچا کہ بائع ایک مہینہ تک اس سے اپنا کام کاج کرائے گا، یا گھر کو اس شرط پر بیچا کہ بائع (ایک ماہ تک مثلاً) اسی میں رہے گا تو
...... لأنه لو كان الخدمة والسكنى يقابلهما شيء من الثمن يكون إجارة في بيع، ولو كان لا يقابلهما يكون إعارة في بيع، وقد نهى النبي عليه الصلوٰة والسلام عن صفقتين	بیع فاسد ہے۔ ...... اس لئے کہ اگر کام کاج، اور رہائش کے مقابل کچھ عوض مقرر ہو تو یہ بیع میں ایک اور عقد، عقدِ اجارہ، ہوگا۔ اور اگر ان کے مقابل کوئی عوض نہ طے ہو تو یہ عقد بیع میں ایک دوسرا عقد، عقدِ اعارہ، ہوگا، حالانکہ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ

فی صَفقۃٍ اھ ملخصاً۔

علیہ وسلم نے ایک عقد میں دو عقد کرنے سے روک دیا ہے۔

(۱)

اس حدیث کے تحت حافظ الحدیث امام جمال الدین حنفی زیلعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

رواہ أحمد فی "مسندہ" عن عبد اللہ بن مسعود، ورواہ البزار فی "مسندہ" عن أسود بن عامر، ورواہ الطبرانی فی معجمہ الوسط" عن حرب مرفوعاً لاتحِلُّ صفقتان فی صفقۃ اھ (۲)

یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے اور اسی کو بزار نے اپنی مسند میں حضرت اسود بن عامر سے روایت کیا ہے۔ اور طبرانی نے اپنی معجم وسط میں حضرت حرب سے مرفوعاً یوں روایت کیا ہے کہ ایک عقد میں دو عقد کا معاملہ حلال نہیں۔

حل (۱)

ہمیں سب سے پہلے یہاں یہ غور کرنا چاہیے کہ ایک عقد میں دو عقد کرنا کیا مطلقاً ناجائز ہے؟

کتب فقہ کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ بہت سی صورتوں میں ایک عقد میں دوسرا عقد بھی پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر چند ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) ھدایہ ص ٤٤ جلد ٣ باب البیع الفاسد۔ مکتبہ رشیدیہ

(۲) نصب الرایہ لِأحادیث الھدایہ ص۲۰ ج ۴ باب البیع الفاسد

(۱) ایک باندی جس کے گلے میں چاندی کا طوق ہے دو ہزار درہم (چاندی کا روپیہ) کے عوض بیچی گئی کہ دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ایک ہزار روپے تھی۔ تو یہ جائز ہے حالانکہ درہم کے بدلے باندی کی بیع عقدِ مطلق ہے اور طوق کی بیع عقدِ صرف۔

هدایه میں ہے:

من باع جاریةً قیمتها ألفُ مثقالٍ فضّةٍ، وفی عنقها طوقُ فضّةٍ قیمتُه ألفُ مثقال بألفَی مثقال فضّةٍ، ونقد من الثمن ألفَ مثقالٍ، ثمّ افترقا۔ فالذی نقدَ ثمنُ الفضّة لأنّ قبضَ حصّة الطّوق واجب فی المجلس، لکونه بدل الصّرف، والظّاهرُ منه الإتیانُ بالواجب اھ (۱)

ایک شخص نے اپنی باندی جس کے گلے میں چاندی کا طوق تھا دو ہزار مثقال[ے] چاندی کے بدلے میں بیچی، باندی کی قیمت ایک ہزار، اور طوق کی بھی قیمت ایک ہزار۔ اب مشتری نے ایک ہزار مثقال چاندی دام میں نقد دیا، پھر دونوں جدا ہوگئے، تو یہ نقد چاندی طوق کا دام قرار پائے گی، اس لئے کہ طوق کے دام پر جدا ہونے سے پہلے بائع کا قبضہ واجب ہے کیونکہ یہ عقدِ صرف کا معاوضہ یا دام ہے اور مسلمان کا ظاہرِ حال یہ ہے کہ اس نے واجب دام کو ہی ادا کیا ہے۔

---

(۱) الهدایة ص۔۹۰ ج ۳ کتاب الصرف۔ رشیدیه۔

ے ایک مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہوتا ہے اور ماشہ، گرام سے کچھ زیادہ ہوتا ہے ۲۰ن

جب ایجاب وقبول ایک ہو تو عقد بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ایک عقد میں دوسرا عقد بھی متحقق ہے۔ پھر بھی جائز ودرست ہے۔

(ب) کسی نے ایسی تلوار جس میں چاندی کا حلیہ لگا ہوا تھا سو روپے میں بیچ دی تو یہ بیع بھی جائز ہے، اور یہاں بھی ایک ہی ایجاب وقبول میں دو عقد "بیع مطلق، و بیع صرف" پائے گئے۔ ہدایہ میں ہے:

وَكَذٰلِكَ لَوْ بَاعَ سَيفًا مُحلًّى بِمائةِ دِرهمٍ، وحِليتُهُ خمسون۔ ودفع من الثمن خمسين، جاز البيعُ فكان المقبوض حِصّةَ الفِضّةِ، وإن لم يُبيِّن ذٰلك لِما بيَّنَّا۔ (۱)	اگر حلیے سے آراستہ تلوار کو سو روپے میں فروخت کیا، اور حلیہ کی مالیت پچاس روپے ہے اور مشتری نے پچاس ہی روپے نقد دیئے تو بھی بیع صحیح ہے اور یہ نقد روپے حلیہ کے دام قرار پائیں گے اگرچہ مشتری نے اس کی وضاحت نہ کی ہو کیونکہ ظاہر حالِ مسلم اسی کا شاہد ہے۔

فتح القدیر میں انھیں مسائل کی تشریح کے ضمن میں فرمایا:

ولو لم يتقابضا في الصورتين حتى افترقا، بطل في حصّة الطوق والحلية، لأنّه صرفٌ فيهما ويصحّ في الجارية الخ (۲)	اور اگر عاقدین دونوں مسئلوں میں کچھ بھی دام پر قبضہ کئے بغیر جدا ہو گئے تو طوق اور حلیہ کی بیع فاسد ہے کیونکہ ان دونوں کی بیع، بیع صرف ہے اور باندی اور تلوار کی بیع صحیح ہے کہ یہ بیع مطلق ہے۔

---

(۱) الهدایہ ص ۹۰ جلد ۳۔ کتاب الصرف۔ رشیدیہ

(۲) فتح القدیر ص ۲۶۶ ج ۶ کتاب الصرف، ماجدیہ۔

بہار شریعت ص ۱۹۹ و ص ۲۰۰ جلد ۱۱ میں بھی یہ دونوں مسئلے نقل کئے گئے ہیں۔

(ج) ایک شخص نے دوسرے کو کچھ روپے تجارت کے لئے دیئے اب اگر تجارت کا کُل نفع تاجر کے لئے طے ہو تو یہ معاہدہ "عقدِ قرض" ہے اور اگر اس کے برعکس کل نفع صاحبِ مال کو ملنا طے ہوا ہو تو یہ "عقدِ بضاعت" ہے (۱) اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر اب ذیل کا جزئیہ پڑھئے۔

وفی مُضَارَبَةِ التتارخانیہ:
ولو قال: "خُذ هٰذه الألفَ عَلیٰ أنّ نصفَها قرضٌ علیٰ أن تعمل بالنّصف الأٰخرِ علیٰ أن یکون الرّبحُ لی" جاز و لا یُکرہُ۔
فإن تصرّفَ بالألفِ و ربح کان بینهما علی السّواء۔ والوضیعۃُ علیهما لأنّ نصفَ الألف صار ملکاً للمضارب بالقرض، والنصفَ

فتاویٰ تتارخانیہ کے کتاب المضاربت میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ "تم یہ ہزار روپے لو، اس میں سے آدھے روپے تمہیں اس شرط پر قرض دیتا ہوں کہ بقیہ آدھے روپے سے تم تجارت کرو، اور کل نفع میرا ہوگا، یہ معاہدہ جائز ہے مکروہ نہیں۔
اب اگر اس دوسرے شخص نے پورے ہزار روپے سے تجارت کی اور نفع کمایا تو یہ دونوں کا برابر برابر ہوگا۔ اور خسارہ کی صورت میں نقصان بھی دونوں پر یکساں عائد ہوگا اس لئے کہ پانچ سو روپے تو قرض کی وجہ سے

---

(۱) الہدایہ ص ۲۷۱ جلد ۳ أول کتاب المضاربۃ۔ رشیدیہ۔

الآخر بضاعة في يده ۔ | تاجر کی ملک ہیں اور بقیہ پانچ سو روپے اُس کے قبضہ میں بطور عقد بضاعت ہیں ۔

۱ھ (۱)

یہاں "عقد قرض" میں "عقد بضاعت" کی شرط ہے تو یہ بلا شبہ ایک عقد میں دو عقد کرنا ہوا، مگر جائز ہے ۔

(د) ایک شخص نے دوسرے کو پانچ سو روپے اس شرط پر قرض دیئے کہ تم مجھ سے یہ پانچ سو روپے اور لے لو، اور دونوں روپے ایک میں ملا کر ہزار روپے سے بطور شرکت تجارت کرو۔ یعنی عقد قرض میں عقد شرکت کی شرط لگائی تو فتاویٰ تتارخانیہ میں درج بالا عبارت کے فوراً بعد ہے کہ یہ معاہدہ بھی بلا کراہت جائز و درست ہے ۔ (۲) عنقریب یہ عبارت اسی سلسلۂ بیان میں آگے آ رہی ہے ۔

(ھ) کفالتِ مال کی ایک شکل "کفالت درک" ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیع ہو جانے کے بعد اگر کسی نے یہ ثابت کر دیا کہ فلاں شخص نے جو سامان بائع سے خریدا ہے وہ بائع کا نہیں، میرا ہے ۔ تو کفیل اس سامان کے دام کا ذمہ دار ہوگا کہ دام خود ادا کرے، یا بائع سے واپس دلائے ۔ اسے کفالت استحقاق بھی کہتے ہیں ۔

اس تشریح کو ذہن میں رکھ کر ذیل کا مسئلہ پڑھئے :

ایک شخص نے کسی سے کوئی سامان اس شرط پر خریدا کہ فلاں آدمی مثلاً

---

[۲۰۱] ردالمحتار ص ۳۵۲ ج ۳ ، فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ ۔ نعمانیہ ۔

زید میرے لئے کفیلِ استحقاق بن جائے، بائع نے اس شرط پر بیع منظور کر لی زید بھی راضی ہو گیا تو یہ بیع صحیح ہے حالانکہ یہ بلاشبہ ایک عقد میں دو عقد ہے ایک "عقدِ بیع" اور دوسرے "عقدِ کفالت" ہدایہ میں ہے۔

قال: ومن باع دارًا وكفّل رجلٌ عنه بالدرك فهو تسليم ۔ لأنّ الكفالة لوكانت مشروطةً في البيع فتمامهٗ بقبوله، ثم بالدعوىٰ يسعىٰ في نقضِ ماتمّ من جهته

امام محمد فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کوئی مکان بیچا، اور دوسرا شخص اس کی طرف سے کفیلِ استحقاق بنا تو یہ کفیل کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ مکان بائع کا ہی ہے اس لئے کہ بیع میں کفالت کی شرط ہے اور اس شخص کے کفالت قبول کرنے سے ہی بیع تام ہوئی ہے اب اگر کفیل یہ دعویٰ کرے کہ وہ مکان میرا ہے تو مسموع نہ ہوگا کہ وہ بیع کو پورا کر کے خود ہی اسے توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

(۱)

اس مسئلے میں اصلِ عقد "بیع" ہے اور اس میں ایک دوسرے عقد "کفالت" کی شرط ہے تو یہ بلاشبہ ایک عقد میں دو عقد ہوا پھر بھی بیع صحیح ہے، بلکہ یہ بیع اس شرط کے ساتھ ہی تام ہو رہی ہے کیونکہ کفیل اگر شرطِ کفالت کو منظور نہ کرتا تو بیع ہی تام نہ ہوتی۔ تو یہ عجیب بات ہے کہ جو چیز فساد کی باعث تھی وہی یہاں بیع کے تام ہونے کا سبب بن گئی۔

(۱) هدایہ، کتاب الکفالۃ ۔ قُبیل فصلٍ فی الضمان۔ ص ۱۰۸ ج ۳

ان جزئیات سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ ایک عقد میں دو عقد مطلقًا ناجائز وفاسد نہیں۔

اس لئے ہمیں اب وہ علت تلاش کرنی چاہئے جس کی بنیاد پر حدیثِ پاک میں اس سے ممانعت فرمائی گئی۔

یہ بے بضاعت غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ "ایک عقد میں دوسرے عقد" کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ ایک عقد کے ساتھ دوسرے عقد کو مشروط کر دینے کی وجہ سے عاقدین میں سے کسی کو ایسا نفع ملے جو سود کا مترادف ہوتا ہے یعنی وہ نفع معاوضہ سے خالی ہو۔

آپ اس نوع کے تمام مسائل کا اِستقصاء کر لیجئے ان میں عقد ثانی جو کسی عقد کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے مُستلزم ربا ضرور ہو گا کیونکہ وہ عقد بائع یا مشتری کو ایسا نفع فراہم کرتا ہے جس کے مقابل دوسرے عاقد کو کوئی نفع نہیں ملتا اور یہ بلاشبہ سود ہے تو ایک عقد میں دوسرے عقد کی شرط یہ فی الواقع ربا و سود کی شرط ہے جو یقیناً ناجائز و مُفسدِ عقد ہے اس کی تائید حدیث "

" نَھٰی عن صَفقتین فی صَفقۃٍ "

کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے چنانچہ امام زیلعی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی تخریج میں لکھتے ہیں:

ورواہ العقیلی فی "ضعفائہ" عن سماک بہ مرفوعًا: "الصفقۃُ فی الصفقتین ربا"۔	اسی حدیث کو امام عقیلی نے "کتاب الضعفاء" میں حضرت سماک سے مرفوعًا یوں روایت کیا کہ "ایک عقد میں دو عقد سود ہے"۔

إنتهى، وأعلّه بعمرو بن عثمان هٰذا، وقال: لايتابع على رفعها، والموقوف أولى، ثم أخرجه موقوفًا، وهٰكذا رواه الطبراني في معجمه الكبير موقوفًا۔ وكذالك رواه أبو عبيد القاسم بن سلام موقوفًا۔ وكذالك رواه ابن حبان في «صحيحه» في النوع الثامن والعشرين من القسم الأوّل موقوفًا

اور اسے عمرو بن عثمان کی وجہ سے معلول قرار دیا اور فرمایا کہ اس حدیث کو مرفوعًا روایت کرنے میں کوئی ان کا متابع نہیں اور موقوف اولیٰ ہے ۔ پھر اس کی تخریج موقوفًا کی، یونہی امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابو عبید قاسم بن سلام نے اسے موقوفًا ہی روایت کیا ہے ۔ یونہی اسے ابن حبان نے اپنی « صحیح » میں قسم اول کی « النوع الثامن والعشرون » میں موقوفًا روایت کیا ہے ۔

اھ ملخّصًا (۱) . . . .

امام ابن الہمام علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

أمّا معناهُ: فسّره المصنّفُ بما سمعتَ۔ وروايةُ ابن حبّان تحديثٌ موقوفًا «الصفقةُ في الصفقتين

« ایک عقد میں دو عقد » کا مطلب تو وہی ہے جو حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا، اور « صحیح ابن حبان » میں حدیث کی موقوفًا روایت کہ « ایک عقد میں

---

(۱) نصب الرایہ لأحادیث الهدایہ ص ۲۰، ج ۴ باب البیع الفاسد۔

ربًا ، تؤیّدُ تفسیرَ المصنّف (۱)	دو عقد سود ہے ، مصنف علیہ الرحمہ کے بیان کئے ہوئے مطلب کی تائید کرتی ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے "ایک عقد میں دو عقد" کی جو تفسیر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ایک عقد میں دوسرے ایسے عقد کی شرط لگائی جائے جو تقاضائے عقد کے خلاف ہونے کے ساتھ نفع بخش بھی ہو اور وہ نفع کسی عاقد کو ملے۔ اس کی تائید درج بالا روایت سے یوں ہوتی ہے کہ وہ نفع جو کسی ایک عاقد کو مل رہا ہے عوض سے خالی ہونے کی وجہ سے سود ہے اور یہ روایت بھی اسے سود ہی قرار دیتی ہے۔ لہذا یہی تفسیر بجا و راجح ہے۔

اور جن عقود میں ایک دوسرے عقد "عقدِ اعارہ" یا عقدِ کفالت کی شرط مشروع ہے، وہاں عقد اعارہ یا عقد کفالت مقتضائے عقد ہے اس لئے ان عقود میں یہ شرط سود کا ذریعہ نہ بنے گی۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ "ایک عقد میں دو عقد" مطلقًا ناجائز و فاسد نہیں، بلکہ اُس وقت فاسد ہے جب وہ مستلزم ربا ہو۔

اب مسئلہ دائرہ میں غور کیجئے۔

شیئر دار نے اپنے حصص دوسرے کے ہاتھ فروخت کئے تو اس میں شرکت کی شرط نہ تو اس کی طرف سے ہے، اور نہ ہی اسے اس کا کوئی نفع مل رہا ہے، بلکہ یہ شرط تو کمپنی کی طرف سے ہے اور کمپنی ہی کے لئے ہے۔ بلفظ دیگر یہ شرط عاقدین میں سے کسی کے لئے نہیں، بلکہ اجنبی کے لئے ہے اور جیسا کہ پہلے

---

(۱) فتح القدیر ص ۸۱ ج ۶ باب البیع الفاسد۔

بیان ہوچکا ایسی صورت میں عقد فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ جب شرط اجنبی کے لئے ہو تو وہ سود کی ذریعہ نہیں ہوتی اور عقد سود کی ناپاکی سے پاک رہتا ہے۔

(۲) شرکت اپنی ذات کے لحاظ سے کوئی نفع نہیں بلکہ بسا اوقات یہ عیب قرار پاتی ہے جیسا کہ ذیل کے جزئیات سے اندازہ ہوگا۔

(ا) بائع نے مشتری کے بورے میں اس کی غیر موجودگی میں پہلے اپنا غلہ رکھا، پھر مشتری کا خریدا ہوا غلہ رکھا تو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشتری کو یہ خیار حاصل ہوگا کہ چاہے تو بیع کو فسخ کردے اور چاہے تو بائع کے ساتھ مشارکت کرلے۔

مشتری کو یہ خیار اس لئے ملے گا کہ بائع کی ملک میں مشتری کی ملک کے مخلوط ہوجانے کی وجہ سے دونوں میں شرکت واقع ہوگئی اور شرکت عیب ہے، لہٰذا مشتری کو عیب کی وجہ سے بیع کے فسخ و بقا کا اختیار ملے گا۔

ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر میں ہے:

(وعندهما بالخيار، إن شاء نقض البيع) لعيب الشركة (وإن شاء شاركه في المخلوط. اھ (۱)	صاحبین کے نزدیک مشتری کو خیار حاصل ہے وہ چاہے تو بیع کو شرکت کے عیب کی وجہ سے فسخ کردے اور اگر چاہے تو مخلوط غلے میں بائع سے مشارکت کرلے۔

جو شرط مشتری کی عدم رضا کی صورت میں عیب ہو وہ نفع اور سود کی

---

(۱) هدایه ص ۸۲، ۸۳ ج ۳۔ أواخر باب السلم، رشیدیه۔
فتح القدیر ص ۲۳۵ ج ۶، أواخر باب السلم، ماجدیه۔

باعث کیونکر ہو گی۔

(ب) اب فتاوٰی تاتارخانیہ، کتاب المضاربت کا وہ جزئیہ پڑھئے جس کا حوالہ ذکر پہلے ہی ہوا ہے۔

والظاهر أن الشركة كالمضاربة، لو دفع ألفا نصفها قرض على أن يعمل بالألف، بالشركة بينهما والربح يقسم بالمال مثلا، وأنه لاكراهة في ذلك، لأنه لم يكن قرضا جر نفعا اھ (۱)

ظاہر یہ ہے کہ شرکت، مضاربت کی طرح ہے لہذا اگر کسی کو ایک ہزار روپے دیے کہ اس میں سے پانچ سو روپے اس شرط پر تمہیں قرض دیتا ہوں کہ تم ہزار روپے سے شرکت میں تجارت کرو، اور نفع مثلاً دونوں کے مال کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ تو اس میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ یہ قرض ایسا نہیں جس سے نفع حاصل ہوتا ہے۔

غور فرمائیے، یہاں صاحب مال نے ایک شخص کو اس شرط پر قرض دیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ عقد شرکت کرے، اگر شرکت اپنی ذات کے لحاظ سے کوئی نفع ہوتی تو یہ "قرض" "كل قرض جر نفعا" کے عموم میں شامل ہوتا اور ساتھ ہی یہ معاہدہ ناجائز و حرام ہوتا، لیکن یہ تو مکروہ بھی نہیں۔ تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ "شرکت" کوئی نفع نہیں۔

اور بعینہ اسی شرکت کی شرط بیع حصص میں بھی ہے لہذا اسی جزئیہ کے پیش نظر مساواتی حصص کی بیع بھی شرکت کے ساتھ صحیح و درست ہو گی۔

---

(۱) رد المحتار ص ۳۰۳ ج ۳ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ۔ نعمانیہ۔

(۳) علاوہ ازیں یہ خرید و فروخت درحقیقت شرکت کی غرض سے ہے کوئی بھی شخص کمپنی کے شیر اسی مقصد کے تحت خریدتا ہے کہ کمپنی کے کاروبار میں شرکت اختیار کرے۔ اور ایسی بیع و شرکت جائز ہے۔ بخاری شریف کی حدیث گزر چکی کہ حضرت عبداللہ بن ہشام غلہ خریدتے تو حضرت ابن عمر و حضرت ابن زبیر ان سے کہتے کہ ہمیں بھی اس میں شریک کر لیجئے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کچھ غلہ ہمارے ہاتھ بیچئے اور شریک کیجئے۔ یوں ہی درمختار و شامی سے یہ جزئیہ گزرا کہ ایک شخص نے کوئی سامان خرید کر اس پر قبضہ کر لیا پھر کسی نے اس سے کہا کہ مجھے بھی اس میں شریک کر لو اور اس نے منظور کر لیا تو شرکت صحیح ہے۔ اور اس شریک پر لازم ہوگا کہ آدھا دام اپنے ساتھی کو دیدے کہ شریک بننے کے لئے سامان کو خریدنا لازمی ہے۔ اس کی تفصیل بارہویں اشکال کے آخری حل میں گزر چکی۔ یہاں بیع اور شرکت دونوں جمع ہیں اور دونوں جائز و درست ہیں۔ تو اسی طرح سے کمپنی والے مسئلے میں بھی بیع و شرکت دونوں جائز و درست ہیں کہ دونوں جگہ بیع و شرا شرکت کے مقصد سے ہی کی گئی ہے۔

چودہواں اشکال

یہ تمام موشگافی ایک طرف، اور سیدی اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیق و تنقیح ایک طرف۔

آپ نے اپنے ایک فتوے میں کمپنی میں سرمایہ کاری کو شرع کے بالکل خلاف اور حرام و گناہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے سوال و جواب سے عیاں ہوگا۔

"سوال: اس زمانے میں معاملات کی کئی نئی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں جیسے بنک، یا لائف انشورنس۔ "کمپنی یا ریلوے، یا ملوں

کے حصے "، وغیرہ، جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں، ان میں جو شخص روپیہ
جمع کرتا ہے وہ درحقیقت قرض نہیں دیتا ...... بلکہ وہ اس
تجارت میں یک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے وہ درحقیقت
سود نہیں ہے بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو منقح ہوتا ہے ....
...... اس واسطے کہ جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا
ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ فیصدی تین، یا پانچ روپے
پہلے سے منقح کرکے لیا کرے، خصوصًا اس زمانے میں جبکہ کروروں
روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں ......
.... ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس پر غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں "۔

جواب : یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں۔ کام میں لگانے
کے لئے روپیہ دینے والا بغرضِ شرکت[1] دیتا ہے، یا بطور ہبہ[2]،
یا عاریت[3]، یا قرض[4]۔

۔صورتِ ہبہ، تو یہاں بداہۃً نہیں۔ اور "شرکت" کا بطلان
اظہر من الشمس۔ شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضیٰ دونوں شریکوں
کا اصل و نفع دونوں میں اشتراک ہے۔ ایک شریک کے لئے معین
تعدادِ زر، مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو، تو کلی
نفع کا یہی مالک ہوگیا، دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح میں شرکت
کب ہوئی۔

اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی، پھر اس میں سو حصہ دار اور

شریک ہوئے اور ہر ایک کے لئے دس دس روپے نفع کے لینے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا، تو یہ "ہزار" تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے۔ یہ شرکت نہیں، لوٹ ہے، شرکت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کے قدر پڑے۔ یہاں اگر نقصان ہوا جب بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی، وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب؟

اصل مقتضائے شرکت عدل و مساوات ہے۔ فرض کیجئے کہ "اصل سرمایہ" ان سو حصوں سے دو چند (دوگنا) تھا، اور اس سال پندرہ سو روپے کے نفع ہوئے تو یہ نصف (حصے) والے ایک ہزار لیں گے، اور دو چند (دونے حصے) والوں کو صرف پانسو ملیں گے۔ آدھے کو دونا، اور دونے کو آدھا: یہ عدل ہوا یا صریح ظلم؟

بالجملہ اس عقد کو شرکتِ شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں۔ اب نہ رہے مگر عاریت، یا قرض۔

"عاریت" ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا، درمختار میں ہے عَارِیَۃُ الثَّمَنَیْنِ قَرْضٌ ضَرُوْرَۃَ اِسْتِھْلَاکِ عَیْنِھَا ــــــــ بہر حال یہاں نہیں مگر "صورتِ قرض" اور اس پر نفع مقرر کیا گیا، یہی سود ہے، اور یہی جاہلیت میں تھا۔۔

..... اور وہ (سود) نفع منفعت رجماً بالغیب ٹھہرالینا محض جہل وحماقت تھا۔" (۱)

اس فتوے سے روز روشن کی طرح یہ امر عیاں ہوجاتا ہے کہ کمپنی میں سرمایہ کاری، "شرکت" نہیں، بلکہ یہ عدل، مساوات اور شریعت سب کے خلاف ہے۔

اب تک کی ساری بحثوں کی بنیاد اس بات پر ہے کہ کمپنی میں اشتراک ایک خاص قسم کا عقد شرکت ہے، حالانکہ اسے شرکتِ شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں، اس لئے یہ تمام ابحاث بے کار ہیں۔

حل

کمپنی کے سرمایہ میں دو طرح کے حصص کے ذریعہ اشتراک کیا جاتا ہے ایک تو مساواتی حصص کے ذریعہ۔ اور دوسرے ترجیحی حصص کے ذریعہ۔

مساواتی حصص میں جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتایا جاچکا ہے تمام حصہ دار نفع اور نقصان میں اپنے مال کے تناسب سے شریک ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف ترجیحی حصص میں دلچسپی رکھنے والے نقصان کے خطرات سے بے فکر ہوتے ہیں کیونکہ کمپنی کی تجارت میں نفع ہو، یا نقصان، وہ بہرحال نفع کے حقدار رہوتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ شریف کا سوال وجواب حصص کی اسی قسم دوم سے متعلق ہے۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷ جلد ۷، باب الربوٰ، سنی دارالاشاعت، مبارکپور۔

آپ سوال کے الفاظ کو ایک مرتبہ پھر بغور پڑھ لیجئے اس میں " مبلغ " کا لفظ " معین " کے معنی میں ہے، اور " نفع مبلغ " سے مراد کمپنی میں جمع کردہ سرمایہ پر روپے سے نفع مقرر کرنا ہے مثلاً سو روپے میں تین یا پانچ روپے سوال کے یہ الفاظ اسی کے شاہد ہیں۔

" جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں کہ وہ فیصدی تین، یا پانچ روپے پہلے سے مبلغ کر لیا کرے "

غور فرمالیجئے ! اس طرح سے نفع کا تعین صرف ترجیحی حصص میں ہوتا ہے۔ پھر جواب کے الفاظ بھی از سرتا پا اسی کی شہادت دیتے ہیں، مثلاً یہ الفاظ :

" ایک شریک کے لئے معین تعداد زر (یعنی روپے کی معین مقدار) مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ کل اسی قدر نفع ہو تو کل نفع کا یہی مالک ہوگیا، دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا، تو ربح (یعنی نفع) میں شرکت کب ہوئی "

نفع کے روپے کی مقدار کا تعین، اور دوسرے سرمایہ دار کا نقصان میں عدم شرکت بلاشبہ یہ ترجیحی حصص ہی کے خواص ہیں۔ تو فتاوی رضویہ شریف کے سوال وجواب دونوں کا تعلق صرف ترجیحی حصص سے ہے اور دونوں ہی صرف ایک محور کے گرد گردش کر رہے ہیں۔

انھیں ترجیحی حصص کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے شرکتِ شرعیہ سے بے علاقہ قرار

دیا ہے تو انہیں یہ عاجز، بے مایہ بھی شرکت کے مبائن و منافی ہی قرار دیتا ہے۔[۱۰۹]

اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا "یہ شرکت نہیں، لوٹ ہے"

یہاں "یہ" سے مراد ہے "نفع کے پورے ہزار روپے (طے کئے ہوئے) لے لینا" کہ "لوٹ" یہی ہے اسی کو آگے چل کر "غصب" فرمایا، پھر بعد میں اسی کو "صریح ظلم" قرار دیا اور لوٹ وغصب وظلم ہونے کا سزاوار یہی عمل ہے تو شرکت کی نفی بھی صرف اسی عمل سے ہوئی، یہی وجہ ہے کہ نفع متعین کی شرط پر دیئے گئے سرمائے کو آپ نے سرمایۂ شرکت نہیں مانا، بلکہ سرمایۂ قرض قرار دیا، اب غور فرمائیے!

چند لوگوں نے شرعی طور پر شرکت کی پھر کچھ لوگوں سے سود کی شرط پر قرض لیا تو اس کے باعث شرکت باطل نہیں ہوتی، ٹھیک یہی حال یہاں ہے کہ ترجیحی حصص سودی قرضے ہی تو ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ "برعکس نہند نام زنگی کافور" کے طور پر اس کا نام "حصہ" رکھ دیا گیا ——— تو یہاں شرکت کی نفی صرف ترجیحی حصص سے ہے، نہ کہ مساواتی حصص سے ورنہ لازم آئے گا کہ مساواتی حصص بھی صریح ظلم ہوں، غصب ہوں، لوٹ ہوں حالانکہ یہ باطل ہے۔

پندرہواں اشکال

ٹھیک ہے یہ فتویٰ مساواتی حصص کے بارے میں نہیں، بلکہ صرف ترجیحی حصص کے بارے میں ہے لیکن فتاویٰ رضویہ کے اسی باب میں سیدی اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کا ایک فتویٰ اور ہے جس کا تعلق براہِ راست مساواتی حصص سے ہے اور اسے بھی اعلیٰحضرت نے حرام ہی گردانا ہے، بلکہ اسے حرام قطعی اور حرام در حرام قرار دیا ہے اب سوال وجواب کا متن ملاحظہ کیجئے۔

سورت کے حاجی محمد سلیمان صاحب نے آپ سے دریافت کیا :
۔ فی زمانِنا ٹراموے وریلوے کمپنی، ودیگر کارخانہ جات کے حصص
(جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں ـــــ) خریدے جاتے ہیں ۔
اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹرا موے، یا ریلوے، یا کارخانہ
پارچہ بافی، یا آہن سازی، یا کسی اور تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے
اور اس کا سرمایہ مقرر کرکے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں، اور اس
کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں
اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع، نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں،
اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں، اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع بھی
رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل
کرکے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ
بھی لیا جاتا ہے اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے ۔
اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع، نقصان کے اعتبار سے بڑھتی
گھٹتی رہتی ہے، حصہ داران اپنے حصہ کو اسی بھاؤ سے فروخت کردیتے
ہیں، لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع، دلال سے کہتا ہے کہ
آج یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو
دلال کو کہہ دیتا ہے کہ بیچ دو، تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے ۔
یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے
دلال، بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دے دیتا ہے ۔

یہاں قابلِ غور یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسبابِ تجارت میں سے کوئی شئ طلب کرے تو کمپنی والے وہ شئ اسے نہیں دیتے، اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے ہیں۔ البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے، اور اسے اسی وقت روپیہ مل بھی جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

- یہ حصص خریدنے عندالشرع جائز ہیں، یا نہیں؟
- اور اگر جائز ہے، تو یہ کس بیع میں داخل ہے۔؟
- اور اس میں زکوٰۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے ۔ یا منافع پر ۔۔۔ ؟ " (۱)

سوال کے یہ الفاظ ایک دفعہ پھر پڑھئے:

"کمپنی ۔۔۔ کے ۔۔۔ کارکنان، ششماہی، یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں، اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں، اور کچھ نفع میں سے جمع بھی رہتا ہے۔"

یہ الفاظ مساواتی حصص کی ہی خصوصیات بیان کر رہے ہیں کیونکہ انھیں حصص کے نفع، نقصان کا حساب شائع کیا جاتا ہے، تاکہ ہر حصہ دار اپنا نفع، نقصان سمجھ سکے اور اسی کے لحاظ سے نقصان برداشت کرے، یا کمپنی سے نفع وصول کرے۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۱۱۱ جلد ۷، باب الربوٰ سنی دارالاشاعت۔

خلاصہ یہ کہ استفسار کا تعلق پورے طور سے صرف مساواتی حصص کے کاروبار سے ہے۔

اس کے جواب میں فقیہ عبقری اسلام نے جو حکم بیان فرمایا وہ یہ ہے:

"ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور وہ اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے، (یا نہیں؟) کم، زائد کو بیچا گیا تو ربا اور حرام قطعی ہے۔ اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جس میں تقابض بدلین نہ ہوا، یوں حرام ہے۔ پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے۔

غرض یہ معاملہ حرام، در حرام، محض حرام ہے۔ "حصص کی قیمت" شرعًا کوئی چیز نہیں، بلکہ اصل روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں، یا "مال" میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا "منفعتِ جائزہ، غیر ربا" میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم" (۱)

فقیہ اسلام کے اس فتوے سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ آپ نے مساواتی حصص کے ذریعہ کمپنی میں سرمایہ کاری کو بھی مطلقًا ناجائز و حرام قرار دیا ہے۔

میری نگاہ میں یہ بہت قوی اور اہم اشکال ہے کیونکہ آپ کی تحقیق قول فیصل اور حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے جس کے بعد مزید غور و فکر کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۱۱۱، ۱۱۲ جلد ۷۔ باب الربٰو۔ سُنی دارالاشاعت

حل: یہ بات اپنی جگہ حق ہے، اور سو فیصد حق ہے، واقعی آپ کی تحقیقاتِ جلیلہ، و تنقیحاتِ بدیعہ کی شان یہی ہے کہ کسی فقیہ کو ان پر اطلاع کے بعد سوائے تسلیم و قبول کے کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا۔ تو پھر مجھ جیسے بے علم کی کیا مجال۔

لیکن ان کے مفاہیم عالیہ کو سمجھنے کے لئے بڑی دقتِ نظر کے ساتھ ان کے الفاظ کی گہرائی میں اترنا ہوگا، صرف سرسری نظر سے ان کے باریک نکات کو سمجھ لینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، مجھ جیسے ناقص و بے بصیرت کی نظر ہی کیا، پھر بھی جو کچھ سمجھ میں آیا اُسے فقہ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

اوّلاً: آپ کے فتوے میں کہیں یہ صراحت نہیں . . . . کہ مساوات حصص کے ذریعہ کمپنی میں شرکت حرام، یا کم از کم ممنوع ہے۔

ثانیاً: ہمیں کوئی بھی فیصلہ صادر کرتے وقت بہر حال حالات زمانہ کو سامنے رکھنا بہت ضروری ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے کسی بھی فقیہ کو اختلاف رائے نہ ہوگا۔ اس لئے اس امر کی بھی جستجو کر لینا ضروری ہے کہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے فتوے کے وقت اس مسئلے کی جو ہیئت و نوعیت تھی وہ زمانہ و حالات زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے کہیں اب تبدیل تو نہیں ہوگئی ہے۔

ان امور کی تنقیح کے لئے آپ اس فتوے کو ایک بار پھر بغور پڑھئے۔ اس سے یہ **افادات** حاصل ہوتے ہیں:

(۱) "حصہ روپوں کا ہے"

یہاں حصّہ سے مراد وہ روپے ہیں جو حصہ داروں کے ذریعہ کمپنی میں جمع ہیں۔ جیساکہ افادۂ سادسہ کے تقابل سے عیاں ہے۔

اور "روپوں" سے مراد "چاندی کے انگریزی سکّے" ہیں، جو "ثمنِ خلقی" ہوتے ہیں۔ اس روپیہ کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام ہوتا ہے۔

(۲) ان روپوں کی بیع، روپوں کے بدلے میں برابر، برابر ہوگی، یا کم و بیش ——— دو ہی صورتیں ہیں۔

(۳) اگر روپوں کی بیع باہم کم، زائد کو ہو کہ ایک طرف روپے زیادہ ہوں اور اس زیادت کے مقابل دوسری طرف کوئی عوض نہ ہو تو یہ ربا اور حرام قطعی ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ روپے یعنی چاندی کے سکّے وزنی ہیں اور ساتھ ہی ہم جنس بھی۔ تو یہاں علتِ قدر و جنس دونوں موجود ہیں لہٰذا اس کے باعث روپوں کی باہم کم و بیش بیع "ربٰوالفضل" ہوگی۔ جیساکہ ارشاد رسالت ہے:

اَلْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، یَدًا بِیَدٍ، وَالْفَضْلُ رِبٰو۔ (۱)	چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر برابر، دست بدست بیچو، اور کسی طرف اضافہ سود ہے۔

(۴) روپوں کی بیع روپے کے بدلے میں مساوات کے ساتھ ہو تو یہ بیع شرعًا عقدِ صرف ہوگی، کہ عقدِ صرف نام ہے:

---

(۱) اَلْہدایۃ ص ۱۲ جلد ۳ - اول باب الرّبٰو۔ رشیدیہ ——— ونحوہٗ فی الصحیح لمسلم ص ۲۵ ج ۲، باب الربٰو۔ والترمذی ص ۱۲۰ ج ۱۔ نصب الرایہ ص ۳۵ باب الربا۔

"ثمن خلقی سے ثمنِ خلقی کے تبادلہ" کا

اور اس کی صحت کے لئے یہ لازمی شرط ہے کہ وقتِ عقد ہی دونوں عوضوں پر عاقدین کا قبضہ ہو جائے۔ اور یہاں دام پر بائع کا قبضہ تو ہو جاتا ہے مگر مبیع پر مشتری کا قبضہ مجلس میں متحقق نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ بھی حرام ہے۔

ان افادات کا تعلق شیئر دار سے اس کے حصے کی خریداری کے سلسلے میں تھا۔

(۵) حصہ داروں کو منافع کا جو سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے۔

(۶) "حصص کی قیمت شرعًا کوئی چیز نہیں" کیونکہ حصص ایک فرضی اور معدوم شئ ہیں، اور معدوم شئ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

یہاں "حصص" سے مراد منظور شدہ سرمائے کے ناقابلِ تقسیم چھوٹے چھوٹے اجزاء ہیں جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

(۷) حصہ دار کے اصل روپے جتنے کمپنی میں جمع ہیں، یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا "منفعتِ جائزہ، غیرِ ربا" میں جتنا اس کا حصہ ہے اس پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔

"منفعتِ جائزہ، غیرِ ربا" کا لفظ خالص قانونی، اور انتہائی جامع ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ کمپنی میں سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا نفع دو قسم کا ہے۔

جائز ، و ناجائز

مہ ثمن خلقی یعنی پیدائشی ثمن۔ یہ صرف سونا اور چاندی ہے۔ ۱۲ ن

ناجائز : تو وہ نفع ہے جو منافعِ تجارت کے ایک مخصوص حصے کو قرض دینے پر سود کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ اور

جائز : وہ نفع ہے جو قرض کے ذریعہ نہ حاصل ہو، بلکہ تجارت کے ذریعہ حاصل ہو۔

یہ افادات ایسے دور رس نتائج کے حامل ہیں کہ انھیں محسوس کر لینے کے بعد اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے تعمقِ فکر و نظر اور کمالِ علمی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے ان میں سے دو نتائج یہاں بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

نتیجۂ اولیٰ : آپ یہ پورا فتویٰ بار بار بغور پڑھ لیجئے، کہیں سے یہ ظاہر نہیں ہو گا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کمپنی میں شرکتِ حصص کو حرام، ناجائز، یا گناہ قرار دیا ہے۔

حصہ داروں کے روپیوں کی خرید و فروخت کو حرام لکھا ہے، منافعِ تجارت کے رِزرو، اور محفوظ حصے کو قرض دے کر اس سے نفع حاصل کرنے کو سود بتایا ہے۔

لیکن کمپنی میں روپے جمع کر کے براہ راست اس سے شرکتِ عقد کو حرام کیا، ممنوع بھی نہ فرمایا، حتیٰ کہ پورے فتوے میں ایسا کوئی لفظ بھی استعمال کیا جس سے ممانعت کا اشارہ ملتا ہو، بلکہ آپ نے بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اصل سرمائے سے تجارت کے جواز کا اشارہ دیا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کے جواز کی صراحت فرمائی ہے۔

اس کی وضاحت کے لئے آپ کے فتوے کے یہ الفاظ ایک دفعہ اور

نگاہوں کے سامنے لائیے۔

- " اصل روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں۔
- یا مال میں جتنا اس کا حصہ ہے۔
- یا منفعتِ جائزہ غیرِ ربا میں اس کا جتنا حصہ ہے " (آخر تک)

اس عبارت میں " اصل روپے " سے مراد توجیہ بالا کے مطابق مُساوی حصص کے روپے ہیں۔

" مال کا حصہ " سے مراد وہ " مالِ تجارت " ہے جو حصہ داروں کے اصل روپے سے خریدا گیا۔ اور اس میں ہر حصہ دار کا حصہ ہوتا ہے۔

" منفعتِ جائزہ، غیرِ ربا " سے مراد اُسی مال تجارت سے حاصل ہونے والا نفع ہے، کہ یہی وہ نفع ہے جو سود سے پاک اور جائز ہے۔

تو آشکارا ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کے نزدیک کمپنی کے مُساوی حصص کے ذریعہ " تجارت " جائز ہے اور اس کا نفع منفعتِ جائزہ، غیرِ ربا ہے، اور اس پر زکوٰۃ بھی لازم ہو گی۔

انتباہ: واضح رہے کہ یہاں دو باتیں ہیں:

(۱) کمپنی میں سرمایہ جمع کر کے اس کا شریک بننا۔

(۲) جمع سرمائے سے تجارت یعنی خرید و فروخت وغیرہ کرنا۔

درج بالا فتوے سے صرف تجارت کے جواز کا اشارہ ملتا ہے۔ لیکن کمپنی کا شریک بننا جائز ہے، یا ناجائز۔ اس بارے میں فتویٰ خاموش ہے، ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر آخری اشکال میں گفتگو کریں گے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ شیرداروں سے حصص خرید کر مشارکت جائز ہے یا نہیں ۔؟

تو اس کا انکشاف ذیل کی سطور سے ہوگا ۔

نتیجۂ ثانیہ

شیردار، اپنے حصص بیچ سکتے ہیں، یا نہیں، اس کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے حرام و گناہ قرار دیا ہے، اور اس بے مایہ نے جائز و حلال گردانا ہے ۔

اس کی وجہ حالاتِ زمانہ کا تغیر اور صورتِ مسئلہ کی تبدیل ہے ۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے زمانے میں چاندی کے روپے کا بھی چلن تھا، اور آپ کے جواب سے یہ عیاں ہے کہ شیرداروں کے حصص بھی یہی روپے ہوتے تھے کہ "بیع صرف" انھیں روپوں کے باہمی تبادلے سے وجود میں آتی ہے۔

تو روپے کے بدلے میں حصص کی بیع کا مطلب یہ ہوا کہ "روپے کی بیع روپے کے بدلے میں ہوئی"۔ یعنی عاقدین نے بیعِ صرف کیا۔ اب اگر یہ بیع باہم کمی بیشی کے ساتھ ہو تو "ربا بوجہِ فضل" کی وجہ سے ناجائز ہوگی ۔

اور اگر برابر، برابر ہو تو اس وجہ سے ناجائز ہوگی کہ

عقدِ صرف میں عاقدین کے الگ، الگ ہونے سے پہلے مبیع اور اس کے دام پر دونوں کا قبضہ ہونا ضروری ہے، جو یہاں مفقود ہے ۔

لیکن آج کے زمانے میں روپے کا چلن بالکل بند ہو چکا ہے اور اس کی جگہ اب پورے طور سے "کاغذ کے نوٹ" نے لے لی ہے۔ جس کے بارے میں خود اعلیٰ حضرت ہی کی تحقیق انیق یہ ہے کہ:

- نوٹ ثمنِ خلقی نہیں، بلکہ ثمن اصطلاحی ہیں ۔

- ان کی بیع باہم کم و بیش جائز ہے۔
- اور یہ بیع عقدِ صرف نہیں۔
- اس میں دونوں عوضوں پر مجلس میں عاقدین کا قبضہ بھی ضروری نہیں بلکہ کسی ایک عوض پر قبضہ ہو جانا کافی ہے۔
- نیز یہ متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں، ان کی ثمنیت باطل ہو جاتی ہے۔ اور یہ متاع و سامان ہو جاتے ہیں۔

ان مسائل کی تفصیل جمیل و تحقیق جلیل فتاویٰ رضویہ جلد سابع، نیز آپ کے رسالۂ مبارکہ کِفلُ الفقیہِ الفاھِم فی اَحکامِ قِرطاس الدراھم میں موجود ہے۔ یہاں بطور نمونہ صرف چند شواہد پر اکتفا کرتا ہوں۔

(ا) " نوٹ اور پیسے اصطلاحی ثمن ہیں، سونا چاندی ثمن خلقی ہیں"۔[1]

(ب) " بنائے کاغذ اصل آفرینش میں ثمن نہیں، اور "صَرف" وہی کہ ثمنِ خلقی، ثمنِ خلقی سے بیع کی جائے۔ یہ صرف سونا، یا چاندی ہے، و بس۔ ہاں آزانجا کہ فلوس و نوٹ اصطلاحًا ثمن ہیں ایک جانب سے قبضہ ضرور ہے"۔[2]

(ج) بیعُ الفلوسِ بالدَّراھِم (روپے کے بدلے میں پیسے یا نوٹ کی بیع) "صَرف" نہیں، نہ اس میں سب احکامِ صَرف جاری۔ مگر اس قدر میں شک نہیں کہ جب تا حینِ رواج ان کے لئے حکمِ اثمان ہے تو اَحَدُ الجانبین میں قبض بالید ہونا ضرور ہے۔" (۳)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۲۹ جلد ۷، باب الصرف، سنی دارالاشاعت
(۲) فتاویٰ رضویہ ص ۲۵۶ جلد ۷، باب الصرف، سنی دارالاشاعت
(۳) فتاویٰ رضویہ ص ۲۵۰ جلد ۷، باب الصرف، سنی دارالاشاعت

(د) "تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ پیسوں کے عوض ....

.... پیسے بیچے اور ایک طرف کا قبضہ ہوگیا، تو جائز ہے، اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہو گئے تو ناجائز ہے" (۱)

(ہ) "نوٹ اور روپیوں میں شرکت نہ قدر میں ہے، نہ جنس میں۔ جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی۔ اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپئے تول کی چیز ہیں اور "نوٹ" نہ تول کی، نہ ناپ کی۔ تو واجب ہوا کہ بیشی اور اُدھار دونوں جائز ہوں۔

توظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مالِ ربا سے ہی نہیں۔" (۲)

- "نوٹ کی بیع اور مُبادلہ میں کمی، بیشی برضامندئ فریقین مطلقاً جائز ہے کہ وہ اَموالِ ربویہ سے نہیں" (۳)

- "نوٹ فی نفسہ ایک عرض ومتاع ہے، نہ ثمن مگر بذریعہ اصطلاح اسے ثمنیت عارض ہے اور جب تک رائج رہے گا، اور عاقدین بالقصد اسے متعین نہ کریں گے عقودِ معاوضہ میں متعین نہ ہوگا۔ ....

اگر نوٹ بیچنے اور خریدنے میں صاف تصریح کردی کہ خاص یہ نوٹ بعینہٖ اتنے کو بیچا، ایسی صریح تصریح سے ثمنِ اصطلاحی متعین ہوجاتا ہے۔ (۴)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۱۵۰ جلد ۷، باب الربوٰ، رسالہ کفل الفقیہ، سُنّی دارالاشاعت

(۲) فتاویٰ رضویہ ص ۱۶۱ جلد ۷ " " " "

(۳) فتاویٰ رضویہ ص ۲۴۷ جلد ۷ باب الصرف، سنّی دارالاشاعت

(۴) فتاویٰ رضویہ ص ۶۰، ۶۱ جلد ۷، باب المرابحہ، " "

لگے ہاتھوں ایک شہادت بہار شریعت کی بھی ملاحظہ فرمایئے، حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں ؛

• " نوٹ کو نوٹ کے بدلے میں بیچنا بھی جائز ہے۔ اور اگر دونوں معین کرلیں تو ایک نوٹ کے بدلے میں دو نوٹ بھی خرید سکتے ہیں، جس طرح ایک پیسے سے معین دو پیسوں کو خرید سکتے ہیں۔ روپیوں سے اس کو خریدا یا بیچا جائے تو جدا ہونے سے پہلے ایک پر قبضہ ہونا ضروری ہے جو رقم اس پر لکھی ہوتی ہے اس سے کم و بیش پر بھی نوٹ کا بیچنا جائز ہے"(۱)

ان شواہد سے روز روشن کی طرح سے عیاں ہو کر یہ حقائق سامنے آجاتے ہیں کہ نوٹ کے بدلے میں نوٹ کی بیع، بیعِ صَرف نہیں، اس میں ایک طرف سے عوض نقد، اور دوسری طرف سے اُدھار ہو تو جائز ہے، یوہنی عوضین میں کمی بیشی بھی جائز ہے۔ اور آج پوری دنیا میں کسی کو اس سے اختلاف رائے نہیں، یہاں تک کہ دیوبندی مذہب کے اَعیان واَرکان نے بھی اپنے "مُطاع العالم" اور "ثانی بانیٔ اسلام" سے بغاوت اور انحراف کر کے اس باب میں علمائے اہلسنت سے اتفاق رائے کرلیا ہے ؎

جب حالات اس قدر تبدیل ہوچکے ہیں تو کیا اب بھی احکام میں تبدیلی نہیں ہوگی ؟

ہوگی، اور ضرور ہوگی ! غور فرمائیے :

---

(۱) بہار شریعت ص ۲۰۶، جلد ۱۱، بیع صرف کا بیان۔ قادری بکڈپو
؎ مجلہ فقہ اسلامی۔

○—— اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کے زمانے میں "بیعِ حصص" کی ایک شکل یہ تھی کہ روپے کی بیع روپے کے بدلے میں ہوتی تھی جو باہم قدر اور جنس میں مشترک ہیں اس لئے کمی، بیشی کے ساتھ ان کی بیع "ربا الفضل" یا "سود بوجہِ فضل" کی باعث تھی، لہذا ناجائز و حرام و گناہ تھی۔

لیکن آج کے زمانے میں "بیعِ حصص" کی شکل صرف یہ ہے کہ نوٹ کی بیع نوٹ کے بدلے میں ہوتی ہے اور ان میں تفاضل یعنی کمی، بیشی بالاتفاق جائز ہے کہ یہ نہ تو باہم قدر میں مشترک ہیں، اور نہ ہی یہاں ربا الفضل کا تحقق اور وجود ہوتا ہے۔ اور آج بھی اگر کوئی چاندی کا سکہ (روپیہ) اس کے ہم جنس سے بیچے تو اس میں کمی بیشی ناجائز و حرام ہوگی جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے زمانے میں ناجائز و حرام تھی۔

○—— روپے ثمنِ خلقی ہیں اس لئے باہم ان کی بیع، بیع صرف ہوئی جس کی صحت کے لئے بدلین پر مجلس میں دونوں عاقدوں کا قبضہ ضروری ہے۔ لہذا مساوات اور برابری کے ساتھ بیعِ حصص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عہد میں اس لئے ناجائز و حرام ہوئی کہ مشتری کا مبیع پر قبضہ متحقق نہ تھا۔ یعنی "تقابضِ بدلین" کی شرط مفقود تھی۔

اور آج کے زمانے میں جب "نوٹ کی بیع نوٹ سے" ہوتی ہے جو خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ہی صراحت کے مطابق "عقدِ صرف" نہیں ہے تو اس کے صحیح ہونے کے لئے بدلین پر دونوں عاقدوں کا قبضہ ضروری نہ ہوا، بلکہ ایک طرف سے بھی قبضہ کافی ہے۔

اور بیع حصص میں کم ازکم دام پر بائع کا قبضہ ضرور ہو جاتا ہے اس لئے اب بیع حصص خود فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں جائز و درست ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے عہد میں "روپے" کے ساتھ "نوٹ" کا بھی چلن ہو گیا تھا، لیکن آپ نے صرف "روپے" کی بیع کا حکم بیان فرمایا، اس کی دو وجہ ہو سکتی ہے۔

ایک یہ کہ ممکن ہے اُس زمانے میں کمپنی کا کاروبار روپے سے ہی ہوتا ہو، چنانچہ سوال میں "روپیہ" کا ہی لفظ استعمال ہوا ہے، اور آپ نے بھی جواب کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

"ظاہر ہے کہ حصّہ "روپوں" کا ہے۔"

اس لئے آپ نے صرف "روپے" کا حکم بیان فرمایا۔

دوسرے یہ کہ یہی شکل ناجائز تھی لہٰذا اسے بیان فرمادیا، تاکہ اس میں کوئی مُلوّث نہ ہو، اور جائز شکل یعنی "نوٹ سے نوٹ کی بیع" کو اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ اس کی صراحت تو فتاویٰ رضویہ میں جا بجا ہے، اور کم ازکم جب تک رسالۂ مبارکہ کفل الفقیہ موجود ہے کسی کو اس شکل کے ناجائز ہونے کا شبہہ نہیں ہو سکتا۔ تو یہ شکل محتاجِ بیان نہ تھی۔

ایک نقض

کمپنی جب شیرداروں کی وکیل عام ہوتی ہے اور مبیع پر اس کا قبضہ پہلے ہی سے ثابت و متحقق ہے تو روپے کی بیع والی صورت میں بھی تقابُضِ بدلین پا لیا گیا، اور اس طور پر یہ بیع جائز ہونی

چاہئے جیسا کہ اس کے پہلے اس کو بھی ایک حل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔
لیکن ان سب کے باوجود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اسے ناجائز قرار دیا، تو پتہ چلا
کہ کمپنی کا قبضہ کوئی چیز نہیں، وہ بالکل کالعدم ہے۔

رفعِ نقض یہاں اس نقض کا ورود ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ:

اولاً: اس کا ورود اس بات پر موقوف ہے کہ
اعلیحضرت علیہ الرحمہ کے عہد میں بھی کمپنی کا "وکیلِ عام" ہونا ثابت ہو، حالانکہ
اب تک اس کا کوئی ثبوت فراہم نہ ہو سکا۔ تو جب تک کہ یہ ثبوت فراہم نہ کر دیا
جائے یہ نقض کالعدم ہوگا۔

کمپنیوں کے آئین میں بارہا ترمیم ہوئی ہے۔ آج کے زمانے میں ۱۹۵۶ء
کا ترمیم شدہ قانون جاری ہے جس کے مطابق کمپنی اپنے حصہ داروں کی وکیلِ عام
ہوتی ہے جس کے عموم میں "وکالتِ قبض" بھی داخل ہے۔

لیکن اعلیٰ حضرت کے عہد میں یقیناً ۱۹۵۶ء سے پہلے کا قانون نافذ تھا
تو ممکن ہے اس زمانے میں کمپنی کی حیثیت صرف وکیلِ بیع و شراء کی ہو، وکیلِ عام
کی نہ ہو، اور سوال میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس زمانے
میں بھی کمپنی کی حیثیت وکیلِ عام کی تھی، اس لئے اعلیٰ حضرت کے عہد کے لئے یہ توجیہ
نہیں کی جا سکتی کہ بیع پر کمپنی کے قبضہ کی وجہ سے تقابضِ بدلین ہو گیا۔ لیکن آج
یہ توجیہ نہ صرف ممکن، بلکہ عین مناسب ہے کہ کمپنی کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا۔
کیونکہ وہ مشتری کی وکیلِ عام ہے۔

نیز یہ امر مسلمات سے ہے کہ معنیٰ کا جواب سوال کے مطابق ہوتا ہے،

خود مجدد اعظم فرماتے ہیں :

● ــــ " دارالافتاء ، دارالقضا نہیں ، یہاں کوئی تحقیقِ واقعہ نہیں ہوتی صورتِ سوال پر جواب دیا جاتا ہے " (۱)

● ــــ " علمائے کرام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جس عقد کا سوال میں ذکر ہو اُسے صحت پر محمول کر کے جواب دیا جائے " (۲)

● ــــ " مفتی اُسی پر فتویٰ دے گا جو اس کے سامنے پیش کیا جائے گا " (۳)

اور سوال میں کمپنی کے نظام کار کی جو تفصیل مرقوم ہے اس میں کمپنی کے وکیلِ قبض ہونے کی کوئی صراحت ، یا اشارہ نہیں ہے ۔ اس لئے اس سوال کا جواب بس یہی تھا کہ یہ عقد ناجائز ہے ، کیونکہ تقابضِ بدلین نہ ہوا ۔

لیکن آج جب کمپنی کے آئین سے یہ شہادت فراہم ہو چکی ہے کہ وہ اپنے حصہ داروں کی وکیلِ قبض بھی ہوتی ہے تو اب تقابضِ بدلین نہ پائے جانے کی قباحت ختم ہو گئی ۔

مختصر یہ کہ فتاویٰ رضویہ کے سوال کی رو سے کمپنی وکیلِ قبض نہ تھی ، اور مجلس شرعی کے سوال کی رو سے وکیلِ قبض ہے ۔ یعنی کل صورتِ مسئلہ کچھ اور تھی ، اور آج اس کے برخلاف کچھ اور ہے ، لہٰذا حکم میں اختلاف یا تبدیلی لازمی ہے ۔

ثانیاً : " نوٹ سے نوٹ کی بیع " پر وارد ہونے والے اشکال کا ایک حل

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۲ جلد ۷ ، کتاب الکفالۃ ، سنی دارالاشاعت

(۲) فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۳ جلد ۷ ، کتاب الکفالۃ ، سنی دارالاشاعت

(۳) فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۲ جلد ۷ ، کتاب الکفالۃ ، سنی دارالاشاعت

جو یہ پیش کیا گیا ہے کہ کمپنی کے قبضہ کی وجہ سے تقابض بدلین ہو جاتا ہے وہ محض بطور تنزل ہے، اس حل پر ہمارے موقف کی بنیاد قطعی نہیں۔

اصل حل جس پر ہمارے موقف کی بنیاد ہے یہ ہے کہ نوٹ کی بیع والے مسئلے میں عوضین پر قبضہ ضروری نہیں، بلکہ صرف ایک طرف سے عوض پر قبضہ ضروری ہے۔ اور اس حل پر قطعی کوئی نقض نہیں وارد ہوتا۔

روپے کے بدلے میں متاع کی بیع

اس صورت کا حکم بنظرِ اختصار فتاویٰ رضویہ میں نہیں بیان کیا گیا کہ اُس زمانے میں اس بیع کے جواز کا کبھی کوئی راستہ نہ تھا، تو اس کے بیان کی چنداں حاجت نہ تھی۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ نوٹ کے بدلے میں متاع کی بیع "بیع مطلق" ہے جس میں دام تو اُدھار رہ سکتا ہے لیکن مبیع کا نقد ہونا ضروری ہے چنانچہ ہدایہ باب البیع الفاسد میں ہے:

قال: وَمَن بَاعَ عَيناً علىٰ أن لَّا يُسَلِّمَهُ إلىٰ رَأسِ الشَّهرِ فالبيعُ فاسدٌ۔ لِأَنَّ الأَجَلَ فِي المبيعِ العينِ باطلٌ فيكون شرطًا فاسدًا۔	جس نے کوئی سامان بیچا، اور شرط یہ رکھی کہ مہینے کے اختتام تک مشتری کو وہ سامان نہ دے گا، تو بیع فاسد ہے۔ اس لئے کہ مبیع معین میں اُدھار باطل ہے، لہٰذا یہ شرط فاسد ہوگی۔
وهٰذا، لِأَنَّ الأَجَلَ شُرِعَ ترفيهًا، فَيَلِيقُ بالديون،	اور یہ اس لئے کہ اُدھار آسانی کی فراہمی کے لئے مشروع ہوا ہے تو یہ دیون کے

دون الأعیان ۔ اھ (۱)
لائق ہے (جو ذمہ میں واجب ہوتے ہیں)
نہ کہ متاع وسامان کے (جو معین ہوتے ہیں)

اور آج کے زمانے میں متاع اُدھار نہیں رہتا، کیونکہ وہ مشتری کے وکیلِ عام ”کمپنی“ کے ذمہ میں ہوتا ہے۔

یہی وہ متعدد فرق ہیں جن کے باعث آج کے زمانے میں تو بیعِ حصص جائز ہے لیکن مجدد اعظم کے عہد میں ناجائز تھی۔ اور بلا ریب یہ فرق حالاتِ زمانہ کے تغیر و اختلاف کی وجہ سے ہی رونما ہوئے۔

ع   بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

ہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے قرض پر نفع کو سود و ناجائز قرار دیا ہے اس سے ہم بھی سرِ مو انحراف نہیں کرتے۔

آپ نے کمپنی کے جاری شدہ حصص کو بے قیمت مانا ہے، ہم بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

لیکن ساتھ ہی اس سے یہ بھی عیاں ہوگیا کہ کمپنی کی تجارت جائز اور اس کی منفعت جائزہ ہے۔

سولہواں اشکال

جدید طریقہ، تجارت میں ہے:

”مشترکہ سرمایہ کمپنی کے حصص تین طرح سے جاری کیے جاسکتے ہیں:

(۱) مساوی قیمت پر

---

(۱) ھدایہ ص ٤٤ جلد ۲ ۔ باب البیع الفاسد ۔ رشیدیہ

(۲) گراں قدر پر

(۳) چھوٹ پر

جب حصص کو اُن پر چھپی قیمت کے عوض جاری کیا جاتا ہے تو وہ حصص کا "مُساوی قیمت" پر اجرار کہلاتا ہے۔ مثلاً دس روپے کا ایک حصہ دس روپے میں جاری کیا جائے۔

اور جب حصص کو ان کی قیمت سے زیادہ پر جاری کیا جاتا ہے تو اس کو "گراں قدر" پر اجرار کہتے ہیں۔ مثلاً دس روپے کا حصہ بیس ۲۰ روپے میں جاری کیا جائے۔

اور جب حصص کی قدر سرمایہ بازار میں گرجاتی ہے تو کمپنی زرکاروں کو ترغیب دینے کے لئے حصص کو چھپی ہوئی قیمت سے کم میں جاری کرتی ہے، اس کو "چھوٹ" کہتے ہیں، مثلاً کمپنی دس روپے والے حصہ کو آٹھ روپے میں جاری کرے" (ص ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۲)

اجرائے حصص کے اقسام کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ شرکت تو حصہ دار کی اتنے ہی روپوں میں ہوگی جتنے روپے اس نے جمع کئے ہیں لیکن اس کو نفع بہرحال حصص پر چھپی ہوئی قیمت کے حساب سے ملے گا، یعنی دس روپے والا حصہ کوئی بیس روپے میں حاصل کرے تو وہ نفع میں بیس روپے کے حساب سے نہیں شریک ہوگا، بلکہ صرف دس روپے کے حساب سے ہی نفع کا حقدار ہوگا۔ اور اگر دس روپے والا حصہ کسی نے آٹھ روپے میں حاصل کیا ہے تو اسے بھی نفع دس روپے کے ہی حساب سے ملے گا یہ نہیں کہ آٹھ روپے

کے حساب سے اسے نفع دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ حصہ پر جتنی رقم چھپی ہے اسی پر نفع جوڑا جائے گا تو تینوں طرح کے شرکاء نفع میں برابر کے حقدار ہوں گے، حالانکہ ان کا مال شرکت برابر نہیں بلکہ کسی کا کم، کسی کا زیادہ، کسی کا اور زیادہ ہے اور یہ انصاف کے تقاضے کے خلاف ہے۔

حل یہ تقاضائے انصاف کے خلاف نہیں کیونکہ عرف شاہد ہے کہ یہ سب کچھ شرکاء کی باہمی رضامندی سے ہوتا ہے اور رضا کے ساتھ اس طرح کے معاہدۂ شرکت کی کھلی اجازت ہے کہ شرکاء کے مال کم و بیش ہوں مگر نفع کے حقدار سبھی مساوی طور پر ہوں۔ جیسا کہ درج ذیل فقہی جزئیات سے عیاں ہوگا۔

(ا) إن قلّ رأسُ مالِ أحدِهما وكثر رأسُ مالِ الآخر واشترطا الرّبح بينهما على السّواءِ، أو على التّفاضلِ فإنّ الرّبح بينهما على الشرط۔ كذا في السّراج الوهّاج اھ (۱)	شریکین میں سے ایک کا مال کم، اور دوسرے کا زیادہ ہے مگر دونوں نے طے یہ کیا کہ نفع دونوں کو برابر ملے گا، یا کم و بیش ملے گا۔ تو نفع ان کی قرارداد کے مطابق تقسیم ہوگا۔ ایسا ہی سراج وہاج میں ہے۔
(ب) إشتركا، فجاء أحدُهما بألفٍ والآخرُ بألفين على أنّ الرّبح والوضيعة نصفان، فالعقدُ جائزٌ والشرطُ في حقّ الوضيعة باطلٌ۔ فإن عملا، وربحا فالرّبح على ما شرطا۔ كذا في محيط السرخسي۔ اھ (۲)	دو آدمیوں نے شرکت کی، ایک نے ایک ہزار روپے دیے اور دوسرے نے دو ہزار۔ اور طے یہ ہوا کہ دونوں نفع میں بھی آدھے آدھ کے شریک ہوں گے اور نقصان میں بھی۔ تو عقد شرکت صحیح ہے، البتہ نقصان میں آدھے آدھ شرکت کی شرط باطل ہے۔ لہذا اگر دونوں نے کاروبار میں نفع کمایا تو اس میں وہ آدھے آدھ کے حقدار ہوں گے۔ ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔

اسی طرح کی ایک صراحت شرکتِ عنان کے امتیازات کی بحث میں دُرِّ مختار کے حوالے سے بھی گزر چکی ہے۔

---

(۱) الفتاوی الہندیۃ ص ۳۰۴، ۳۰۵ ج ۲ - الفصل الثانی من الباب الثالث - مجیدی

(۲) الفتاوی الهندیه ج ۲ ص ۳۰۴، الفصل المذکور، مجیدی

عہ ص ۱۲۴، ۱۲۵ -

ان اقتباسات سے یہ امر بہت کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ شرکت میں نفع کے تعین کا مدار فریقین کی رضا پر ہے لہذا فریقین اگر راضی ہوں کہ ان کا مال کم و بیش ہو اور نفع برابر۔ تو یہ جائز و درست ہے۔

ٹھیک یہی حال کمپنی کے حصہ داروں کا ہے کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے کمپنی کی شرکت قبول کرتے ہیں جو ان کی رضا کی واضح دلیل ہے لہذا ان کی شرکت بھی جائز و درست ہوگی۔

علاوہ ازیں شیئر کے دام میں یہ کمی بیشی اشیاء کے نرخ میں اُتار چڑھاؤ اور مالِ تجارت میں کمی بیشی کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اس کی قدرے تشریح یہ ہے کہ شیئر پر چھپی قیمت سے زیادہ دام پر وہ کمپنی اپنے حصص جاری کرتی ہے، جو پہلے کے بہ نسبت مالی حیثیت سے زیادہ مستحکم ہو جاتی ہے۔ اس کا مالِ تجارت بڑھ چکا ہوتا ہے اور گرانی کے بڑھنے کی وجہ سے اشیاء کے نرخ میں بھی اضافہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے باعث پہلے کے حصہ دار جن کو ابتدا میں مثلاً دس روپے کے شیئر پر پچیس روپے کا نفع ملتا تھا انھیں اب اسی شیئر پر پچاس روپے کا نفع ملتا ہے کیونکہ کمپنی کی مالی حیثیت میں مثلاً دو نے کا اضافہ ہو چکا ہوتا ہے، اس لئے ایسے وقت میں جب کوئی شخص کمپنی کی شرکت قبول کرتا ہے تو کمپنی اسے دس روپے کے شیئر بیس روپے میں دیتی ہے کہ جب مالی پوزیشن دوگنی ہو چکی تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ شیئر کی قیمت بھی دوگنی ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ ان نئے شیئر داروں کو نفع پہلے شیئر داروں کے مساوی ملتا ہے۔

اور اگر کمپنی کی ساکھ مالی حیثیت سے خراب ہو جاتی ہے، اس کا کاروبار

خسارہ میں چلنے لگتی ہے تو اسی کے حساب سے اس کے شیئر کی قیمت بھی کم ہو جاتی ہے لہٰذا اس کا دس روپے کا شیئر مثلاً آٹھ روپے، یا اس سے بھی کم کا ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ شیئر کے دام میں درج بالا عوامل کی بنا پر یہ کمی بیشی ایک منصفانہ عمل ہے لہٰذا اس حیثیت سے بھی مساواتی حصص کا اجرا مساوی یا کم و بیش قیمت پر جائز ہے۔

سترہواں اشکال[۱۷]

میری نگاہ میں یہی اشکال سب سے قوی اور آخری اشکال ہے، وہ یہ کہ ہدایت کار بورڈ قرض تمسکات اور ترجیحی حصص کے ذریعہ جو سرمایہ تجارت میں لگاتا ہے اس کا نفع کمپنی کے آئین کے مطابق سارے مساواتی حصہ داروں کو ایک مساوی تناسب سے ملتا ہے اور جب کمپنی خسارے کی شکار ہوتی ہے تو موجودہ سرمایۂ تجارت سے جس میں مساواتی شیئرز کا سرمایہ بھی ہوتا ہے۔ سارے قرض خواہوں اور ترجیحی حصہ داروں کا قرض مع سود ادا کیا جاتا ہے تو یہ دستور جانتے ہوئے کمپنی کی سرمایہ کاری میں شرکت اختیار کرنا جزوی طور پر اپنے ذمہ دوسروں کے سودی قرض کا بار لینا ہوا، یا کم از کم اس پر رضامند ہونا ہوا۔ اور قرض دوسرے کا ادا کرنا گو جائز ہے لیکن اس قرض پر عائد ہونے والا سود ادا کرنا، یا اس پر راضی ہونا ناجائز ہے۔ ارشاد باری ہے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ چوں کہ مساواتی حصص کے ذریعہ کمپنی میں شمولیت اس ناجائز کام کا ذریعہ ہوئی تو اس حیثیت سے یہ شمولیت بھی ناجائز ہوئی۔

اس اشکال کا حل تیسرے[۱۷] اور چوتھے[۱۷] اشکال میں گزر چکا ہے مگر جیسا کہ احوال[۱۷] واقعی میں بیان ہوا اس پر عوام کا عمل مشکل ہے اور سدّباب کے لئے ممانعت ضروری ہے۔

اور اس کے علاوہ میری نگاہ میں کوئی حل نہیں سوائے اس کے کہ کمپنی اپنے آئین میں یہ ترمیم کردے کہ وہ مساواتی شیئر داروں سے اپنے قرضے کا سود نہ لے گی۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ قرض کا بار شرعی نقطۂ نظر سے صرف قرض لینے والے افراد یعنی ڈائرکٹرس پر ہے عام شرکائے عنان کے ذمہ اس کا قطعی کوئی مطالبہ نہیں جیسا کہ گذشتہ اوراق میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی لیکن کمپنی اس شریک سے اپنے ذمہ کا سود ادا کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ لیتی ہے تو یہ جانتے ہوئے کمپنی میں شرکت ایک ناجائز کام میں تعاون کے لئے سبب ہوئی۔

یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ کمپنی کا شریک بننا گو ناجائز ہے لیکن اس کی تجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والا نفع حلال ہے کیونکہ تجارت میں جو مال شامل کیا گیا ہے وہ مساواتی حصص کا ہو، یا ترجیحی حصص کا یا قرض تمسکات کا بہرحال سب کا سب بجائے خود پاک و حلال ہے اس کی تفصیل ص۱۵۶ پر ہے۔

حکمِ شرعی

ان مباحث سے جو حکم شرعی منقح ہو کر سامنے آیا وہ یہ ہے کہ: سرمایہ کمپنی میں مساواتی حصص کے ذریعہ شمولیت شرکتِ عقد کی ایک خاص قسم "شرکتِ عنان" ہے اور ان سے تجارت جائز و درست ہے لیکن ان حصص کا حصول چونکہ ایک ناجائز کام (سود) میں تعاون یا کم از کم رضا کا ذریعہ ہے اس لئے ان کا حصول اور ان کی خرید و فروخت ناجائز و گناہ ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ کمپنی کے کاروبار میں شرکت سے کمل اجتناب کریں۔ اور جو لوگ اس میں ملوث ہیں وہ فوراً اپنے حصص کسی غیر مسلم سے بیچ کر کنارہ کش ہوجائیں، ساتھ ہی توبہ بھی کریں یونہی جو لوگ پہلے کبھی ملوث رہے وہ بھی توبہ کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسرا باب

قرض تمسکات

یا

ڈبینچرس

DEBENTURES

کمپنی عوام سے قرض لے کر ان کو ایک چھپی ہوئی رسید دیتی ہے جس پر قرضے کی رقم، اس کی ادائیگی کی مدت اور دیگر تفصیلات درج ہوتی ہیں، اسی رسید کو "قرض تمسک" اور "ڈبینچرس" اور "سندِ قرض" بھی کہا جاتا ہے۔

کمپنی کے عظیم سرمایہ کی عمارت جن تین ستونوں[1] پر قائم ہے ان میں سے ایک اہم ستون "قرض تمسکات کا لین دین" بھی ہے۔

یہ قرض تمسکات قابلِ تبادلہ ہوتے ہیں، ان میں سے بعض کا اجرا سود کی شرط سے پاک ہوتا ہے، اور بعض سود کی شرط پر جاری کئے جاتے ہیں۔ اس لئے زرکاری کے نقطۂ نظر سے ان تمسکات کی خریداری بھی شیر بازار میں عام ہے۔

قرض تمسکات کی خریداری

کمپنی میں سرمایہ کاری کا ایک طریقہ قرض تمسکات کی خریداری بھی ہے۔ یعنی کمپنی کے پرانے قرض خواہوں کے قرض خریدکر ان کے تمسکات اپنے نام ٹرانسفر کرانا۔ تو یہ خریداری حقیقت میں تمسکات کی نہیں، بلکہ مالِ قرض کی ہوتی ہے جو کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے اور تمسکات، سندِ قرض کے طور پر نئے خریداروں کے نام منتقل کئے جاتے ہیں۔

اب یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

ایک: یہ کہ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

دوسرے: یہ کہ اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

---

[1] پہلا ستون: مساواتی حصص۔ دوسرا ستون: ترجیحی حصص۔ تیسرا ستون: قرض تمسکات ۱۲ ن

جہاں تک اس معاملے کی حقیقت کا سوال ہے تو وہ دراصل، خرید وفروخت ہے، کیونکہ قرضخواہ کمپنی کو قرضے میں نوٹ دیتے ہیں اور اسی کے بدلے میں اپنے خریداروں سے نوٹ لیتے ہیں تو یہ نوٹ کا نوٹ سے، بلفظ دیگر مال کا مال سے تبادلہ ہوا، اور اسی کا نام خرید وفروخت ہے۔

رہ گیا: اس کا حکم شرعی!

تو بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بیع باطل ہے، کیونکہ بیع کے انعقاد وتحقق کے لئے ضروری ہے کہ بائع، مبیع کا مالک ہو۔ اور یہاں قرض کے جن روپوں کو مبیع قرار دیا جارہا ہے وہ بائع کی نہیں، بلکہ کمپنی کی ملک ہیں کیونکہ قرض دیدینے کے بعد مالِ قرض کا مالک مقروض ہوجاتا ہے، قرض دینے والا اس کا مالک نہیں رہ جاتا، جیساکہ گزشتہ جزئیات میں اس کی صراحت موجود ہے، نیز اشباہ میں ہے:

إختلفوا في القرض، هل يملكه المستقرض بالقبض، أو بالتصرف؟ .... وبيع المستقرض يجوز إجماعاً۔ فيه دليلٌ على أنه يملك بنفس القبض وإن كان مما لايتعين، كالنقدين اھ (۱)	قرض لینے والا، مالِ قرض پر قبضہ کے ساتھ ہی اس کا مالک ہوجاتا ہے، یا اسے کام میں لانے کے بعد؟ اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس پر اجماع ہے کہ قرض لے کر اسے بیچ دے تو بیع صحیح ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرض لینے والا قبضہ کرتے ہی اس کا مالک ہوتا ہے اگرچہ مالِ قرض ان چیزوں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتیں جیسے سونا، چاندی۔

(۱) الأشباہ والنظائر ص ۵۲۳ القول في الملك من الفن الثالث مطبع: نول کشور

پھر یہاں یہ بھی معلوم نہیں کہ بعینہٖ وہ روپے کمپنی کے پاس موجود ہیں، یا تجارت میں صرف ہو چکے ہیں۔

ہاں قرض دینے والا کمپنی سے اپنے مثلِ مال کا حقدار ہے لیکن اس کی مالک بھی وہی کمپنی ہے تو قرض دینے والے کی طرف سے وہ بیع باطل ہونی چاہیے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحلُّ .... بيع ما ليس عندك۔ أخرجه أصحابُ السنن إلا ابن ماجة د، ت، ن و الحاكم في المستدرك ہ (۱)	حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز تیرے پاس (تیری ملک میں) نہیں اس کی بیع حلال نہیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اپنے اپنے سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔

یہ فی الواقع ایک شبہہ ہے جو ادنیٰ سے تامل کے بعد زائل ہو جاتا ہے کیونکہ ملکِ غیر کی بیع ابتداءً باطل نہیں ہوتی، بلکہ موقوف ہوتی ہے یعنی بیع کا انعقاد تو ہو جاتا ہے لیکن اس کا نفاذ مالک کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ وہ اگر جائز کر دے تو بیع نافذ ہو جائے گی۔

پھر یہ حکم بھی اس وقت ہے جب مالک نے غیر کو اپنے مال کی بیع کی اجازت نہ دی ہو، اور یہاں ایسا نہیں، کیونکہ جب کمپنی کے آئین میں یہ مصرح ہے کہ

---

(۱) نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ ص ۱۸، ۱۹، ج ۴ باب البیع الفاسد۔

قرض تمسکات قابلِ تبادلہ ہیں اور قرض دینے والا اسے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کے سلسلے میں آزاد ہے تو یہ کمپنی کی طرف سے اپنے مال سے مثلِ قرض کی بیع کی کھلی ہوئی اجازت ہے لہٰذا یہ بیع منعقد ہونے کے ساتھ نافذ بھی ہوئی۔

اِشکال قوی

یہ تو ٹھیک ہے کہ بیع منعقد بھی ہوگئی اور نافذ بھی۔ لیکن صحیح نہ ہوئی۔ کیونکہ بیع کی صحت کے لئے مبیع کا مقدورُ التسلیم ہونا شرط ہے اور یہاں وہ مبیع یعنی "مالِ قرض، یا "مثلِ مالِ قرض" کمپنی کے قبضہ میں ہے اس لئے بائع اس کی تسلیم سے عاجز ہے، یہی وجہ ہے کہ غیرِ مدیون کے ہاتھ دین کی بیع، یا اس کا ہبہ فقہاء نے ناجائز قرار دیا، چنانچہ اشباہ میں ہے:

دبیعُ الدین لا یجوز۔	دین کی بیع صحیح نہیں، ہاں اگر اسے
ولو باعہٗ من المدیون، أو	مدیون ہی کے ہاتھ بیچا، یا اسے ہبہ کیا
وھبہٗ جاز۔ اھ (۱)	تو صحیح ہے۔

مدیون کے ہاتھ بیع اس لئے جائز ہے کہ اس کے حق میں مبیع (یعنی دین) کی تسلیم پہلے ہی سے متحقق ہے۔ اور غیرِ مدیون کے ہاتھ بیع کی صورت میں نہ تسلیم متحقق ہے، اور نہ ہی قدرۃ علی التسلیم۔ لہٰذا وہ بیع ناجائز ہوئی، یہی حال یہاں قرض کے خریدار کا ہے کہ اس کے پاس وہ مال موجود نہیں، اور بائع تسلیم پر قادر نہیں، لہٰذا یہ بیع بھی فاسد ہوئی۔

یہ اشکال بجائے خود اتنا قوی ہے کہ اس کے حل کے لئے کوئی راہ

(۱) الأشباہ والنظائر ص ۲۰۷، القول فی الدین من الفن الثالث۔ نول کشور

نظر نہیں آتی ۔ کیونکہ :

کمپنی کو دیئے جانے والے قرض آٹھ طرح کے ہیں جن میں سے سات طرح کے قرضے قابلِ وصول ہوتے ہیں اور ایک ناقابلِ وصول ۔ اور یہ وہ قرض ہوتا ہے جو کمپنی کے خاتمہ پر ہی قرضخواہ کو لوٹایا جاتا ہے اور بہرحال کمپنی کے ساتھ ان قرضخواہوں کا رشتہ تقریباً ایسا ہی ہوتا ہے جیسا عام قرضخواہوں اور قرضداروں کا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی کسی کا وکیل اور مؤکل نہیں ہوتا ۔ اسی طرح سے کمپنی بھی اپنے قرضخواہوں کی وکیل نہیں ہوتی ، نہ وکیل عام ، نہ وکیلِ خاص ۔ لہذا اسے اپنے قرضخواہوں کی طرف سے کسی چیز پر قبضہ کی قطعی کوئی ولایت نہیں ہوتی ۔

اس لئے یہاں اتنی بات تو یقینی ہے کہ کمپنی کے قرضخواہ سے کوئی بھی شخص جب قرض کی رقم خریدتا ہے تو اس کے حق میں مبیع کی تسلیم اصالۃً یا وکالۃً کسی طرح بھی متحقق نہیں ہوتی ۔

" اصالۃً " تو ظاہر ہے کہ مشتری ہی اصیل ہے اور مال قرض (جو مبیع ہے) اس کے پاس موجود نہیں ، ہاں وہ مال یا اس کا مثل کمپنی کے پاس ضرور ہے ، لیکن کمپنی اس کی وکیل نہیں ہے اس لئے " وکالۃً " بھی تسلیم کا تحقق نہ ہوا ۔

یعنی مبیع نہ تو اصیل کے پاس ہے ، اور نہ ہی وکیل کے پاس ، اس لئے یہاں تسلیم تو بالکل ہی منتفی ہے ۔

ـــہ جدید طریقہ تجارت ص ۱۹۸ ، ۱۹۹ ، ۲ ، ڈبینچرس کے اقسام ۔

رہ گئی " قُدرۃ علی التسلیم " تو اس کا انتفار بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ جو قرضے قابلِ وصول ہوتے ہیں وہ بھی "میعادی" ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی کچھ شرائط کے ساتھ مشروط بھی ہوتے ہیں تو جب تک کہ تمام شرائط کی تکمیل کے ساتھ میعاد بھی نہ پوری ہو جائے قرض خواہ کمپنی سے اپنا قرض وصول کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

اور مشتری کے ہاتھ " قرض " کی فروختگی کے بعد تو متوقع قدرت بھی ختم ہو جاتی ہے کہ اب تو میعاد پوری ہونے پر بھی وہ رقم وصول نہ ہو گی۔ لہذا اس معاملۂ بیع وشرار کو اس کی اصل صورتِ حال پر باقی رکھتے ہوئے صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اور اگر قرض ناقابلِ وصول ہو تو یہاں بدرجۂ اولیٰ قدرۃ علی التسلیم مفقود ہے کہ یہ قرض کمپنی کے خاتمہ سے پہلے وصول ہی نہیں ہو سکتا اسے شریعت میں " قرضِ مُردہ " کہا جاتا ہے جس کی بیع وشرار قطعًا ناجائز ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کے درج ذیل سوال وجواب سے عیاں ہے :

ﻋﮧ جدید طریقۂ تجارت میں صرف بعض قرضوں کے میعادی ہونے کی صراحت ہے اور بقیہ کے بارے میں سکوت ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ بقیہ قرض بھی میعادی ہوتے ہیں کہ کمپنی انھیں قرضوں سے باقاعدہ سرمایہ کاری کر سکتی ہے اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ کمپنی یہ قرضے اس وقت لیتی ہے جب اس کے پاس منظور شدہ سرمائے کے حصص ختم ہو چکے ہوتے ہیں اور مزید کاروبار کے فروغ کا انحصار زیادہ تر انھیں قرضوں پر ہوتا ہے ایسی صورت حال میں اگر قرض غیر میعادی ہو کہ قرضخواہ جب چاہے کمپنی سے وصول کرلے تو کمپنی کا مقصد فوت ہو سکتا ہے۔ تاہم اگر کوئی قرض غیر میعادی ہو تو وہ ہماری بحث کے دائرے سے خارج ہوگا۔ اور یہاں تسلیم پر قدرت متحقق ہوگی۔ ۱۲ ن

بجنور کے سید شاہد حسین انسپکٹر نے آپ سے یہ سوال کیا :

"پرامیسری نوٹ کی خرید و فروخت جائز ہے، یا نہیں، پرامیسری نوٹ کا روپیہ مُردہ نہیں ہے البتہ اس قدر ضرور بے قابو ہے کہ ضرورت کے وقت مالک کو نہیں مل سکتا، جب گورنمنٹ کے اعلان پر کوئی جدید خریدار پیدا ہو اس وقت روپیہ مالک کو مل جائے گا، اب اس کے واسطے جس قدر زمانہ گزرے .... البتہ منافعِ مقررہ ملتا رہے گا، براہ کرم جوابِ شافی مرحمت فرمائیے" (۱)

اس کے جواب میں فقیہِ عبقریِ اِسلام نے یہ فتویٰ صادر کیا :

"پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں دیتی ہے، خریدار پیدا ہونے پر اگر یہ بیع کرے گا تو خریدار سے روپیہ لے گا، گورنمنٹ کے یہاں سود دینے کے لئے اس کے نام کی جگہ خریدار کا نام قائم ہو جائے گا۔

یہ اس قرض کا واپس ملنا نہ ہوا، قرض ملتا تو گورنمنٹ سے ملتا، نہ کہ خریدار سے۔ تو وہ قرض یقیناً مُردہ ہے۔ اور یہ کہ ملتا ہے تو غیر مدیون کے ہاتھ دَین کی بیع سے ملتا ہے وہ بیع ناجائز و فاسد و حرام ہے مگر جب کہ خریدار کو مدیون سے اس کا قبضہ لینے پر مسلط کر دے۔

اَشباہ میں ہے :

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۸ ج ۷ باب البیع الفاسد سنی دارالاشاعت، مبارکپور

لایجوز بیع الدّین ممن	(غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع صحیح
لیس علیه الدین إلّا إذا	نہیں، مگر یہ کہ اسے دَین پر قبضہ
سَلّطَهٗ علیٰ قبضه۔	کرنے کا اختیار دیدے)

اور یہاں قبضہ پر مسلط کرنا ناممکن ہے کہ سو خریدار بدلیں گورنمنٹ وہ روپیہ کسی کو نہ دے گی، سود دیتی رہے گی تو یہ روپیہ قطعًا، اجماعًا حرام محض، بیچنا حرام، روپیہ لینا حرام، اور لے لیا ہو تو واپس دینا فرض ہے پھر اس روپیہ سے کون سے انتفاع کا امکان ہوا، اور یہی معنی "قرض مرّہ" کے ہیں کہ ملک ہو، اور انتفاع پر قدرت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم" (۱)

یہاں سے معلوم ہوا کہ کمپنی کے ذمہ عوام کا جو قرض ہوتا ہے اس کی خرید و فروخت شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں، بلکہ فاسد ہے۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بیع مثلِ قرض کی نہیں، بلکہ قرض تمسکات کی ہو رہی ہے کیونکہ کمپنی کا آئین تمسکات کو قرض کی رسید تسلیم کرتا ہے جیسا کہ سوال نامے میں ہے اور ظاہر ہے کہ بیع رسید کی نہیں ہوتی بلکہ جس مال پر رسید کی دلالت ہو رہی ہے اس کی یا اس کے مثل کی ہوتی ہے۔

ہاں اس کے جواز کے لئے یہ حیلہ ہوسکتا ہے کہ قرض کے خریدار کمپنی کو اپنا وکیل قبض بنادیں، اور کمپنی کی طرف سے ہدایت کار یہ وکالت قبول کرلیں تو اس طرح بیع صحیح ہوگی کہ مبیع پر اصیل کا قبضہ نہ سہی، اس کے وکیل کا قبضہ تو ہوگیا۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۲۰۰، جلد ۷۔ باب البیع الفاسد۔ سنی دارالاشاعت

لیکن یہ، یا اس طرح کے دوسرے حیلوں کا سوائے اس کے کوئی فائدہ نہیں کہ بیع صحیح ہوگئی، اور مشتری اس عقد کے واسطہ سے نیا قرض دہندہ وقرض خواہ ہوگیا۔ ورنہ کمپنی کے ساتھ اس کا کاروبار اب بھی حرام ہی ہے کیونکہ اس کا یہ قرض سود کی شرط سے مشروط ہے جو بلاشبہ حرام و گناہ ہے اس لئے قرض کے ذریعہ کمپنی میں سرمایہ کاری کا رائج معاملہ کسی بھی حال میں جائز نہیں۔ خواہ براہ راست کمپنی کو قرض دے کر اس سے تمسکات حاصل کئے جائیں، یا پہلے قرضخواہوں سے قرض خرید کر ان کے تمسکات اپنے نام ٹرانسفر کرائے جائیں۔

صِفر سودکی در پر قابلِ تبدیل قرض کی حصص میں تبدیلی۔

یہ قرض دو پہلوؤں سے قابلِ غور ہے۔

ایک: یہ کہ یہ قرض کیا واقعی غیر سودی ہے؟

دوسرے: یہ کہ حصص میں اس کی تبدیلی کا حکم شرعی کیا ہے؟

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ قرض بھی سودی ہے کیونکہ کمپنی قابلِ تبدیل قرض تمسکات اس شرط پر جاری کرتی ہے

"قرض تمسکات کی الاٹ مینٹ کی تاریخ کے ایک سال بعد کمپنی اپنے حصص اضافی قیمت کے ساتھ جاری کر کے قرض تمسک واپس لے لے گی"

(کمپنی کا تعارف)

ے یعنی ایسا قرض جس پر سود کا لین دین نہ کیا جائے ۱۲ ن

یہ شرط کمپنی میں "شرکت کی شرط" ہے، تو قرض کا یہ معاملہ "نفع یعنی شرکت کی شرط سے مشروط کر کے ہوا جو سود اور حرام و گناہ ہے۔

علاوہ ازیں:

"کمپنی قرض تمسک کو حصص میں تبدیل کرتے وقت اپنے حصص کی جو اضافی قیمت مقرر کرتی ہے اس میں قرض تمسک پر دستور کے مطابق تعیری سود کو مہیا کر دیتی ہے"۔ (کمپنی کا تعارف)

یہ، اور "تعارف" میں دی گئی اس کی مثال سے عیاں ہوتا ہے کہ ایک مصلحت کے پیش نظر یہاں "سود" کا لفظ تو نہیں بولا جاتا، لیکن اس کا لحاظ بایں طور ضرور کر لیا جاتا ہے کہ اس قرض پر سال بھر میں جتنا سود ملنا چاہیئے اتنا، یا کچھ کم و بیش کمپنی اپنے حصص سے کم کر کے ان قرضخواہوں کو حصص جاری کرتی ہے تو سود کا لفظ گو نہ بولا جائے لیکن عمل درآمد تو سود ہی کا ہے اور اعتبار عقود میں لفظ کا نہیں، بلکہ معنی کا ہی ہوتا ہے تو اس حیثیت سے بھی یہ قرض سودی ہوا۔

لیکن معمولی تأمل کے بعد یہ دونوں اشکالات دفع ہو جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ یہ قرض "شرکت" کی شرط سے مشروط ہوتا ہے، لیکن شرکت فی الواقع کوئی "نفع" نہیں، بلکہ بسا اوقات یہ عیب قرار پاتی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے اس لیے قرض کے ساتھ شرکت کی شرط ہرگز نفع کی شرط نہیں، تو اس حیثیت سے یہ قرض سودی نہ ہوا۔

رہ گیا جاری شدہ حصص کا بازار بھاؤ سے کم پر حاصل کرنا۔ تو یہ دو وجہ سے ہے:

ایک تو اس وجہ سے کہ حصص بازار سے حاصل کرنے کے بجائے براہ راست کمپنی سے حاصل کرنے میں سستے پڑتے ہیں۔ کیونکہ دلال بہر حال اپنے نفع کے لئے زیادہ سے زیادہ دام وصول کرتے ہیں۔

دوسرے اس وجہ سے کہ کمپنی کو قرض دینے والا کمپنی کا ممبر ہوتا ہے، کمپنی اسے بھی شیئر دار مانتی ہے اور ہر تجارتی ادارہ اپنے ممبروں کے ساتھ رعایت کا برتاؤ کرتا ہے۔ مثلاً ایک مال جو کسی غیر ممبر کو سو روپے میں دیا جاتا ہے وہی مال اپنے ممبر کو ساٹھ روپے میں دیا جاتا ہے۔

اس لئے صفر سود کی در پر دیا جانے والا قرض واقعی غیر سودی ہے۔

اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ اس قرض کی حصص میں تبدیلی جائز ہو کہ یہ تبدیلی فی الواقع شرکت ہے اور سود مفقود، تو جائز ہونا چاہیے مگر جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے کمپنی میں کسی بھی طرح مشارکت ایک ناجائز امر (سود) میں تعاون کا ذریعہ ہے کیونکہ اس میں ترجیحی حصص اور قرض تمسکات کا بھی عمل دخل ہوتا ہے اس لئے گو یہ قرض بجائے خود سودی نہیں تاہم اس کے ذریعہ بھی حصص کا حصول ناجائز ہی رہے گا۔

چوتھا باب
متفرقات

حصص کے فروخت کی ضمانت کا حکم:

کمپنی کو کاروبار شروع کرنے کے لئے کم از کم جتنے سرمایہ کی ضرورت ہے اس کی فراہمی سے قبل وہ حصص کا الاٹمنٹ نہیں کرتی۔ چونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ عوام کے ذریعہ اتنا سرمایہ اکٹھا ہو جائے اس لئے وہ کسی ایجنٹ سے اپنے جاری کردہ حصص لینے کا معاہدہ کرتی ہے تاکہ وہ "کم از کم سرمایہ" کی فراہمی کی فکر سے آزاد ہو جائے یہ ایجنٹ اس بات کی گارنٹی لیتا ہے کہ عوام کے ذریعہ حصص اور قرض تمسکات لینے کے بعد جو کچھ بھی حصص اور قرض تمسکات بچ رہیں گے وہ خود لے لے گا۔

اس معاہدہ کو "حصص و تمسکات کی فروخت کی ضمانت" کہتے ہیں۔

ضامن کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ چاہے تو خود یہ حصص لے کر کمپنی کا شریک بن جائے، اور چاہے تو دوسروں کو یہ حصص دے کر انھیں شریک بنائے اور بہرحال شیئرز و ڈبنچرس لینے پر اسے دو فیصد یا زیادہ کمیشن ملتا ہے۔

یہ حقیقت میں خرید و فروخت نہیں ہے، بلکہ اسنادِ حصص، و قرض تمسکات پر چھپی ہوئی رقم جمع کر کے کمپنی میں سرمایہ کاری ہوتا ہے۔ یہ سرمایہ کاری تین طرح سے ہوتی ہے۔

(۱) مساواتی حصص کے ذریعہ۔
(۲) ترجیحی حصص کے ذریعہ
(۳) قرض کے ذریعہ۔

قرض کے ذریعہ سرمایہ کاری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایجنٹ قرض تمسکات لے کر کمپنی کو قرضہ دیدیتا ہے، اور کمپنی ایک طے شدہ در سے اس قرضہ پر اسے سود دیتی ہے۔

اس سلسلے میں اسلام کا نقطۂ نظر بہت ہی واضح ہے کہ سودی قرض کا لین دین حرام و گناہ ہے۔ لہذا عام قرضخواہوں کی طرح ایجنٹ کو بھی سودی قرض کے ذریعہ کمپنی میں سرمایہ کاری کرنا حرام و گناہ ہے۔

اور "ترجیحی حصص" اپنی حقیقت کے لحاظ سے سودی قرض ہی ہوتے ہیں اس لئے ایجنٹ کو ان حصص کے ذریعہ بھی سرمایہ کاری کرنا حرام و گناہ ہے۔ یوہیں ایجنٹ کو یہ بھی حرام و گناہ ہے کہ دوسروں کو ترجیحی حصص اور قرض تمسکات لینے پر آمادہ کرے کہ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

رہ گئے "مساواتی حصص" تو جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کیا گیا، ان کا حصول بھی ناجائز ہی ہے اس لئے ان کی ضمانت بھی ناجائز ہوگی۔ . . . .

. . . .

البتہ یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ ایجنٹ کو "گارنٹی" پر جو "کمیشن" ملتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس سلسلے میں راقم السطور کا نقطۂ نظریہ ہے کہ یہ کمیشن بظاہر رشوت ہے اور حقیقت میں اجرت یا چھوٹ۔ اس کی قدرے وضاحت یہ ہے۔

(۱) "حصص لینے کی گارنٹی" شرعی نقطۂ نظر سے محض ایک وعدہ ہے۔ اور وعدہ کوئی شئ متقوم نہیں جس کے مقابل کچھ معاوضہ پایا جائے۔ معاوضہ تو کسی مال، یا منفعت، یا کام کے مقابل ہوتا ہے جبکہ وعدہ فی الواقع نہ مال ہے، نہ منفعت نہ کام۔ (منفعت سے مراد کرائے کی چیز سے فائدہ اٹھانا ہے) تو "وعدہ" کے مقابل جو کمیشن طے ہوا وہ نہ دام ہے، نہ کرایہ، نہ کسی کام کی مزدوری۔ بلکہ یہ محض کام بنانے کی لالچ میں کمپنی کی طرف سے ایک پیشکش ہے جو رشوت ہے۔ اس حیثیت سے گارنٹی پر کمیشن کا معاہدہ ناجائز و گناہ ہے۔ مگر اس معاملے کی تہ میں اتر کر اس کا جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوگا کہ صرف گارنٹی، یا وعدہ پر ایجینٹ کو کوئی کمیشن نہیں ملتا، بلکہ حصص لینے پر کمیشن ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی ایجینٹ حصص نہ لے تو اسے کچھ نہ ملے گا۔ اس لیے یہ کمیشن رشوت کے دائرے سے باہر ہے۔

(۲) اب اگر ایجینٹ وہ حصص خود ہی لے کر کمیشن کی رقم نقد وصول کرلے تو اس کی حیثیت "اجرت" کی ہوگی، مگر یہ اجرت ناجائز ہوگی، کہ حصص لے کر کمپنی کے ساتھ مشارکت ایجینٹ کا اپنا نجی کام ہے اور اپنے کام پر اجرت لینے کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔

(۳) اور اگر اس کی صورت یہ ہو کہ حصص لینے پر کمپنی ایجینٹ کے لیے حصص پر چھپی قیمت کمیشن کی مقدار کم کردے تو اس کے حق میں یہ "حصص کا چھوٹ پر اجرا" ہوا۔ مگر یہ توجیہ حقیقت سے بعید تر ہے۔

(۴) ہاں اگر ایجینٹ حصص خود نہ لے بلکہ دوسرے کو دے کر اسے کمپنی کا شریک وشیر دار بنائے تو اس صورت میں کمیشن کی حیثیت "اجرت" کی ہوگی جس کا حکم دلالی کی بحث میں آرہا ہے۔

دلّالی کا حکم

کمپنی اپنے حصص اور قرض تمسکات فروخت کرنے کے لیے، شیئر بازار کے دلالوں کی مدد لیتی ہے۔ ان دلالوں کو فروخت کیے ہوئے حصص کی قیمت پر جو کمیشن دیا جاتا ہے اسے "دلّالی" کہتے ہیں۔ دلّالی کی شرح حصص کی فروخت پر پانچ فیصد ہوتی ہے۔

اس تشریح سے یہ معلوم ہوا کہ "دلالی" ایک قسم کی "اُجرت و مزدوری" ہے۔ جسے کمیشن بھی کہا جاتا ہے۔ اور اجرت، شرعی نقطۂ نظر سے جائز کام پر جائز ہوتی ہے اور ناجائز کام پر ناجائز۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہوا ترجیحی حصص اور سودی قرض کے ذریعہ کمپنی میں سرمایہ کاری حرام قطعی اور مساواتی حصص کے ذریعہ ناجائز ہے لہٰذا اس کی فروختگی پر اجرت لینا بھی ناجائز ہوگا کہ یہ ناجائز کاروبار پر تعاون اور اس کی ترغیب و رہنمائی ہے جو شرعًا ناجائز ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ — گناہ اور سرکشی کے کام پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

کمپنی اور اس سے وابستہ افراد

گزشتہ صفحات میں جس کمپنی کے نظام کار کا شرعی اور قانونی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا گیا ہے اس کی عمارت سرمایہ کاری کے تین بنیادی ستونوں پر کھڑی کی گئی ہے:

(۱) مساواتی حصص

(۲) ترجیحی حصص۔

(۳) قرض تمسکات۔

(۴) اور بعض کمپنیوں میں ایک ذیلی ستون "حصص کی ضبطگی" بھی ہے۔ جو شرعًا قبیح لذاتہٖ ہے۔ اور بقیہ تینوں اپنی ذات کے لحاظ سے گو حسن یا مباح ہی ہیں مگر وہ ایسے شرائط کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں جو بجائے خود قبیح لِذاتہٖ ہیں۔

اس کی قدرے تشریح یہ ہے کہ اگر کوئی حصہ دار اپنی مجبوری یا کسی اور وجہ سے حصص کی تمام قسطیں مقررہ میعاد، پھر بڑھائے ہوئے وقت تک ادا نہ کرسکے تو اس کا جمع کردہ کل سرمایہ بحق کمپنی ضبط کرکے اسے خود اپنی ہی دولت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور یہ ایک قسم کی غارت گری ولوٹ کھسوٹ ہے، جو بلاشبہ قبیح لِذاتہٖ ہے۔

قرض کا لین دین فی نفسہٖ جائز ہے، بلکہ قرض دہندہ کی طرف سے یہ ایک قسم کا احسان ہے جو باعثِ اجر و ثواب ہے مگر کمپنی کی دنیا میں یہ قرض سود کی شرط پر دیا، اور لیا جاتا ہے اور سود یقینًا حرام قطعی و قبیح لِذاتہٖ ہے۔

ترجیحی حصص بھی اپنی حقیقتِ شرعیہ کے لحاظ سے قرض ہی ہیں اور ان پر ملنے والا نفع سود۔ لہٰذا وہ بھی فی نفسہٖ حسن، اور اس کی شرط قبیح لِذاتہٖ ہے۔

مُساواتی حصص، شرکتِ عنان کا پاک سرمایہ ہیں اور ان کے ذریعہ مشترکہ تجارت ایک فعلِ مباح ہے، لیکن اس فعلِ مباح کو اس طرح قبیح بنا دیا گیا ہے کہ سرمایۂ شرکت میں سودی قرض، اور ترجیحی حصص، اور ضبط شدہ حصص کا سرمایہ بھی خلط کرکے کاروبار کیا جاتا ہے۔

تو پتہ چلا کہ ان چاروں ارکان میں سے کوئی بھی رکن ایسا نہیں ہے جو کسی قبح سے داغدار نہ ہو، اور بلا دریغ اسے کسبِ حلال کہا جا سکے ۔

ان میں سے اخیر کے تین ارکان تو قطعاً حرام و گناہِ کبیرہ ہیں جن کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اور مساواتی حصص کا حصول حرام قطعی تو نہیں پھر بھی ناجائز ضرور ہے. جیسا کہ پہلے بیان ہوا ۔

یہ تو کمپنی کے کاروبار کا حال ہوا ۔

رہ گئے کمپنی سے وابستہ لوگ ! تو وہ چار طرح کے ہیں ۔

(۱) بانیان ۔

(۲) ہدایت کاران ۔

(۳) حصہ داران ۔

(۴) قرض دہندگان ۔

قرض دہندگان : ان کے لئے کمپنی میں " مالِ قرض " سے سرمایہ کاری مطلقاً ناجائز وحرام و گناہ ہے ۔ حتیٰ کہ حصص میں بدلنے والا قرض بھی جائز نہیں کہ جب تک وہ قرض رہتا ہے سود کی شرط سے آلودہ رہتا ہے ۔

حصہ داران : ان کے ایک گروپ " ترجیحی حصہ داران " کا کاروبار بھی مطلقاً ناجائز ، وحرام و گناہ ہے ۔

اور ان کے دوسرے گروپ " مساواتی حصہ داران " کا بھی تقریباً یہی حال ہے کہ ان کے لئے بھی کمپنی میں سرمایہ کاری ناجائز و گناہ ہے ۔

ہدایت کاران : کمپنی کے جائز کاروبار کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے ناجائز کاروبار بھی انھیں کے توسط سے انجام پاتے ہیں اس لئے ان کے حق میں ان کے فرائض واختیارات سے متعلق جملہ ناجائز امور حرام وگناہ ہیں۔

قرض سے وابستہ مساواتی حصص جاری کرنا بھی حرام وگناہ ہے۔

تو ان کی شرعی حیثیت، ناجائز کام پر ملازم، کی ہے۔ اور ناجائز کام پر ملازمت کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہ لوگ دو طرح کے گناہ میں ملوث ہوتے ہیں۔ ایک تو ان کا اپنا گناہ جس کا یہ لوگ ارتکاب کرتے ہیں۔ دوسرے ان لوگوں کے گناہ جو ان کی ترغیب یا ان کے تعاون سے ناجائز کاموں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بانیان : یہی لوگ کمپنی، اور اس کے جملہ ناجائز امور کا منصوبہ بناتے، پھر دولت صرف کرکے قانونی طور پر کمپنی کی تشکیل کرتے، پھر اسے میدانِ عمل میں لاکر کاروبار شروع کرتے ہیں، اس لئے ان کے حق میں ان کے دائرہ عمل کے سارے ناجائز کام بشمول قرض سے وابستہ مساواتی حصص حرام وگناہ ہیں۔

اور یہ لوگ طرح طرح کے گناہوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔

- ایک تو ناجائز کاروبار کی منصوبہ سازی
- پھر اس کے لئے کمپنی کا قیام
- پھر عوام کو اس کاروبار کے لئے دعوت و پیشکش۔
- نیز ہدایت کاروں اور دوسرے سرمایہ کاروں کے جملہ آثام و اوزار۔

عن جریر قال : ...... فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : .... ومن سنّ فی الإسلام سُنّۃً سَیِّئۃً کان علیہ وِزرُھا، ووِزرُ من عمل بھا من بعدہٖ من غیر أن یَّنقص من أوزارھم شیئٌ۔ رواہ مسلم (۱)

حضرت جریر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ .... جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اس کا اپنا گناہ ہوگا، اور اس کے بعد اس پر جتنے لوگ عمل کریں گے، ان کا گناہ بھی اسی پر ہوگا، اور ان کے اپنے گناہوں میں سے کوئی کمی بھی نہ ہوگی۔ (مسلم شریف)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَمن دَعَا إلیٰ ضلالۃٍ کان علیہ من الإثم مثل اٰثامِ من تبعَہٗ لاینقص ذٰلك من اٰثامھم شیئًا۔ (۲)

جو کسی گمراہی کی طرف بلائے، تو جتنے لوگ اس کے بلانے پر چلیں گے ان سب کے برابر اس داعی پر گناہ ہوگا، اور اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳ ۔ الفصل الاول من کتاب العلم۔
(۲) مسند احمد بن حنبل ص ۳۹۷، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف، نسائی شریف۔

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ مشترکہ سرمایہ کمپنی کے بانیوں پر اپنے گناہ کے ساتھ ساتھ ہدایت کار بورڈ، اور تمام سرمایہ کاروں کا بھی گناہ عائد ہوگا۔

فرض کیجئے کمپنی کے سرمایہ کاروں کی مجموعی تعداد پچاس ہزار ہے تو یہ سب اپنے اپنے جرم کی وجہ سے تنہا تنہا گنہگار ہوں گے، اور ڈائرکٹرس اپنے اپنے گناہ کے ساتھ ان تمام سرمایہ کاروں کے گناہ کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔

اور بانیوں پر اپنے گناہ کے ساتھ تمام ڈائرکٹرس اور سرمایہ کاروں کے ہزاروں ہزار گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا، نفعِ قلیل کے لئے گناہوں کا اتنا عظیم بار، وہ بھی یہ چند روزہ زندگی کے لئے عقل و خرد سے بہت بعید ہے۔

اسلامی سرمایہ کمپنی

مشترکہ سرمایہ کمپنی کے نظام کار کے جائزہ سے یہ امر اچھی طرح عیاں ہوچکا کہ یہ کمپنی کبھی اسلامی کمپنی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس کے اصول، اسلام کے معاشی اصولوں سے بہت حد تک متصادم ہیں اس لئے جملہ اہل اسلام، بالخصوص مسلم ممالک پر فرض ہے کہ وہ ہرگز ایسی کمپنی کی داغ بیل نہ ڈالیں جس میں کاروبار کے لئے سود کاری کی شرط، یا کم از کم اجازت ہو۔

بلکہ مسلم ممالک اور مسلم رؤسا کو چاہئے کہ ان کمپنیوں کے بالمقابل "اسلامی سرمایہ کمپنی" قائم کریں۔ جس کی اساس اسلام کے "نظام شرکت" پر استوار کی گئی ہو اور اسے تمام شرعی نقائص و مفاسد سے پاک و صاف رکھا گیا ہو۔ اور خاص طور سے اس میں یہ نقائص نہ ہوں۔

(۱) ترجیحی حصص۔ کہ یہ فی الواقع سرمایۂ سود ہیں۔

(۲) سود کی شرط پر جاری ہونے والے قرض تمسکات

(۳) حصص کی تمام قسطیں ادا نہ ہونے پر جمع شدہ رقم کی ضبطگی۔

(۴) سودی قرض تمسکات کے ذریعہ مساواتی حصص کے حصول کی سہولت۔

اسلامی نظام شرکت کا جو چارٹ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے اس کے مطابق سرمایہ کمپنی میں یہ امور روا ہیں۔

(۱) مساواتی حصص کا کاروبار۔

یہی حصص شرکت کی بنیاد ہیں۔

(۲) سرمایۂ شرکت سے مضاربت۔

یعنی یہ سرمایہ کسی کو اس طور پر دیا جائے کہ وہ اس سے تجارت کرے اور نفع میں صاحبِ مال و تاجر دونوں ایک طے شدہ فیصد کے لحاظ سے شریک ہوں۔

(۳) اُدھار خرید و فروخت۔

عن صُہیب، قال: قال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ثلٰثٌ فیھنّ البرکۃ۔ اَلبیع إلیٰ أجل، وَالمُقارَضۃُ، وإخلاط البُرِّ بالشعیر للبیت، لا للبیع۔ رواہ ابن ماجۃ۔ (۱)

حضرت صُہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں میں برکت ہے۔ اُدھار بیع، مضاربت۔ اور گھر کے استعمال کے لئے جَو میں گیہوں ملانا، دوسروں کے ہاتھ بیچنے کے لئے نہیں۔ (ابن ماجہ)

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، باب الشرکۃ والوکالۃ ص ۲۵٤۔ نصب الرایہ کتاب الشرکۃ ص ٤۷۵ ج ۳ عن سنن ابن ماجہ، فی التجارات۔

(۴) بیع مرابحہ۔ یعنی لاگت پر معین نفع بتاکر سامان کو بیچنا۔

(۵) دوسروں کے ساتھ شرکت۔

یعنی اگر ہر شریک کی طرف سے دوسرے کو یہ اجازت ہو کہ وہ اپنی رائے سے کام کر سکتا ہے تو وہ دوسروں کے ساتھ شرکت کر سکتا ہے۔

(۶) اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے۔

(۷) دوسرے کو رہن دے سکتا ہے۔

آج ہم کو مشترکہ سرمایہ کمپنی میں ہر گام پر غصب، اور سود اور اس طرح کے دوسرے ناجائز عقود کا جو سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کمپنی کی باگ ڈور ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہے جو مذہب اسلام کے احکام و شرائع سے ناآشنا اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ اگر ہم یہ انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیں تو قوم مسلم آج بھی سود کاری جیسے ناجائز کاروبار سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اور ہمارا معاشرہ ایک صالح، اسلامی معاشرہ بن سکتا ہے۔

ہمارے مسلم رؤسار اور مسلم ممالک اگر چاہیں تو علمائے کرام کی رہنمائی میں جگہ جگہ "اسلامی سرمایہ کمپنی" قائم کر کے معاشیات کی دنیا میں اسلام اور اہل اسلام کا سر بلند کر سکتے ہیں، اور یہ جتا سکتے ہیں کہ اسلامی اصولوں پر سرمایہ کاری کوئی دشوار کام نہیں، اور اسی میں ملک و قوم کی فلاح و بہبود ہے۔ کاش کہ ہمارے اندر ملی فلاح و بہبود کا جذبہ بیدار ہو جاتا۔ اور ہم دیگر اقوام عالم کے علی الرغم "اسلامی سرمایہ کمپنی" کا مثالی کردار پیش کر سکتے۔

نہ ہو مایوس اے اقبال اپنی کشت ویراں سے ❊ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

قد تم بعون اللہ تعالیٰ و توفیقہ فالحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ۔

(۴) بیع مُرابحہ۔ یعنی لاگت پر معین نفع بتا کر سامان کو بیچنا۔

(۵) دوسروں کے ساتھ شرکت۔

یعنی اگر ہر شریک کی طرف سے دوسرے کو یہ اجازت ہو کہ وہ اپنی رائے سے کام کر سکتا ہے تو وہ دوسروں کے ساتھ شرکت کر سکتا ہے۔

(۶) اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے۔

(۷) دوسرے کو رہن دے سکتا ہے۔

آج ہم کو مشترکہ سرمایہ کمپنی میں ہر گام پر غصب، اور سود اور اس طرح کے دوسرے ناجائز عقود کا جو سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کمپنی کی باگ ڈور ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہے جو مذہب اسلام کے احکام و شرائع سے ناآشنا اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ اگر ہم یہ انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیں تو قوم مسلم آج بھی سود کاری جیسے ناجائز کاروبار سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اور ہمارا معاشرہ ایک صالح، اسلامی معاشرہ بن سکتا ہے۔

ہمارے مسلم رؤسا، اور مسلم ممالک اگر چاہیں تو علمائے کرام کی رہنمائی میں جگہ جگہ "اسلامی سرمایہ کمپنی" قائم کر کے معاشیات کی دنیا میں اسلام اور اہل اسلام کا سر بلند کر سکتے ہیں، اور یہ جتا سکتے ہیں کہ اسلامی اصولوں پر سرمایہ کاری کوئی دشوار کام نہیں، اور اسی میں ملک و قوم کی فلاح و بہبود ہے۔

کاشکہ ہمارے اندر ملی فلاح و بہبود کا جذبہ بیدار ہو جاتا۔ اور ہم دیگر اقوام عالم کے علی الرغم "اسلامی سرمایہ کمپنی" کا مثالی کردار پیش کر سکتے ؎

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے ✿ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

قد تم بعون اللہ تعالیٰ و توفیقہ فالحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ۔